مرتب ہو گئے لاکھوں فسانے
ہماری مختصر سی داستاں سے
الحرف الآخر
ابطال تدفین الشیخ عبد القادرؒ
از
مولانا سید عبدالرحیم صاحب دہلوی
ناشر
دعوت و تبلیغ - دہلی

(قال اللہ تعالیٰ)

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

(سورۃ النساء)

پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور اس کے رسول کے، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر، یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا۔

(حضرت شاہ صاحب دہلویؒ)

مرتب ہو گئے لاکھوں فسانے
ہماری مختصر سی داستان سے!

مولانا شاکر دہلوی

الحرف الآخر

فی ابطال تدفین

الشیخ عبدالقادرؒ

از

حضرت مولٰنا سید عبدالرحیم شاہ دہلوی

ناشر

ادارہ دعوت و تبلیغ ۴۸۴۷ صدر بازار، بارہ ٹوٹی دہلی

قیمت۔ ۵/- روپے

انتساب

میں اپنی اس حقیر کوشش کا قطب الاقطاب سلطان الاولیاء حضرت "اقدس رائیپوری قدس سرہٗ" کی اُس پاک روح کے نام سے انتساب اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں جو ابھی تک تدفین شرعی اور اپنی اور اپنے ہادی و مرشد حضرت اقدسؒ کی دیرینہ تمنّا اور محبوب ترین خواہش کی تکمیل کے لئے مضطرب و بے چین ہے۔

ع :- اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

غلام غلامان رائیپور

سیّد احقر عبدالرحیم دہلوی غفرلہٗ

ادارہ دعوت وتبلیغ ۴۸۴۷ صدر بازار۔ بارہ ٹوٹی۔ دہلی ۶

فہرست

فہرست مضامین	صفحات

فہرست مضامین	صفحات

فہرست مضامین	صفحات

کب تک خاموش رہتے؟

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

• امابعد! قطب الاقطاب، سلطان الاولیاء حضرت سیدنا و مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری قدس اللہ سرہٗ" کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء کو لاہور میں ہوا۔ سیدنا و مولانا حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ" کا ارشاد عالی اور محبوب ترین خواہش کہ "زندگی بھر تو ساتھ رہے جی چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی ساتھ ہی رہیں!"

حضرت اقدس کی پاکستان تشریف لیجانے کی شرائط میں بعد وصال پاکستان سے رائپور واپس کرنے کا مکرر سکرر مولوی عبدالجلیل صاحب سے وعدہ لینا بھی تھا لیکن صاحبزادگان محترم آں حضرت قدس سرہم" کی خواہش کے علی الرغم جنازہ مبارکہ کو "ڈھڈیاں" لے گئے اور تدفین شرعی سے محروم کر کے تابوت میں رکھ کر سمنٹ کے ایک کمرہ میں محبوس و مقید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک خالی الذہن وناواقف شخص اس کو اتفاقی واقعہ سمجھ سکتا ہے لیکن یہ کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ایک منصوبہ تھا جس کا آغاز اس طرح ہے کہ باوجود ضعف وکبر کے پاکستان تشریف لیجانے کے لئے اسی منصوبہ کے تحت حضرت رح کو مجبور کیا گیا تھا مولوی عبدالجلیل صاحب کے علاوہ بے شک دوسرے پاکستانی احباب اپنے اصرار میں مخلص ہونگے اور اس منصوبہ سے قطعًا ناواقف بھی ہونگے ہم بھی ان کو غیر متعلق ہی سمجھتے ہیں

● اسکے بعد تارکین تدفین شرعی نے اسی غیر شرعی صورت کو برقرار رکھنے کیلئے ہمہ گیر مہم چلائی مولوی عبدالجلیل و مولوی عبدالوحید صاحبان کی شخصیات ایسی نہیں ہیں کہ ہند و پاک میں اسقدر اور وسیع درجہ میں انکو تعاون وحمایت حاصل ہوسکتی۔ دونوں صاحبزادگان حضرت رح کی نسبت سے ایک محدود حلقہ ہی میں جانے پہچانے جاتے ہیں لیکن صاحبزادگان کرام کو ایک ایسی شخصیت کی حمایت وتعاون حاصل ہوگیا جن کی سیاسی سوجھ بوجھ دور بین نظر تجربہ کار دماغ نے انتہائی سلیقہ ورمتانت سے ہند و پاک کے اپنے حلقہائے اثر کو کچھ اس انداز سے مربوط کیا کہ مشین کی طرح بٹن دباتے ہی سب پرزے چلنے لگے۔

● بعض مفتیان عظام نے اپنے فتاوے میں بعض علماء کرام نے اپنی تصدیقات وتائیدات میں حضرت کے بعض خلفاء ذوالاحترام نے اپنے بیانات میں تحقیقات شرعیہ اور حقائق واقعیہ کا قطعًا کوئی لحاظ نہیں رکھا۔ بلکہ اُن سبکے خلاف تارکین تدفین شرعی نے ہند و پاک میں کتابچے۔ رسائل واخبارات کے صفحات سیاہ کر ڈالے۔

● حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے حقائق و واقعات کی روشنی میں اور تمام فتاویٰ کو سامنے رکھ کر اپنے مخصوص دوالہانہ انداز میں اس غیر شرعی وغیر اسلامی صورت کی قباحت اور اسلامی اور شرعی صورت تدفین کی وضاحت بیان فرمائی جس نے علماء کرام کو چونکا دیا۔ حضرت مہتمم صاحب کے بیان نے حقائق وواقعات سے پردہ اٹھا کر ایک لمحۂ فکریہ مہیا کیا اور علماء کرام نے

نظر ثانی فرمائی۔

● بعض علماء کرام ومفتیان عظام جو اولاً غیر شعوری طور پر اسی منصوبہ کا شکار ہوگئے حقیقت حال منکشف ہونے پر انھوں نے اپنے سابقہ فتاویٰ سے رجوع کیا بالخصوص نابغۂ روزگار وحید العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے جو جامع المنقولات والمعقولات حاوی الاصول والفروع مشہور محدث حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رح نوراللہ مرقدہ، کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب بنوری نے بالاختصار نہایت ہی جامع مانع انداز میں "بصائر و   " کے زیر عنوان اسی مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور سابقہ موقف سے رجوع کا اعلان کیا ہے۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے "تارکین تدفین شرعی" کے فتاویٰ کا رد، اور اسی صورت واقعیہ کا حکم نیز تدفین شرعی کی صورت وغیرہا امور کو بالتفصیل دلائل وبراہین کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے

● حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحب اور حضرت شیخ الحدیث صاحب بنوری جو عالم اسلام کی ممتاز ومسلمہ شخصیات ہیں ان کے مدلل ومبرہن بیانات نے "تارکین تدفین شرعی" کو ایسا حواس باختہ کیا کہ اپنے سحر آفریں نعرہ "النبش حرام" کو بھی بھول گئے اور شخصیات کو ہدف ملامت بنا کر اتہامات والزامات کی بوچھار شروع کردی۔

ہم نے روز اول سے آج تک برابر نشیب وفراز، افراط وتفریط کا بغور مطالعہ کرتے رہے آخر کب تک ہم خاموش تماشائی بنے رہتے ؟ گو ان مذکورہ بالا شخصیات کے بیانات کے بعد ہم جیسے ہیچمدان کے لئے قلم فرسائی کرنا اتنا ضروری نہ تھا لیکن ہمارے اس رسالے کو ان سے علیحدہ نہیں خیال کرنا چاہئے بلکہ اس کا "مقدمہ" اور اجمال کی تفصیل سمجھیں۔

یہ گراں قدر مضامین جو مولانا موصوف بنوری کے رسالہ "بینات" کراچی میں شائع ہوئے ہیں۔ وہ "کشف الحقیقۃ عن شیخ الطریقہ" کے نام سے موسوم ہیں۔ ہم اس "مقدمہ" میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث لائے ہیں۔

(۱) اس منصوبہ کے راز ہائے سربستہ کا حقائق و شواہد کی روشنی میں انکشاف کیا گیا ہے۔

(۲) ہندو پاک کی بعض ایسی شخصیات جن کو غیر جانبدار سمجھا جاتا رہا اور وہ خود بھی اپنے آپ کو غیر جانبدار ہی ظاہر کرتے رہے۔ اور اُن کا غیر جانبدار رہنا ہی اس کی شایان شان تھا۔ لیکن حقائق و شواہد سے معلوم ہوا کہ وہ نہ صرف نظریاتی طور پر جانبدار ہیں بلکہ عملی طور پر رہنما و مقتدی بھی ہیں۔

(۳) فتاویٰ اور ان کے استدلال فاسدہ کے تجزیے کئے گئے ہیں۔

(۴) حفر ارض (زمین کھودنیکی) فرضیت قرآن و حدیث سے ثابت کی گئی ہے اور اس غیر شرعی صورت کو قبر اور دفن متحقق قرار دینے کے لئے جو نظائر پیش کئے گئے ہیں دلائل سے ان کا ابطال کیا گیا ہے۔

(۵) ان مندرجہ بالا امور پر بحث کرنے سے پہلے اپنے اس مقدمہ کو سید الطائفہ حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی "نور اللہ مرقدہٗ" کے تذکرہ سے شروع کیا ہے اور آیندہ مباحث کی مناسبت سے بطور تمہید کے بعض واقعات لکھے گئے ہیں۔

آیندہ صفحات میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

بہر حال ہم نے جو کچھ بھی لکھا ہے ہم اس سے مطمئن ہیں اور ہر انصاف پسند شخص سے ایسی ہی امید رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے ہر بات ثبوت کے ساتھ پیش کی ہے۔

جہاں تک مسئلے کے متعلق علمی بحث کا معاملہ ہے ہم نے نصوص قطعیہ اور تحققات فقیہہ کو اصل و بنیاد بنایا ہے۔ اور ان کی تشریحات اسلاف اہل علم حضرات "قدس سرہم"

کے اقوال سے کی گئیں ہیں۔ اس لئے ببانگ دہل ہم یہ اعلان کرتے ہیں اور دعوت فکر دیتے ہیں۔ ؎

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

لیکن بایں ہمہ انسان خطاء و نسیان سے مرکب ہے۔ اس لئے اگر کوئی ہماری غلطی ہم پر واضح کریگا۔ ہم اس کے شکر گذار ہونگے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ اگر اس کے بعد پھر بھی ہمیں کی غلطیوں کا اعادہ کیا گیا تو انشاء اللہ ہم اسکا بھی جواب دیں گے۔ ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنا پا بھی ہے

اخیر میں ہم عام مسلمانوں سے معافی کے خواستگار ہیں کہ ہم مسئلہ کو بعض اصولی و علمی بحثوں کی بنا پر بہت زیادہ عام فہم انداز میں نہیں پیش کر سکے۔ فقط

خاکپائے بزرگاں

سیّد عبد الرحیم دہلوی غفرلہٗ

ابن

حضرت مولانا قاری حکیم سید محمد رحیم شاہ صاحب دامت برکاتہم
خلیفہ و مجاز حضرت اقدس رائپوری "قدس سرہ"

مہتمم

مدرسہ دعائیہ عربیہ مسجد کوٹھے والی صدر بازار۔ بارہ ٹوٹی دہلی۶

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

سرخیلِ طائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کے یہاں جہاں ایک طرف علوم ظاہری کی درس و تدریس اور بالخصوص احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم سے اک خصوصی شغف پایا جاتا تھا وہاں علوم باطنی، ذکر و اذکار تزکیہ وتصوف کے بھی امام تھے اس کے علاوہ ملک وملّت کے دنیاوی اور سیاسی مسائل پر بھی آپ بڑی گہری نظر رکھتے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ گنگوہ کی یہ خانقاہ اپنے دور میں "جام وسندان باختن" کے بیحد حسین مناظر پیش کرتی رہی ہے اور یہ بھی اک حقیقت ہے کہ ملک وملّت کے لئے جو عظیم الشان خدمات اس خانقاہ نے انجام دی ہیں تاریخ انھیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

حضرت گنگوہیؒ کے تین اجلّ خلفاء

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے تینوں اجلّ خلفاء حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حضرت مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری نے آپ کا مشن سنبھالا ان تینوں حضرات میں سے ہر ایک میں اگرچہ جامعیت اور ہمہ گیریت تو ضرور نظر آتی ہے لیکن یہ بات بھی بالکل ظاہر ہی ہے کہ حضرت شیخ الہند کو علم حدیث اور سیاست میں حضرت سہارنپوریؒ کو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں اور حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

کو ذکر و اذکار تزکیہ وتصوف اور خانقاہی لائن میں ایک خصوصی امتیاز اور شغف حاصل تھا ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی میں پوری تندہی، جانفشانی اور آب و تاب کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا بلکہ اپنی جانشینی کے لئے حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ جیسی شخصیتیں تیار کیں جنھوں نے مرتے دم تک اپنے اپنے مشن کو پوری آب وتاب اور ان کی شاندار روایات کے ساتھ قائم و دائم رکھا۔

خانقاہِ رحیمی کی امتیازی خدمات

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ جنھوں نے اپنے مرشد حضرت عالی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تزکیہ وتصوّف کو اس کی اپنی شاندار روایات کے ساتھ دمِ واپسین تک تقریباً چالیس برس کی مدت میں پوری آن وبان اور آب وتاب کے ساتھ زندہ و پائندہ رکھا۔ اس زمانہ میں جب کہ ہندوستان ہی میں کیا بلکہ پورے عالمِ اسلام کی تقریباً تمام خانقاہیں ویران ہوچکی تھیں رائپور کی خانقاہ ہی صرف ایسی تھی جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ رائپوری کی زیر سرپرستی طالبان حق کے لئے مشعل راہ بنی رہی اس دور میں اس خانقاہ نے وہ بلند مقام حاصل کیا کہ ملّت کی بڑی سے بڑی شخصیت اس خانقاہ سے وابستگی کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتی رہی حتیٰ کہ خود حضرت سہارنپوریؒ نے مولانا زکریا صاحب مدظلہٗ کو حضرت مولانا عبدالقادرؒ کے سپرد کیا تھا کہ میرے بعد ان کی نگرانی اور تربیت فرماتے رہیں اسی طرح مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی جماعت تبلیغ ـــــ جو خود بھی آخری وقت تک اس خانقاہ سے وابستہ رہے ـــــ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اطمینان اور

ارشاد عالی پر ہی اپنے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اپنا جانشین بنانے پر تیار ہوئے اور پھر یہ گذارش کرتے رہے کہ حضرت مولانا یوسفؒ کی سرپرستی اور تربیت فرماتے رہیں۔ الغرض علمائے دیوبند اور تقریباً ان کا پورا حلقہ اس خانقاہ سے وابستہ رہا اور پورے طور پر مستفید ہوتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں جبکہ "نام نہاد" قسم کے "مشائخ" نے تصوف کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور تصوف و تزکیۂ نفس سے متعلق اکابرین اسلاف کے کارنامے اس دور کے سلیم الفطرت انسان تک کیلئے بھی "داستان محض" کے سوا کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ رائپور کی اس خانقاہ نے اپنی عملی زندگی میں ان کارناموں کی اک مکمل جھلک دکھلا کر تصوف کی عظمت اور اس کی حقانیت منکرین تصوف تک کے دلوں میں جاگزین کرا دی۔ فللحمد للہ علی ذٰلک۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب پر نانا جان کی خصوصی توجہات

اس خانقاہ سے جو عظیم الشان کام انجام دیے جاتے رہے ہیں اُن کی اہمیت کے پیش نظر ضرورت تھی اُن کا تسلسل قائم رکھنے کی اور اس مقصد کے لئے اک ایسی "منجھی منجھائی" شخصیت چاہیے تھی جو حضرت مولانا عبدالقادرؒ کے بعد آپ کی نسبتوں کی متحمل ہو سکے اور اس خانقاہ کی شاندار روایات کو قائم رکھ سکے اس سلسلے میں جب اس خانقاہ کی گذشتہ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرت عالی مولانا شاہ عبدالرحیمؒ رائے پوری کو بھی اس بات کا فکر تھا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہ سکے اور اس مقصد کے لئے آپ کی نظر انتخاب آپ کے نواسہ پر پڑی تھی جن کی روشن پیشانی اُن کے روشن مستقبل کی ضامن نظر آتی تھی چنانچہ حضرت عالی نے ان کی

تربیت کا خصوصی خیال رکھا یہاں تک کہ رمضان المبارک جیسے مہینہ میں یہی اک ایسے خوش نصیب تھے جنکو حضرت عالیؒ کی خصوصی توجہ حاصل رہتی تھی اور حضرت عالیؒ اپنے اس نواسہ کے ساتھ قرآن پاک کا دور بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس سب کے علاوہ حضرت عالیؒ نے حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کو ان کی نگرانی اور تربیت کے لئے خصوصی ہدایات بھی دی تھیں

اُس وقت شاید ان چیزوں کو بعض عامی قسم کے لوگوں نے محض یہ سوچکر معمولی بات سمجھ لی ہو کہ "نواسہ ہونے کے ناطے حضرت عالیؒ خصوصی توجہ اور شفقت فرماتے ہیں مگر اب جب کہ حضرت مولانا عبدالقادرؒ رائپوری بالکل اچانک، اور تقریباً اپنے تمام حلقہ کی توقعات کے خلاف" انھیں حضرت عالیؒ کے نواسہ" کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کیا تو یہ بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے کہ خود حضرت عالیؒ بھی یہ سمجھتے تھے کہ میرے اس نواسہ میں وہ صلاحیتیں اور استعداد بدرجۂ اتم موجود ہیں جو حضرت مولانا عبدالقادرؒ کی زیر تربیت رہ کر نکھر کر سامنے آجائیں گی اور بعد میں اس نسبت رحیمی و قادری کی متحمل ہو سکے گی۔

نانا جان کے بعد اپنے مشفق مربّی کی خدمت میں

۱۹۴۷ء تک مولانا عبدالعزیز صاحب حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ کے زیر تربیت رائے پور میں مقیم رہے۔ گو اس دوران اپنے گھریلو انتظامی امور کے سلسلے میں گاہے گاہے انھیں اپنے وطن گمتھلہ (پنجاب) بھی جانا پڑتا تھا مگر مستقل قیام تقریباً رائے پور ہی رہا۔ تقسیم ملک کے وقت جب فوج نے گمتھلہ کا انخلا کرایا اور انھیں پاکستان جانے پر مجبور ہونا پڑا تو حضرتؒ کی اجازت پر حضرت مولانا کو بھی اپنے اعزہ

کے ساتھ پاکستان منتقل ہونا پڑا ـــــــ اور اس کے بعد کا زمانہ ہی دراصل وہ زما
ہے جس نے حضرتؒ کے بہت سے متعلقین کو نہ صرف یہ کہ غلط فہمی میں مبتلا کر دیا بلکہ
یہ خود ان کے لئے ایک آزمائش و ابتلا اتھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے
مرشد عالی مقام حضرت رائپوریؒ کی اس ہدایت کو فراموش کر دیتے جو انھوں
نے اپنے نواسہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی تربیت کے سلسلے میں انھیں
دی تھیں اور جو آگے چل کر خود ان کی جگہ سنبھالنے والے تھے۔ لیکن حضرت مولانا
عبدالعزیز صاحب کی تربیت کے سلسلے میں ایسا انداز اختیار کیا جس سے بہت
سطحیت پسند قسم کے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرتؒ مولانا عبدالعزیز صاحب
کو نظر انداز کر چکے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ حضرتؒ، مولانا عبدالعزیز
صاحب کی طرف سے نہ صرف یہ کہ غافل نہ تھے بلکہ ان کی تربیت مکمل طور پر فرماتے
رہے تاکہ وہ "رائپوری نسبت" کے متحمل ہوسکیں۔

حضرت کے بعد کون ؟ امیدواروں کی خوش فہمیاں

کچھ خوش فہم لوگ ایسے بھی تھے جو بزعم خود اپنی اپنی شخصیتوں کو "جانشینی"
کے عظیم الشان منصب کے قابل سمجھتے تھے اسی طرح ایسے لوگوں کی بھی خاصی
تعداد موجود تھی جو اس خوش عقیدگی میں مبتلا تھے کہ حضرتؒ کے بعد یہ سارا سلسلہ
حضرت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہوجائیگا۔

حضرتؒ ان تمام چیزوں کو محسوس کرتے رہے اور اشارۃً و کنایۃً ہی نہیں
بلکہ کھل کر اس قسم کی خوش فہمیوں اور خوش عقیدگیوں پر سختی کے ساتھ نکیر بھی فرماتے
رہے۔

اور چونکہ خود حضرتؒ کو اس بات کا تجربہ تھا کہ حضرت عالیؒ کے بعد حضرتؒ کا

حضرت عالیؒ کے جانشین کی حیثیت سے رائپور میں قیام کرنا بہت سے لوگوں کے لئے
ناگوار خاطر ہوا تھا تو اس شرور و فتن کے زمانہ میں تو یہ چیز اور بھی "بے ڈھنگے پن" سے
سامنے آسکتی تھی اس لئے بہتر یہی تھا کہ جانشینی کے مسئلہ کو اس طرح واضح طور پر طے
کر دیا جائے کہ بعد میں کم از کم اس مسئلہ میں کسی کو بھی لب کشائی کی ہمت نہ ہوسکے چنانچہ حضرتؒ
نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس سلسلے کے اقدامات
اس خوش اسلوبی سے انجام دیئے کہ تمام خوش فہمیوں اور خوش عقیدگیوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا لیکن
حضرتؒ کی دور اندیشی اور خداداد بصیرت کو اس بات کا پورے طور پر احساس تھا کہ جانشینی کے
سلسلے میں انکا اپنا یہ اعلان تمام متعلقین کیلئے جن کی خوش فہمیوں پر اس اعلان سے کاری ضرب پڑ رہی
ہے۔ ایک ایسا تلخ گھونٹ ثابت ہوگا۔ جسے میرے سامنے تو شاید یہ لوگ اپنے گلے سے اتارلیں مگر ان کا
معدہ اسے ہضم نہ کر سکیگا اور میرے انتقال کے فوراً بعد ہی یہ لوگ اسے اُگل ڈالیں گے ــــ اس
لئے ضرورت تھی ایسے اقدامات کی جن کے ذریعے "رائپوری حلقہ" کو ان لوگوں کی اس قسم
کی مسموم حرکتوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔ چنانچہ جب ہم حضرتؒ کے آخری حالات اور
ملفوظات پر گہرائی کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں تو صاف طور پر محسوس ہوجاتا ہے کہ حضرتؒ
نے اپنے بعد اپنے حلقہ میں ہونیوالے تمام اہم فتنوں کی طرف اشارہ کر کے اپنے
متعلقین کے لئے ایک ایسی راہ متعین کر دی ہے جس کو اختیار کر کے وہ مطمئن ہو سکتے
ہیں کہ وہ حضرتؒ کے مسلک اور ان کے بتائے ہوئے "صحیح راستے" پر گامزن
ہیں۔

آئیے اب اس پہلو کا کچھ تفصیلی جائزہ بھی لیا جائے اس سلسلہ میں سب سے پہلے
ہم اُن واقعات کا تذکرہ کرینگے جو حضرتؒ کی جانشینی کے سلسلہ میں پیش آئے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی جانشینی

یہ تو ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ حضرتؒ کے حلقہ میں کچھ ایسے لوگ موجود

تھے جو بزعم خود اپنے آپ کو جانشینی کے منصب کے قابل سمجھتے تھے اسی طرح ایسے خوش فہموں کی تعداد بھی خاصی تھی جن کے نزدیک حضرت شیخ الحدیث صاحب کی ذات گرامی ہی اس عظیم الشان منصب کی متحمل ہو سکتی تھی۔

حضرتؒ کو ان تمام حالات کا احساس اور اس بات سے بھی حضرت اقدسؒ بخوبی واقف تھے کہ ان لوگوں کو جب اپنی ان خوش فہمیوں کے سلسلے میں مایوس ہونا پڑے گا تو ہو سکتا ہے کہ میرے بعد ردِ عمل کے طور پر ان لوگوں سے ایسی حرکتیں سرزد ہو جائیں جو آپس کے انتشار کا باعث ہوں۔ اور عین ممکن ہے کہ اس وجہ سے خالی الذہن متعلقین و متوسلین گمراہ ہو جائیں۔ اس لئے ضرورت تھی ایسے اقدامات کی جو اس قسم کی تمام خوش فہمیوں کو دور کر کے "متعلقین و متوسلین" کو ہر قسم کے شر و فتن سے محفوظ رکھ سکیں اور جو حضرتؒ کے بعد بھی پورے حلقے کے لئے "روشنی کا مینارہ" ثابت ہوں اور "راہ نما" کی حیثیت رکھتے ہوں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور سب سے اہم قدم حضرتؒ نے یہ اٹھایا کہ اپنے وصال سے تقریباً پانچ چھ ماہ پیشتر رائپور ہی میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ذریعے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کرادیا۔ اور انھیں اپنی خانقاہ کا ذمہ دار قرار دیا اسی طرح پاکستان روانگی کے وقت حضرتؒ نے رائپور واپس پہنچانے کا ذمہ دار بھی حضرت مولانا ہی کو بنایا۔

مولوی عبد الجلیل صاحب کا حضرتؒ کو پاکستان بلانے کا منصوبہ

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلقین و خدام کے ساتھ ہمیشہ دلداری کا معاملہ ہی فرماتے تھے۔

حضرت کا مزاج تھا کہ ع

دل بدست آور کہ حج اکبر است

مولوی عبد الجلیل صاحب نے اس دلداری سے خوب فائدہ اٹھایا چنانچہ انھوں نے اپنے والد حافظ خلیل احمد صاحب کی طول طویل علالت کی داستان کچھ اس انداز سے حضرت اقدسؒ کے گوش گزار کی کہ حضرت اقدسؒ کسی قدر آمادہ سفر پاکستان ہو گئے۔ مولوی عبد الجلیل صاحب حضرتؒ کو ساتھ لے کر پاکستان جانا چاہتے تھے۔ لیکن حضرتؒ نے موصوف کو واپسی کا حکم فرمایا کہ اپنے والد صاحب کی خدمت کریں۔ اگرچہ مولوی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ چند روز کی بات ہے حضرت کے ساتھ ہی چلدوں گا۔ مگر حضرت نے اس کی اجازت نہ دی۔ بادل ناخواستہ واپس جانا پڑا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عین وقت پر نہ صرف یہ کہ اپنا پروگرام ملتوی کیا۔ بلکہ بعض خدام کے سامنے یہ بھی فرمایا کہ "اب سفر بالکل منسوخ"

بیماری کے فرضی خطوط حضرتؒ کے سفر کے منسوخ ہونے سے تمام پاکستانی متعلقین کو بیحد صدمہ ہوا۔ حضرتؒ کو بھی اسکا بخوبی احساس تھا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت طبعی طور پر سفر کے لئے تیار نہ تھے۔ مولوی عبد الجلیل صاحب نے ایک بار پھر اسی آزمودہ نسخہ کا استعمال کیا۔ اور اپنے والد محترم حافظ خلیل احمد صاحب کی بیماری کے فرضی خطوط لکھنے شروع کئے اور انکی یہ آرزو بھی ظاہر کی کہ میں تو سفر کے قابل نہیں ہوں اگر حضرت تشریف لے آئیں تو خدام کی بھی آرزو پوری ہو جائیگی اور میں بھی زیارت کر لوں گا۔

حضرتؒ کے چھوٹے حقیقی بھائی کی یہ تمنا بار بار اس انداز سے دہرائی گئی کہ باوجود سفر کے قابل نہ ہونیکے حضرتؒ نے پاکستان کے سفر کے لئے آمادگی ظاہر فرمادی۔

تیرا شیخ میں ہوں یا شیخ الحدیث؟

مولوی عبدالجلیل صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن حضرتؒ نے ان تمام خطوط کے جواب میں انھیں تاکیداً یہی لکھوایا کہ تمہیں میرے پاس آنے کی قطعاً اجازت نہیں، بلکہ اپنے والد کے پاس رہیں اور ان کی خدمت کرتے رہیں۔ لیکن یہ چیز تو ان کے منصوبہ کے خلاف تھی چنانچہ حضرتؒ کی ہدایات کے برخلاف ایک روز اچانک ہی رائے پور پہنچ گئے۔ مولوی عبدالمنان صاحب دہلوی نے دور سے انھیں دیکھتے ہی خوش ہوکر حضرتؒ کو اطلاع دی کہ حضرتؒ "بھائی صاحب آگئے" حضرتؒ کو اس اطلاع سے بیحد گرانی ہوئی۔ اور بڑے غصہ سے فرمایا کہ تیرا بھائی پاگل ہے۔ اتنے ہی میں مولوی صاحب موصوف بھی آگئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو حضرتؒ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور بڑے غصہ سے فرمایا کہ "جب میں نے تمہیں یہاں آنے سے منع کر دیا تھا تو پھر تم کیوں آئے؟"

مولوی صاحب موصوف اس وقت تو خاموش رہے لیکن اپنی آمد پر حضرتؒ کے مسلسل تکدر کو دیکھتے ہوئے ایک موقعہ پر اپنی صفائی میں مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں کیا کرتا، حضرتؒ نے تو مجھے یہاں آنے سے منع فرما دیا تھا۔ مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب بار بار مجھے لکھ رہے تھے تو رائے پور پہنچ جا ـــــ اس جواب پر حضرت بالکل خلاف معمول طیش میں آگئے اور غصہ سے لرزتی ہوئی آواز میں فرمایا کہ "تیرا شیخ میں ہوں یا شیخ الحدیث"

حضرت کے لاڈلے جناب راؤ عطاء الرحمٰن خانصاحب کو جب اس کیفیت کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے بات کو سنبھالا۔

حضرت اقدسؒ سفر کے تمام پروگرام مطلقاً منسوخ فرما چکے تھے اور

زندگی کے آخری ایام میں رائے پور سے باہر نہیں جانا چاہتے تھے اس سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے رائے پور سے آخری سفر کی شرائط اور اسکی پوری روئیداد اور اس سے قبل پاکستان تشریف لے جانے کے واقعات کافی تفصیل سے اپنی آپ بیتی ۳ یادِ ایام ۲ کتاب کے صفحہ ۱۲۰ سے صفحہ ۱۳۵ تک ذکر فرمائے ہیں نیز حضرت اقدس کے حادثۂ جانکاہ کا بھی بڑی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

آپ لکھتے ہیں :-

"میرے اکابر نوراللہ مرقدہٗ کے حوادث میں میرے لئے آخری حادثہ، سخت ترین حادثہ میرے حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہٗ کا حادثۂ وصال ہے"

پھر اس کے بعد پاکستانی حضرات کے اصرار اور ان کی محبت، حضرتؒ کے سفر سے انکار و التواء اور رائے پور سے انتہائی عقیدت و محبت، بیماری و صحت کے واقعات کافی تفصیل سے بالترتیب ذکر فرماتے ہیں :- حضرت اقدس کے مندرجہ ذیل ایک ارشاد گرامی سے تو یہ حقیقت بالکل ہی واضح ہوجاتی ہے :-

"کہ پاکستانی اسفار کبھی بھی آپ کے طبعی تقاضے کی بناء پر نہیں ہوئے ـــــ کہ آپ نے محبت وطن کی خاطر یہ سفر طے کئے ہوں جیسا کہ کچھ خلفاء و مجازین ـــ؟ کے بیانات سے مترشح ہوتا ہے۔ بلکہ پاکستانی متوسلین (نہ کہ صرف وارثین) کی حقیقی محبت کی صرف قدردانی تھی رائے پور کا چھوڑنا ہمیشہ آپ کے لئے بارِ خاطر ہی رہا"

حضرت شیخ الحدیث صاحب یہ ارشاد گرامی آپ بیتی ص ۳ و ص ۱۲۴ پر نقل فرماتے ہیں :-

ایک صاحب .... سے فرمایا کہ جتنی محنت (ذکر) یہ پاکستان میں

کہتے ہیں اگر تم ان سے آدھی بھی کر لو تو میں کیوں مارا مارا پھروں"۔

حضرت اقدسؒ کو رائپور سے انتہائی گہرا تعلق و والہانہ وابستگی و محبت تھی، رائپور چھوڑتے ہوئے ہمیشہ آپ کو یہ اندیشہ دامنگیر رہا کہ کہیں بڑے حضرتؒ کی تمنا و خواہش پوری ہونے سے نہ رہ جائے چنانچہ اس آخری سفر میں بھی اسی اندیشہ کے پیش نظر خصوصی طور پر مولوی عبد الجلیل صاحب سے انتہائی منت و سماجت اور لجاجت سے وصال ہونیکی صورت میں وصال کے بعد رائپور پہنچانے کا وعدہ لیا گویا حضرت اقدسؒ پر یہ منکشف ہوگیا ہو کہ مولوی عبد الجلیل صاحب ضرور ہی میری اور میرے حضرت قدس سرہم کی خواہش اور تمنا کو پورا ہونے میں سنگین رکاوٹ بنیں گے، آئندہ کے واقعات نے حضرت اقدسؒ کے کشف کو صحیح ثابت کر دیا۔

آئیے اس کی تفصیل حضرت شیخ الحدیث صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت کا آخری سفر اور رائپور میں ہی دفن ہونیکی خواہش اور وصیت

حضرت شیخ الحدیث صاحب آپ بیتی میں لکھتے ہیں :-

۲۸ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ مطابق یکم مئی ۱۹۶۲ء شب منگل میں فرنٹیئر سے روانگی ہوئی اور یہ حضرتؒ کی پاکستان کو آخری روانگی ہے کہ پھر واپسی نہ ہو سکی۔ روانگی سے پہلے حضرت قدس سرہ نے بہت لجاجت۔ خوشامد۔ منت و سماجت سے ایک مجلس میں جس میں یہ ناکارہ بھی حاضر تھا۔ صوفی عبد الحمید صاحب ۲ اور بعض خصوصی احباب پاکستان جناب الحاج مولانا حافظ عبد العزیز صاحب۔ حضرت کے برادر زادے

مولوی عبد الجلیل صاحب اور ان کے دوسرے عزیز مولوی عبد الوحید وغیرہ موجود تھے، یہ درخواست پیش کی۔

"کہ اگر میرا وہاں (پاکستان) میں انتقال ہو جائے۔ تو میری نعش کو روکا نہ جائے۔ یہاں (رائپور) منتقل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ میری تمنا اپنے حضرتؒ کے قدموں میں دفن ہونیکی ہے۔ اس وجہ سے جانیکو دل نہیں چاہتا مگر تم دوستوں کے اصرار پر جا رہا ہوں۔ میرے حضرت نے یوں فرمایا تھا کہ" زندگی بھر تو ساتھ ہی رہے۔ تمنا یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی ساتھ ہی رہیں۔ مگر ہوتا ہے وہ جو اللہ چاہے"۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ مقولہ پہلے بھی حضرت نے بارہا دہرایا۔ صحت کے زمانے میں بھی کئی دفعہ دہرایا۔ صحت کے زمانہ میں اس ناکارہ نے ایک مرتبہ اس "مگر" پر اشکال بھی کیا تھا اور حضرت بالکل ساکت و صامت رہے اور جب بھی حضرت کا مقولہ نقل کرتے۔ میں اسی "مگر" میں گم ہو جاتا۔ بہر حال آخری پاکستان روانگی سے دو دن پہلے حضرات بالا کو اہتمام سے جمع کر کے اپنی تمنا و خواہش ظاہر کی اور خاص طور سے عبد الجلیل کو مخاطب بنا کر وعدہ لیا کہ مانع نہیں بنے گا اور حضرت حافظ عبد العزیز صاحب لانیکے ذمہ دار بنائے گئے اور صوفی عبد الحمید بھیجنے کے ذمہ دار اور کئی کئی مرتبہ قول و قرار ہوئے۔ [1]

---

[1] مولانا علی میاں صاحب اس اضافہ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔ "مولانا عبد العزیز صاحب گمتھلوی سے فرمایا کہ تم ہمارے لانیکے ذمہ دار ہو۔ انھوں نے عرض کیا حضرت۔ مولوی عبد الجلیل صاحب سے فرما دیں کہ وہ اس میں مانع نہ آئیں۔ حضرتؒ نے ان سے بھی فرمایا اور انھوں نے اس کا وعدہ کیا۔ سوانح حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری ص۲۱۲ طبع دوم۔

رائے پور واپسی کا تقاضہ

اور جب وہاں پہنچنے کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو بار بار ہندوستان راؤ عطاء الرحمٰن اور شاہ مسعود صاحب کو تقاضے کے خطوط بھی لکھوائے جن میں تین چالیس سے زیادہ تو میرے واسطے سے ہوں گے کہ اگر مجھے لیجانا چاہتے ہوں تو آکر لیجاؤ۔ آخری وقت تک میں ہر خط کی شاہ صاحب کو اطلاع دیتا رہا کہ ان کا قیام سہارنپور ہی میں تھا اور راؤ عطاء الرحمٰن کو رائپور پیام بھیجتا رہا۔ مگر یہ لوگ حضرت کی زندگی کی طرف سے ایسے مطمئن تھے کہ ان کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ وقت موعود جلدی آتا جا رہا ہے شاہ مسعود تو ارادہ ہی فرماتے رہے۔ راؤ عطاء الرحمٰن اس ناکارہ کے شدید اصرار پر کہ شدت علالت نے مایوس کن حالت تک پہنچا دیا تھا اور ایک ایک دن میں مختلف احباب کے تین چار تار زکریا کے نام صبح سے شام تک، افاقہ ہے خطرناک ہے، افاقہ ہے، خطرناک ہے پہنچتے رہتے تھے، اس وقت غفلت ہے۔ اس وقت صحت ہے۔ بالآخر مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء) پنجشنبہ کو لاہور سے ٹیلیفون پہنچا کہ رات ۹ بجے وصال ہو گیا۔[۵]

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ رائپور لیجانیکی تیاریوں میں اور حضرتؒ کا وصال

شام ۶ بجے بھائی افضل کا بہت مفصل تار پہنچا کہ ۱۱ بجکر ۲ منٹ پر وصال اس کے بعد متعدد تار اس کی تائید میں پہنچے، حافظ عبدالعزیز صاحب ایک دن پہلے سرگودھا

---

۵ مولوی علی میاں صاحب نے بھی "سوانح" میں "ہندوستان واپسی کی خواہش اور رائپور کا تقاضہ"
(باقی اگلے صفحہ پر)

ہاسپورٹ وغیرہ لینے جا چکے تھے حادثہ کی اطلاع پر جمعرات کو عصر کے وقت ایسی حالت میں پہنچے کہ عصر کی نماز کے بعد فوراً جنازہ ٹرک پر رکھ کر ڈھڈیاں کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔

جانشین حضرت قدس سرہٗ کو زیارت بھی نہ کرنے دی

حافظ صاحب بہت بے تابی سے کہتے رہے کہ مجھے زیارت تو کرنے دو مگر ہجوم کی کثرت اور ڈھڈیاں لیجانے کی جلدی میں کسی نے دھیان نہیں دیا۔

جنازہ سہارنپور آنے کی امید

چونکہ جنازہ سہارنپور لانیکی امیدیں پہلے تھیں۔ اور پاکستانی ریڈیو سے اشتباہ بھی ہو گیا تھا اس لئے شدت سے انتظار تھا لیکن کوئی اطلاع تدفین کیمتعلق شنبہ کی صبح تک نہ مل سکی۔ شنبہ کی شب میں میر آل علی صاحبؒ راؤ یعقوب علی خاں صاحب جو ڈھڈیاں نہیں گئے لاہور ہی سے واپس آگئے ان سے جنازہ کے ڈھڈیاں جانے کا حال معلوم ہوا۔

حضرتؒ کی تمناء کے خلاف جنازہ ڈھڈیاں لیجانے پر حضرت شیخ الحدیث کا مولوی عبدالجلیل صاحب کے نام ایک خط

زکریا نے عزیز مولوی عبدالجلیل کو بہت سخت لکھا کہ حضرت کی تمنا کا احترام بہت ضروری تھا، لیکن اس نے اتنی طویل

کے زیر عنوان بروایت صوفی عبدالحمید صاحب لاہور تحریر فرمایا ہے۔ مجھے بلایا۔ فرمایا بھائی مجھ جلندہ یہ لوگ (محمد محسن فرزند ڈاکٹر برکت علی صاحب اور راؤ سلیم خانصاحب رائپوری، مجھے لینے آئے ہیں میرے نزدیک تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ یہیں مر جاؤں یا وہاں مر جاؤں لیکن حضرت رحمۃ اللہ کا ارشاد تھا کہ "مولوی صاحب زندگی بھر اکٹھے رہے دل چاہتا ہے کہ مرنیکے بعد بھی اکٹھا رہیں" اس لئے رائپور کا تقاضا ہے۔ (سوانح حضرتؒ ص ۲۲۰)

معذوریاں، مجبوریاں، قانونی مشکلات اور نعش مبارک کے خراب ہونیکا خطرہ وغیرہ تھیں جنکی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن جب ۲۹ رذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نعش کے متعلق کوئی بھی اشکال قانونی نہ پیش آیا نہ کوئی دقت ہوئی تو پھر اور بھی زیادہ رنج ہوا۔

سعادت کی بات حضرت قدس سرہٗ کی تمنا کو اپنے جذبات پر مقدم کرنا تھا!

سعادت کی بات حضرت قدس سرہٗ کی تمنا کو اپنے جذبات پر مقدم رکھنا تھا۔ حافظ عبدالعزیز صاحب نے تو بہت ہی کوشش کی۔ اللہ ان کو بہت ہی خیر دے۔ مگر ان کی کوشش ہجوم میں بالخصوص آخری وقت ہوجانے پر مثمر نہ ہوسکی البتہ سہارنپوری حضرات جو انتقال کے وقت موجود تھے ان پر ہمیشہ تعجب رہا اور رہیگا کہ اتنے اونچے مدبر۔ وسیع التعلقات ہونے کے باوجود حافظ محمد صدیق نوح والے کی برابر بھی نہ پہنچ سکے۔

حضرتؒ کی تمنا کا خون کرنیوالے کل کو کسطرح حضرتؒ کے سامنے ہوں گے؟

جن لوگوں نے حضرتؒ کی تمنا کا خون کیا ہے چاہے وہ پاکی ہوں یا ہندی معلوم نہیں کل کو کس طرح سے حضرت قدس سرہٗ کے سامنے ہوں گے۔

حضرتؒ کی تمنا کو پورا کرنیوالے حضرتؒ کے سامنے ضرور سرخ رو ہوں گے

اور جن لوگوں نے نعش مبارک لانیکی انتہائی کوشش کی چاہے وہ کامیاب نہ ہوئے ہوں مگر حضرت قدس سرہٗ العزیز کے سامنے ضرور سرخرو ہوں گے۔

حضرتؒ کی تمنا و خواہش پورا نہ ہونیکا قلق ہمیشہ رہیگا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ

حضرت رائپوریؒ کی خواہش و تمنا پوری نہ ہونیکا قلق جتنا ہے وہ ہمیشہ رہیگا اور حضرتؒ کے وصال کے بعد میں نے دوستوں کو جو خطوط لکھے اس میں بھی میں نے اپنے قلق کا بہت ہی اظہار کیا۔ (آپ بیتی ص۳۔ یاد ایام ۲ ص۱۳۱-۱۳۵ طبع شدہ صفر ۱۳۹۱ھ)

محبت کے دعویداروں نے کس طرح یہ اقدام کیا؟ شیخ الحدیث صاحب کا سوال

قطب الارشاد حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور میں وصال ہونے کے بعد حضرت اقدس کی آخری وصیت۔ عمر بھر کی تمنا۔ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری نور اللہ مرقدہ کا ارشاد عالی ــــ "زندگی بھر ساتھ رہے تمنا یہ ہے کہ مرنیکے بعد بھی ساتھ ہی رہیں ــــ" گو حضرتؒ کے عزیزوں۔ مولانا عبدالوحید و مولانا عبدالجلیل صاحبان ــــ نے بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ نظر انداز کیا جب کہ حضرت اقدسؒ نے بڑی منت و سماجت اور لجاجت کے ساتھ پاکستان تشریف لیجانے سے دو روز پہلے ان عزیزوں سے وعدہ لیا کہ "اگر میرا انتقال پاکستان میں ہوجائے تو میری لاش رائپور لانے سے نہ روکنا"

مگر افسوس کہ ان عزیزان کرام نے نہ حضرت کی منت و سماجت کی پرواہ کی اور نہ ایفائے وعدہ کے شرعی تقاضے کا ہی خیال کیا اور نہ وعدہ خلافی کی وعیدات ہی کا

خوف کیا۔ جنازہ مبارکہ کو لاہور سے ڈھڈیاں لیجانے کے فیصلے کے وقت انہیں ان کا وعدہ جو حضرت سے کیا تھا یاد دلایا گیا نیز مولوی عبدالجلیل صاحب کے والد محترم حافظ خلیل صاحب نے بھی یاد دہانی کرانے والوں کی تائید میں صاحبزادہ صاحب کو خصوصی توجہ دلائی۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ صاحبزادہ صاحب نے اپنے محترم والد صاحب کو بھی بڑی تندی و ترشی سے جھڑک دیا۔ اور جب شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے ڈھڈیاں لیجانے پر باز پرس فرمائی تو ہندوستان منتقل کرنے میں بڑی مشکلات اور دشواریوں کا ذکر کیا۔ لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب نے حضرت مولانا محمد یوسف نوراللہ مرقدہٗ کے تذکرہ کے ضمن میں ان اعذار باردہ اور سراسر غلط و خلاف واقعہ مشکلات پر شدید نکیر فرمائی ہے جو حضرت رائپوری قدس سرہٗ کے انتقال تابوت کے سلسلے میں پیش کی گئیں۔

آپ بیتی ۳ یاد ایام ۲ ص ۹۹ و ۱۰۰ پر تحریر فرماتے ہیں

"عصر سے آدھ گھنٹہ بعد عزیز طلحہ صابری صاحب کے دوسرے آدمی کو ساتھ لے کر آیا کہ دوسرا ٹیلیفون آیا ہے حضرت (مولانا محمد یوسف صاحب رح) کے دفن کے مسئلہ میں ہنگامہ ہوگیا ہے۔ حافظ صدیق صاحب وغیرہ ہندی اہل میوات دہلی لیجانے پر اصرار کر رہے ہیں۔ اور مقامی حضرات اپنے یہاں تدفین پر۔ اور فیصلہ تیری رائے پر ہے! مجھے اسکا واہمہ بھی نہ تھا کہ دہلی تابوت کس طرح آسکتا ہے کہ اس لئے کہ اس سے قبل مرشد العالم حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہ کے وصال پر مجھے باور کرایا گیا تھا کہ رائپور منتقل ہونیکی کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔ حالانکہ حضرت رح کی خواہش و تمنا اور جملہ خدام خاص طور سے اپنے بھتیجے عبدالجلیل سے یہ وعدہ لینا سب کے سامنے

تھا کہ نعش کے روکنے کی کوشش نہ کیجیو۔ اور جب میں نے ڈھڈیاں تدفین پر مطالبہ کیا کہ یہ کیوں ہوئی ؟ تو مجھے بہت زور سے متعدد احباب کے خطوط میں یہ بتلایا گیا تھا کہ رائپور لانیکی کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔

(۱) حکام سے اجازت (۲) ڈاکٹروں کی اجازت (۳) دونوں مونڈھوں پر گردن کی دونوں طرف سینہ پر ٹانگوں پر شگاف دیکر سب جگہ دوائیں بھری جائینگی (۴) ان سب کے باوجود بھی نعش کا بغیر تعفن کے پہنچانا ممکن۔ میں نے ان راویوں کو سچا سمجھا ــــ مگر بعد میں آنیوالے واقعات نے انھیں غلط ثابت کردیا ــــ اور چونکہ حضرت قدس سرہٗ کے خدّام میں بڑے بڑے اعلیٰ مدبرین۔ وزرا، ڈاکٹر سارے ہی شامل تھے اور سب ہی کو حضرت کی تمنّا کا حال بھی معلوم تھا اور پھر حضرت کا تابوت منتقل نہ ہوسکا۔ مجھے تو اس کا وہم بھی نہ تھا بلکہ کسی درجہ میں بھی خیال نہ تھا کہ عزیزم مرحوم کا تابوت منتقل ہوسکتا ہے۔ میں نے حافظ صدیق صاحب وغیرہ کی دلداری میں اپنی رائے کے خلاف یوں سمجھ کر کہ مفت کرم داشتن ہے یہ کہلادیا کہ اگر نظام الدین آنیکی کوئی صورت ہوسکتی ہے تو مقدّم ہے ورنہ رائے ونڈ کے مدرسہ میں مگر حیرت کی انتہا نہ رہی جب ۸ بجے رات تیسرا ٹیلیفون پہنچا کہ تابوت تیار ہے ۱۱ بجے لاہور سے چل کر ۱۰ بجے دہلی پہنچ جائے گا۔ میں بڑی دیر تک عزیز یوسف مرحوم کے مسئلے کو چھوڑ کر حضرت رائپوری قدس سرہٗ کے مسئلے میں کھو گیا کہ حضرت کی تمنا کے باوجود اصرار و خواہش کے باوجود محبت کے دعویداروں نے کسطرح یہ اقدام کیا۔"

اندازہ کیجئے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو بے بنیاد اور غلط اعذار و مشکلات پیش کرکے کس طرح مغالطہ دیا گیا ہے تا آنکہ سارے خود ساختہ اعذار کو مولانا یوسف صاحب کے انتقال تابوت نے کذب و افترا ثابت کر دیا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے معلوم ہوتے ہی چند گھنٹوں میں سارا کام بسہولت انجام پا گیا۔

قارئینِ کرام !

آپ نے شیخ الحدیث مدظلہٗ کی تحریر کو ملاحظہ فرما لیا۔ حضرت قدس سرہٗ کی خواہش کے مطابق جنازہ رائپور منتقل نہ کرنیکا کس قدر صدمہ، کتنا افسوس اور پھر اپنے اضطراب کے اظہار کے لئے کیسا دلدوز پیرایۂ بیان اختیار کیا کہ حضرت اقدس سے معمولی تعلق رکھنے والا بھی جب پڑھیگا خون کے آنسو روئے گا۔ آپ نے پورے واقعہ کو اپنی معلومات کی حد تک بیان کرنے میں کسی قسم کی کمی و کوتاہی روا نہ رکھی۔ مزید برآں حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرکے مانعین انتقال جنازہ پر کاری ضرب لگائی اور آخر میں اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے مزید تنبیہ کی:۔

"جن لوگوں نے حضرت اقدس کی تمنا کا خون
کیا ہے وہ خواہ پاکی ہوں یا ہندی معلوم نہیں
کل کو کس طرح سے حضرت کے سامنے ہوں گے۔"

حضرت شیخ نے کیا بات کہی ہے واللہ
سرخ رو ہوں گے وہ جو نا کام ہوئے آپکے بعد

ہم خدام کو تا زیست یہ قلق و افسوس رہیگا کہ حضرت شیخ مدظلہ نے جس قلق و اضطراب اور دلسوزی کا اظہار جنازہ کی عدم منتقلی پر کیا ہے اور مانعین کو جس طرح تہدید و تنبیہ فرمائی ہے کاش وہی اہتمام وہی دل سوزی، وہی قلق و اضطراب تدفین غیر شرعی کے بعد بھی قائم رہتا تو بڑی سہولت و آسانی سے تدفین شرعی

ہو جاتی اور حضرت کا جسدِ اطہر اب تک مقید و محبوس نہ رہتا۔ ہم حضرت شیخ الحدیث صاحب سے یہی توقع رکھتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ جس طرح بھی سہولت ہو حضرت کی تدفین کو شرعی اور آپ کی تمنا کو پورا کیا جائے ——— آپ کی مندرجہ بالا تحریرات کی موجودگی میں آپ کا یہ قول عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن دفن کے بعد نبش قبر تو ہمارے اختیار سے باہر کا مسئلہ بن گیا تھا (آپ بیتی ۶ ص ۱۲) اس پر آئندہ بحث ہوگی۔

حضرت شیخ کی خود نوشت آپ بیتی کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل امور واضح و مسلّم ہیں۔

(۱) حضرت اقدس رائپوری کی وصیت و آخری تمنا بلکہ زندگی بھر کی تمنا رائپور دفن ہونیکی تھی انتقال خواہ کہیں ہو۔

(۲) پاکستانی حضرات کے شدید اصرار پر ان کی دلداری میں یہ سفر کیا نہ کہ تقاضائے طبعی پر حضرت قدس سرہٗ کے بھائی کی فرضی بیماری کے متعلق خطوط لکھے گئے اور آپ کے بھائی حافظ صاحب نے فرمایا۔ جی ہاں میں تو ٹھیک ہوں۔ اس وقت یہ حقیقت کھلی کہ یہ ایک سازش تھی۔ یہ چیز استفتاء و فتاوی کے تجزیہ کے وقت ذہن میں رکھنے گا۔

(۳) پاکستان تشریف لیجانے سے قبل عزیزان کرام مولوی عبد الجلیل و مولوی عبد الوحید صاحبان سے بعد وصال نعش مبارک رائے پور واپس کرنیکا مکرر سکرر وعدہ لینا۔

(۴) مولوی عبد الجلیل کے قول و عمل میں تضاد اور دیدہ و دانستہ حضرتؒ کی تمنا کا خون کا ذمہ دار ہونا۔

(۵) حضرت اقدسؒ کا رائپور کے لئے شدید اصرار۔

(۶) حضرت شیخ الحدیث کی بازپرس پر غلط و بے بنیاد اعذار پیش کرکے انکو

دھوکہ دیا گیا وغیرہ وغیرہ حضرت کی منت وسماجت اور لجاجت کو نظر انداز کرکے نعش مبارک کو ڈھڈیاں لیجانیکا اقدام کرنا کیا غمازی نہیں کرتا کہ اس کے پس منظر میں اپنی حیثیت ومقام بنانا تھا یہی اس کے محرکات ودواعی تھے۔ ورنہ کیا رشتہ تعلق کا یہی تقاضا تھا کیا یہ مکروہ اقدام کسی سازش کا غماز نہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب بھی بڑے استعجاب کے ساتھ یہی سوال فرماتے ہیں:۔

حضرت کی تمنا کے باوجود، اصرار وخواہش کے باوجود، عہد وپیمان کے باوجود، محبت کے دعویداروں نے کس طرح یہ اقدام کیا۔ (آپ بیتی ۳۹)

وائے شومی قسمت کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی آپ بیتی نے منہ دکھانے کے قابل بھی نہ چھوڑا ؏

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

خون تمنا پر بھی صبر نہ کیا

اولاً تو لاہور سے حضرتؒ کی نعش مبارک ڈھڈیاں منتقل کرنا اور رلائے پور لانے سے روکنا ہی دونوں حضرات قدس سرہما اور حضرت شیخ الحدیث صاحب ودیگر متوسلین کے لئے کچھ کم روحانی اذیت کا باعث نہ تھا مگر بڑا ظلم۔ ہاں اس سے بھی بڑا ظلم جو حضرتؒ پر کیا گیا وہ تدفین شرعی سے محروم کرنا ہے جس میں نہ صرف فرائض وواجبات وسنن کو ایک ایک کرکے چھوڑا گیا ہے بلکہ منکرات ومکروہات کا ارتکاب کرکے لبادۂ شریعت ہی تار تار کر دیا گیا[1]۔ اور یہ سب کچھ ایک ایسی برگزیدہ شخصیت کے ساتھ کیا گیا جو اسلاف

(۱) ایک مرتبہ حضرت مولانا اللہ بخش بھاولنگریؒ کے مزار پر کچھ پختہ اینٹیں دیکھیں کیف ما اتفق ڈال دی گئی ہیں تو حضرتؒ یہ دیکھ کر سخت ناراض ہوئے اور فوراً ہی ہٹوا دیا گیا۔ یہ کسے خبر تھی کہ حضرت کے عزیز آپ کو پختہ اینٹوں میں چھپائیں گے۔

کرامؒ کا مکمل نمونہ اور ان کے تاریخی کردار ومثالی فضائل وکمالات کا نادر روزگار مظہر اتم تھی۔ اولیاء اللہ کے جو کوائف وسوانح کتابوں میں پڑھتے تھے ان کی جیتی جاگتی اک دلآویز تصویر تھی اتباع سنت آپکا مزاج اور اجتناب بدعت طبیعت ثانیہ بنگئی تھی جن کی صحبت سے بلا مبالغہ ہزاروں کو اتباع سنت کی سعادت میسر ہوئی لیکن افسوس صد افسوس وہی پاکیزہ شخصیت اپنے ہی عزیزان کرام کی بدولت اپنے آخری وقت میں ایک ایک سنت سے محروم کر دیگئی۔ جبکہ عام مسلمان بھی سنن تدفین سے محروم نہیں ہوتے۔ کیا اس سے بڑے ظلم کا تصور بھی کوئی صحیح الدماغ انسان کر سکتا ہے۔ آہ۔ کیا اچھا ہوتا کہ تدفین تو کم از کم شرعی ہو جاتی

ستم بالائے ستم یہ کہ اس غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی عمل کی قباحت وشناعت کو ہلکا کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ موجود علماء سے استصواب کر لیا گیا تھا۔ دریافت کرنے پر ان کے نام بھی نہیں بتاتے۔ اس کے برخلاف ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ جب علماء کرام نے اس غیر شرعی طریقہ پر نکیر کی تو ان کو بڑی تندہی سے جواب دیا گیا "ہم بھی عالم ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ استصواب رائے ہے یا فرمان شاہی۔

"عزیزان کرام کی ناکامی"

عزیزان کرام نے سوچا کیا تھا اور ہوا کیا۔ دونوں حضرات قدس سرہم کی خواہش وتمنا کو پامال کرکے روحانی اذیت پہنچائی، اور اپنی خواہش کو مقدم رکھا مگر اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ بھی پوری نہ ہوگی۔ قدرت نے انھیں کے ہاتھوں ایسا عمل کرایا کہ جس سے فریضۂ تدفین ادا ہی نہیں ہوا اور حضرتؒ کا جسد اطہر اب تک محبوس ومقید ہے دفن شرعی متحقق نہیں ہوا اسی لئے انتقال تابوت قبل التدفین ہونیکی وجہ سے جائز ہے اس پر نبش قبر کی حرمت کا اطلاق

کیسے ہوسکتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ جو عمل حضرتؒ کو روکنے کے لئے کیا گیا وہی عمل انتقالِ تابوت کے جواز کا سبب بن گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشیت ایزدی اپنے محبوب بندے کی خواہش پورا ہونے میں ممدّ و معاون بن رہی ہے۔ سبحان اللہ اس قسم کے خیالات کا اظہار وصال سے متصل ہی علماء و خواص کی مجالس میں ہونے لگا تھا بعض اخبارات میں بھی ایسی چیزیں شائع ہوئیں۔ چنانچہ مفتی زین العابدین صاحب نے ایک مجلس میں حضرتؒ کے اخص الخواص خدّام و متوسلین کی موجودگی میں مندرجہ ذیل ارشاد فرمایا جس پر بطور گواہان دس ایسے حضرات کے نام ہیں جو محتاج تعارف نہیں گو گواہ اور بھی ہیں جو مجلس میں شریک تھے جیسا کہ وغیرہم سے ترشح ہوتا ہے "پاکستانی" اخبار سے بجنسہ نقل ہے:۔

مفتی زین العابدین صاحب کا ارشاد گرامی

حضرت اقدسؒ کے وصال کے تین روز بعد مولوی محمد اکرم صاحب

مرحوم مالک سلطان فاونڈری ورکس لاہور کی سابق کوٹھی واقع ماڈل ٹاؤن میں حضرت کے متوسلین کی ایک خاص مجلس ہوئی جس میں حضرت کی تدفین کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے مفتی زین العابدین صاحب نے یوں ارشاد فرمایا "یہ تمام معاملہ من جانب اللہ ہوا ہے کہ حضرت اقدسؒ کی تدفین یوں عمل میں آئی ہے تاکہ بوقت ضرورت تابوت منتقل کیا جاسکے جیسا کہ شہدائے احد کو منتقل

؎ یہی وہ اول مفتی صاحب ہیں جنھوں نے بعد میں اس غیر شرعی صورت کو تدفین شرعی قرار دیا ہے۔ یہ تضاد باعث استعجاب ہے۔

کیا گیا تھا"

گواہان | صوفی عبدالحمید صاحب سابق وزیر خوراک (یہ حضرتؒ کے رائپور بھیجنے کے ذمہ دار بنائے گئے تھے جیسا کہ پہلے گذر چکا) چودھری عطاء الحق صاحب، مولانا عبدالمنان صاحب، محمد ابراہیم صاحب۔ محمد اسمٰعیل صاحب، مولانا آزاد صاحب، مولوی محمد اکرم صاحب، مولوی محمد افضل۔ حاجی متین احمد صاحب، مولوی انیس احمد صاحب لدھیانوی وغیرہ ـــــ" (ماخوذ از ہفت روزہ "پاکستانی" لاہور ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ، ۱۶ مئی ۱۹۶۳ء")

جنازہ لاہور سے ڈھڈیاں لیجا کر جو حشر آپ کے ساتھ کیا گیا عین اسی موقع پر شدید اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ لوگ دور دراز مقامات سے صرف مٹّی دینے کے لئے جس طرح بھی ہوسکا ڈھڈیاں پہنچے لیکن جب وہاں دیکھا کہ حضرتؒ کو تابوت میں رکھ کر پکّی اینٹوں کے کمرے میں مقید و محبوس کیا گیا ہے مٹّی دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ احفروا و اعمقوا و اوسعوا پر قطعاً عمل نہیں کیا گیا۔ اس محرومی سے ان آنے والوں پر جو گذری ہوگی وہ ہر صاحبِ دل کو معلوم ہے۔ میرے دوست مولانا عبدالغفار صاحب جو دہلی سے گئے تھے اور اول سے آخر تک شریک ہوکر عینی مشاہد رہے وہ کہتے ہیں کہ عوام و خواص میں عزیزان کرام کے اس عمل کے خلاف شدید غم و غصہ تھا اور بعض لوگ تو حضرت کے ساتھ اس اہانت آمیز سلوک پر دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے مگر ان عزیزوں پر ان چیزوں کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ وہ اپنے منصوبہ کے تحت اپنی کامیابی پر شاداں تھے۔ انھیں یہ خیال تھا کہ یہ حالات ہنگامی ہیں وقت کے ساتھ ساتھ یہ بھی گذر جائیں گے مگر ان کی توقّع کے خلاف تدفین شرعی کا مطالبہ ہونے لگا۔

"علماء کا اختلاف اور مولانا علی میاں صاحب کی شہادت"

جناب مولانا علی میاں صاحب ڈھڈیاں سے واپسی میں سرگودھا آئے اور

جانشین حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ حضرت الحافظ الحاج مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی اور عرض کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ حضرتؒ کو سطح ارض پر پکی اینٹوں کے کمرہ میں بند کیا گیا ہے اس سے علماء اختلاف کر رہے ہیں۔ اور سخت اندیشہ ہے کہ دوبارہ تدفین کا مطالبہ زور پکڑ جائے اس لئے اس سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی طرف رجوع کیا جائے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

جس کے جواب میں جانشین حضرتؒ نے فرمایا کہ **"مجھ کو کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں، میرے نزدیک تو یہ طریقہ غیر شرعی نہیں بلکہ غیر اسلامی ہے"**

مولوی عبدالجلیل صاحب کی معافی کا طالب ایک وفد

جانشین حضرتؒ کے دربار میں

محترم جناب راؤ عطاء الرحمٰن خالصاحب رائپوری نے۔ مولوی عبدالجلیل صاحب کو معافی دلانے والے وفد کی حضرت مولانا الحاج الحافظ شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں حاضری اور گفتگو جو راؤ صاحب کی موجودگی میں ہوئی اس کی حسب ذیل تفصیل قلمبند کراتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ (جانشین حضرت اقدسؒ) اس صورت حال سے جو غیر شرعی طریقہ حضرت اقدس کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ دل برداشتہ ہوکر، اور اپنی ناراضگی کا اظہار کرکے ڈھڈیاں سے واپس تشریف لے آئے تھے، اس واقعہ کے تیسرے روز

(۱) مولینا علی میاں صاحب (۲) صوفی عبدالحمید صاحب (مرحوم)

(۳) مفتی زین العابدین صاحب وغیرہم۔ مولوی عبدالجلیل صاحب کو

لیکر حضرت مولانا مدظلہٗ کے پاس سرگودھا آئے تاکہ اس واقعہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا مدظلہٗ انھیں معاف فرمادیں۔

حضرت مدظلہٗ نے میرے سامنے یہ فرمایا کہ اس میں معافی دلانے کا کیا سوال ہے؟ یہ تو ساری صورت ہی غیر اسلامی ہے۔ تدفین شرعی ہونی چاہئے۔ میرے لئے تو کوئی ایسی بات نہیں جس کی میں معافی دوں میرے لئے تو تکلیف کی بات یہ ہے کہ حضرت اقدسؒ کے ساتھ جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ نہ صرف یہ کہ غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی ہے۔ انتہی۔

گفتگو کے ذیل میں چند معروضات

ہم اس گفتگو کے ذیل میں چند ایسی اہم اور ضروری چیزوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جو معمولی غور و فکر سے اسی گفتگو سے سمجھی جاسکتی ہیں۔

جانبدارانہ و مدافعانہ بیانات

(۱) شرکاء وفد میں "وغیرہم" کی تفصیل ہمیں نہیں معلوم۔ محترم جناب صوفی عبدالحمید صاحب انتقال فرماچکے "رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ" اب صرف دو حضرات جناب مولینا علی میاں صاحب اور مفتی زین العابدین صاحب موجود ہیں۔ جو فتویٰ نویسی۔ اور بیان بازی میں نمایاں بلکہ اولین میں ہیں۔ مولوی عبدالجلیل صاحب کی حمایت میں اس اقدام کے بعد ان کے ارشادات کس طرح غیر جانبدارانہ اور خارجی اثرات سے محفوظ قرار دیے جاسکتے ہیں؟ بلکہ جانشین حضرت اقدسؒ کے مقابلہ میں دونوں حضرات فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا مفتی صاحب کا فتویٰ اور مولانا علی میاں صاحب کے تیز و تند بیانات میلان طبعی کی بنا پر مولوی عبدالجلیل صاحب کی حمایت و دفاع پر ہی محمول کئے جائیں گے۔

ایک منصوص مسئلہ قیاس کی نذر

(۲) جب کہ جانشین حضرت اقدس نے اس صورت کو غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی فرمایا تو اس وقت دونوں حضرات کیوں

خاموش رہے؟ اور اس کے بعد وہ قیامت برپا کی کہ آج تک بھی سرگرم عمل ہیں۔

ایک طرف مفتی صاحب نے فتوی . . . . کا آغاز کیا مفتی صاحب اور دیگر مفتیان عظام نے ایک منصوص مسئلہ کو قیاس و استنباط کی وادی میں لاکر وہ بے نظیر موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں فرمائی ہیں کہ جس نے فقہ و اصول فقہ کے مستحکم قلعہ کی اساس وبنیاد کو ہلاکر رکھدیا۔

اُدھر مولانا علی میاں صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد "ندائے ملت" میں تصویر کا ایک ہی رخ مسلسل ملت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ اور حکومت ہند کو بھی انتقال تابوت کے مطالبہ سے روکنے کے لئے شریعت کا سہارا لیکر اس معاملہ میں مداخلت نہ کرنیکی ہدایات فرمائیں۔ اور اخیر میں یہ مسئلہ تحقیقات شرعیہ" میں لے آئے حالانکہ یہ مسئلہ منصوص ہونیکی بنا پر مجلس کے دائرۂ حدود میں نہیں آتا۔ لیکن افسوس کہ "مجلس تحقیقات شرعیہ نے تحقیقات شرعیہ کے برخلاف مولانا علی میاں صاحب کے حسب منشا، فیصلہ دیدیا۔

مولانا علی میاں صاحب کو تاریخی تصانیف میں یقیناً ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ مگر شرعیات اس سے بالکل ہی مختلف ہیں ہمیں افسوس ہے کہ مولٰنا موصوف نے ایک خالص فقہی مسئلہ کو تاریخی افسانہ بنانیکی سعی نامحمود فرمائی جو انتہائی غیر مناسب ہے۔

ایک شرعی مسئلہ سیاست کی نذر

(۳) "تارکین تدفین شرعی" امتداد زمانہ کا عذر پیش کرکے آج بہت سے اشکالات پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے تدفین شرعی کو حرمت میت کے منافی بناتے ہیں لیکن اس وقت جبکہ دو روز ہی گزرے تھے بلکہ علماء کرام نے عین موقعہ پر بھی اس صورت پر نکیر فرمائی تھی راقم الحروف کو بالاجمال بعض احباب نے جو موقعہ پر موجود تھے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے محترمی جناب

بھائی الطاف حسین صاحب رامپوری نے بھی ایک واقعہ عین موقعہ کا اس طرح ذکر کیا کہ

"جناب مولانا عبداللہ صاحب جالندھری نے کھل کر انتہائی شدت سے عین موقعہ پر اس صورت غیر شرعی کی مخالفت کی تو مولوی عبدالجلیل صاحب نے انھیں یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ ہم بھی عالم ہیں۔ نیز مولانا علی میاں صاحب اس سے پیشتر جانشین حضرت اقدسؒ کی خدمت میں خود بھی اس مطالبہ کے پیش نظر رائے جاننے کے لئے تشریف لائے تھے اس وقت بھی جانشین حضرتؒ نے اس صورت .... کے متعلق یہی فرمایا تھا جواب وفد کے سامنے فرمایا۔ آخر اس وقت تدفین شرعی سے کیا مانع تھا؟ آج ان اعذار بارِدہ کے پیش کرنے کا پھر کیا جواز باقی رہتا ہے؟ نیز پاکستان کے علماء کرام کا اسی وقت اجتماع کرکے مسئلہ کی نوعیت پر غور و فکر کرلیا ہوتا۔ جو فیصلہ وہ فرماتے اس پر عمل درآمد کیا جاتا۔ جانشین حضرت سے پہلی ملاقات میں مولانا علی میاں صاحب کا یہ فرمانا کہ اس مسئلہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی طرف رجوع کیا جائے" اس کی کیا حکمت ہے؟ جب کہ موصوف اہل فتاویٰ میں سے بھی نہیں ہیں جس کا وہ خود بھی اظہار فرما چکے ہیں۔ کیا یہ غمازی نہیں کرتا کہ شیخ الحدیث کی طرف مراجعت مسئلہ کی شرعی نوعیت کے سبب نہ تھی بلکہ اس کے محرکات کچھ اور ہی تھے؟

تارکینِ تدفین شرعی کی افترا پردازی

جانشین حضرت اقدسؒ نے اس طریقۂ کار کو غیر شرعی و غیر اسلامی فرماکر دونوں مرتبہ صرف تدفین شرعی ہی کا مطالبہ کیا۔ انتقال میت کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا! مقام حیرت ہے کہ تارکین تدفین شرعی" نے کسقدر تلبیس و فریب دہی سے کام لیا ہے کہ

عوام و خواص کو یہ باور کرانیکے لئے کہ یہ سارا جھگڑا صرف انتقال میت کے لئے کھڑا کیا گیا ہے ورنہ تدفین تو صحیح ہو گئی ہے! یہاں تک کہ علماء کرام و مفتیانِ عظام کے سامنے اس انداز سے مسئلہ پیش کرتے ہیں کہ گویا تدفین میں تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے بعد تدفین میت کی وصیت کی وجہ سے قبر کھود کر میت کو دوسری جگہ لیجانا چاہتے ہیں۔ ہم اس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل تحریریں پیش کرتے ہیں۔

(۱) مولوی عبدالجلیل و مولوی عبدالوحید صاحبان کے شائع کردہ رسالہ "ہندو پاکستان کے علماء کرام کا فتویٰ" صفا پر جلی قلم سے یہ سرخی قائم کی گئی ہے

"میت کو دفن کے بعد قبر سے نکالنے کے متعلق فتاویٰ علماء کرام"

اس کے بعد مندرجہ ذیل استفتاء کیا گیا ہے:۔

سوال :۔ (۱) کیا فرماتے ہیں ..... کہ میت کو قبر سے نکالنا دفن کے بعد جبکہ قبر بن چکی ہے جائز ہے؟

(۲) وصیت کا نام لیناکہ وصیت میت نے کی تھی کہ مجھے دوسرے ملک میں لیجایا جائے۔ اب دفن کے بعد ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں فقہ حنفی میں کیا لکھا ہے بینوا توجروا۔

اس استفتاء پر علماء ہندو پاکستان نے عدم جواز کے جو فتاویٰ صادر فرمائے ہیں بالکل صحیح و درست ہیں۔ لیکن حضرت اقدسؒ کے قضیہ میں مستفتی کا حقیقت و واقعیت کے خلاف یہ صورتِ استفتاء اختیار کرنا کیا مستفتی کے دیانت و تقویٰ کو مجروح نہیں کرتا؟ اور جو اصحاب اس تلبیس و فریب سے واقفیت کے باوجود ایسے مستفتی کی حمایت و تعاون میں پیش پیش ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "فمن رضیہا

کان کمن شھدھا" الحدیث کے اصول کی روشنی میں اپنے کردار کا محاسبہ فرمائیں، آخر کوئی تو بات ہے جو دونوں کے مابین قدر مشترک کے طور پر موجود ہے جس نے اتنا قریب کر دیا کہ "النبش حرام" کے علاوہ دوسرے محرمات تلبیس وغیرہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی۔ انا للہ الخ۔

(۲) ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں دوسری تحریر مولانا منظور نعمانی صاحب کی ہے۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ماہ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ میں "حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائپوری کا قضیہ" کے عنوان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ہم مسلمانوں پر صدیوں سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے افتراق اور انشقاق کا جو عذاب مسلّط ہے اس کا یہاں بھی ظہور ہوا۔ او حضرت اقدسؒ سے تعلق رکھنے والے ہمارے کچھ بزرگوں (اشارہ جانشین حضرت اقدسؒ کی طرف۔ راقم) اور بھائیوں نے ایک طرف تو یہ کہنا شروع کیا کہ حضرتؒ کی خواہش اور وصیت اپنے مستقر رائے پور میں اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہٗ کے برابر دفن ہونے کی تھی۔ لہٰذا حضرتؒ کے تابوت کو اکھاڑ کر رائپور لیجانا چاہیئے۔ اور دوسری طرف یہ پھیلایا گیا کہ جس طرح حضرت کو دفن کیا ہے اس طرح دفن کرنے سے شرعاً تدفین ہی متحقق نہیں ہوئی اور حضرت کی میت ابھی تک غیر مدفون ہے۔ العیاذ باللہ" انتہی۔

نعمانی صاحب کی عبارت کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اصل مقصد اول و آخر انتقال تابوت ہے اور تدفین شرعی کا مطالبہ محض اپنے مقصد کو حاصل کرنیکی غرض سے ہے اور عبارت کے خاتمہ پر "العیاذ باللہ" ارشاد فرما کر "طالبین تدفین شرعی" کے مطالبہ کے شیطانی ہونیکی تعریض بھی فرمائی ہے جو عبارت کے سیاق و سباق سے واضح ہے۔ جانشین حضرتؒ کی براہ راست

خود نعمانی صاحب سے سہارنپور میں گفتگو ہوئی۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے رائیونڈ میں۔ نیز مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی سے سہارن پور میں (جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے) سب کے سامنے یہی سوال پیش کیا کہ اگر آپ حضرات اس صورت سے جو حضرت کے ساتھ اختیار کی گئی ہے مطمئن ہیں تو ہم کو بھی مطمئن کیا جائے۔ "تارکینِ تدفین شرعی" اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی ضعیف شہادت بھی نہیں پیش کر سکتے کہ کبھی بھی انتقال تابوت کی غرض سے تدفین شرعی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ بلکہ شرعی حیثیت سے تدفین شرعی نہیں ہوئی ہے جیسا کہ ہم آئندہ اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کریں گے جسکی تشریح یہ ہے کہ تدفین فرض ہے اور انتقالِ میت جائز ہے عقل سلیم کی ضرورت ہے کہ بھلا فرض کو ترک کر کے جائز کا مطالبہ کرینگے؟ ہاں البتہ حضرت اقدسؒ کے قضیے میں چونکہ فریضۂ تدفین ادا نہیں ہوا ہے اس لئے انتقال تابوت کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کو اوّلیت کا درجہ نہ دیا گیا ہے نہ عقلاً دیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی عقلمند ایسا خیال کر سکتا ہے۔

اس کے بعد ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کے لاہور کے قیام کے اور بعد وصال کے چند واقعات بیان کریں۔

لاہور کا قیام اور زندگی کے آخری ایام

حضرت اقدسؒ کے بارے میں جب ہندوستان سے روانگی کی اطلاع عام ہوئی ہے ان دنوں راقم الحروف بھی اس آفتاب عالمتاب کی خدمت میں حاضرین کے کفش برداروں میں تھا۔ مخلوق خدا کا کس قدر رجوع تھا۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں پروانہ وار لوگ چلے آتے تھے۔ فیوض برکات کے چشمے ابل رہے تھے کسی کو کیا خبر تھی کہ آئندہ چلکر آپ کی ذات اقدسؒ کے ساتھ یہ کھیل کھیلا جانے والا ہے؟ اور آپ کی ذات اقدس معاذاللہ موضوع بحث بنے گی۔ درحقیقت یہ ابتلا و امتحان تھے

حضرت اقدسؒ کا ارشاد اور خوش فہمیوں کا پردہ چاک

حضرت اقدسؒ نے اپنی جانشینی کے مسئلے کو اسقدر واضح انداز میں حل فرما دیا تھا کہ بہت سے خوش فہموں یا خوش عقیدہ لوگوں کو انتہائی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی لئے اس مسئلہ میں کسی کو لب کشائی کی ہمت نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ اس پورے قضیے کے اصل بانی مبانی مولوی عبدالجلیل صاحب نے بھی ایک سرکاری آدمی کو بیان دیتے ہوئے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس وقت ہمارے حلقے کے سربراہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ہی ہیں۔

لیکن کوئی بھی مایوس و ناکام انسان ردِعمل کے طور پر دوسرے طریقوں سے اپنے حسد و انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنیکی بھرپور کوشش کرتا ہے وہ یہاں بھی ہوا۔ لیکن حضرت اقدسؒ کی فراست و کرامت کی بات ہے کہ جن لوگوں نے بعد وصال اپنے ردِعمل کا مظاہرہ کیا اور بہت سے فتنوں کے سربراہ بنے اور اپنے بارے میں بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا رہے۔ حضرت اقدسؒ نے غالباً وصال سے ہفتہ عشرہ قبل پیشگی ہی ان کی نشان دہی فرما دی تھی۔ جناب بھائی عطاء الحق صاحب۔ عزیزی مولوی فضل الرحمن صاحب دہلوی اور دوسرے چند مخصوص متعلقین کے سامنے نام بنام چند اصحاب کے بارے میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا کہ "یہ لوگ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں حالانکہ کوئی بھی کچھ نہیں"

ہم ان لوگوں کے ناموں کا ذکر کرنا مناسب نہیں خیال کرتے۔ وہ خود ہی اپنے کام سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ وہ حضرات خود ہی حضرت اقدسؒ کے اس ارشاد عالی پر بار بار غور فرما کر اپنے کردار کا محاسبہ کریں۔ اور ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں کہ اب وہ خود تدفین شرعی کے محرک بنیں اور تدفین شرعی کرائیں۔

انتقال نسبت اور غار حرا کا سماں

جانشین حضرت اقدسؒ کے بارے میں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جن کو حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہٗ سے نسب و نسبت کی دونوں خصوصیات کا شرف حاصل ہے۔ جن کا نشو و نما ناناجان کی سرپرستی و نگرانی میں ہوا ہے پھر حضرت اقدسؒ جیسی باکمال شخصیت کی تربیت و صحبت ملی ہو۔ انکی گوناگوں خصوصیات و فیوض باطنی کا ادراک کرنے کے لئے اسی درجہ کی شخصیت چاہیئے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

جانشین حضرت اقدسؒ کی شان اقدس میں لب کشائی کرنے والا آپ کو مجروح نہیں کرتا۔ بلکہ دراصل دونوں حضرات رائپوری قدس سرہم" کے اعتماد و انتخاب کو مجروح کرتا ہے۔

آخر کوئی تو بات ہے کہ ایک طرف تو "کچھ نہ ہونیکا" اعلان فرمار ہے ہیں لیکن دوسری طرف اس اعلان کے دوسرے یا تیسرے روز ہی حضرت اقدسؒ نے اپنے جانشین حضرت مولینا عبدالعزیز صاحب کو بلایا وہ آکر انتہائی ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ آؤ مولوی صاحب مل لو حضرت مولانا اٹھے اور گلے سے لگ گئے۔ دونوں خوب بیتاب ہو کر روئے۔ تھوڑا سکون ہوا تو حضرت مولانا الگ ہو کر ادب کے ساتھ بیٹھ گئے مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے پھر فرمایا کہ آؤ مولوی صاحب پھر مل لو۔ تین دفعہ اسی طرح دونوں گلے ملے اور دل کھول کر روئے۔ اس کے راوی مولوی عبدالوحید صاحب ہیں۔ اس واقعہ کا شاہ

نفیس صاحب سے تذکرہ کرتے ہوئے مولوی عبدالوحید صاحب نے کہا تھا کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسا کہ نسبت منتقل کی جارہی ہے۔ بالاختصار اسی واقعہ کا تذکرہ مولانا علی میاں صاحب نے بھی بروایت مولوی عبدالوحید صاحب سوانح حضرت مولینا عبدالقادر رائپوریؒ ص ۲۱۶-۲۱۵ طبع دوم پر کیا ہے۔

دو قالب و یکجان کی یہ الوداعی ملاقات جو غار حراء میں آغاز وحی کے وقت آغوش میں لینے کا حسین منظر پیش کررہی ہے ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست　　کراماً کاتبیں را ز خبر نیست

اور یہ روایت کسی اور کی نہیں بلکہ فریق مخالف کے اصل سربراہ مولوی عبدالوحید صاحب کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کو بھی کھلے دل سے اس کا اعتراف ہے ع

الفضل ما شهدت به الاعداء[۵۱]

محترم راؤ عطاء الرحمٰن خانصاحب کی آمد اور حضرت کا وصال

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت اقدسؒ نے محترم جناب شاہ مسعود صاحب اور جناب راؤ عطاء الرحمٰن خاں صاحب کو بہت کثرت سے مسلسل خطوط لکھوائے کہ آکر مجھے رائپور لیجاؤ۔ لیکن ان حضرات کی سرد مہری کے کیا اسباب تھے۔ رائپوری حلقہ میں یہ ایک سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں؟ محترم جناب شاہ مسعود صاحب تو تشریف ہی نہیں لے گئے البتہ جناب راؤ عطاء الرحمٰن خاں صاحب لاہور تشریف لے گئے۔ لیکن وہ جانا اس کا مصداق تھا ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ !
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا !!!

---

[۵۱] فضل و کمال وہی ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرے۔

یا یوں کہیے ؎

مری نماز جنازہ پڑھائی غیروں نے ــ مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

بہرحال راؤ صاحب نے لاہور اپنی آمد کا واقعہ مندرجہ ذیل اپنے الفاظ میں قلمبند کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :-

جس وقت میں لاہور پہنچا حضرت کو لینے کے لئے تو حضرت جس کمرہ میں تشریف فرما تھے ۔ سیدھا وہاں پہنچا حضرت لیٹے ہوئے تھے ۔ آنکھیں بند تھیں ۔ مولوی عبدالجلیل صاحب کمرہ میں موجود تھے ۔ مولانا عبدالجلیل صاحب نے عرض کیا ۔ عطاء الرحمٰن آئے ہیں ۔ احقر نے سلام عرض کیا آنکھیں کھولیں میں نے عرض کیا حضرت کو لینے کے لئے آیا ہوں ۔ تبسم کے لہجے میں فرمایا " ہم ضرور چلیں گے "

مولوی عبدالجلیل صاحب کی ہوں ؟

اس بات کو سن کر مولوی عبدالجلیل صاحب نے کچھ سر ہلایا اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ یوں بھی کہا ـــــ ہوں ؟

احقر اٹھ کر سی ۔ آئی ۔ ڈی کے دفتر اندراج کے لئے چلا گیا ۔

حضرت کا وصال اور خفیہ سازشوں کا جال

واپس آیا تو حضرت کا وصال ہو چکا تھا تقریباً ۱۱ بجے تھے وصال کے فوراً بعد مولانا عبدالجلیل صاحب نے اپنے والد صاحب اور قاضی عبدالقادر صاحب کو کہا کہ آپ لوگ فوراً ڈھڈیاں تشریف لیجائیں اور قبر کا انتظام کرائیں ۔ حضرت رح کے چھوٹے بھائی جو کہ مولانا عبدالجلیل صاحب کے والد ہوتے ہیں جن کو ان کے برخوردار نے حکم دیا کہ فوراً ڈھڈیاں جائیں اور قبر کا انتظام کریں ۔

یہ جہان کی امانت ہے وہیں جانے دو

حضرت حافظ محمد خلیل صاحب

مولوی عبدالجلیل صاحب کو ان کے والد کا حکم

جو کہ والد مولانا عبدالجلیل صاحب ہیں ۔ فرمایا کہ بھائی عبدالجلیل (انھیں کے الفاظ ہیں) اتا رحمٰن آیا ہے وہ سی ۔ آئی ۔ ڈی گیا ہے ۔ اس کو بھی آنے دو ۔ اور یہ جیھے دی امانت ہے ادھر تو جانے دو ۔ اتا رحمٰن سے محبت کرتے تھے حضرت ۔ اور حضرت صوفی صاحب مرحوم نے اور جناب افضل صاحب نے بھی یہی فرمایا ۔ مگر مولانا عبدالجلیل صاحب نے کہا کہ ہم وارث ہیں ۔ یہ وراثت کے الفاظ حضرت مولانا نعمانی صاحب نے بھی اپنے الفرقان میں دیدیئے ہیں کہ چونکہ وارث جو ہیں انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ۔

مولوی عبدالجلیل صاحب کا اپنی رائے پر اصرار اور والد کا حکم ماننے سے انکار

مگر برخوردار نے اپنے والد صاحب اور قاضی صاحب کو بڑی تیزی سے اور سختی کے لہجہ میں کہہ کر ڈھڈیاں روانہ کر دیا ۔ انتہیٰ ۔

بیان کی روشنی میں منصوبہ طشت ازبام

واقعہ یہ ہے کہ محترم جناب راؤ صاحب کے بیان سے یہ حقائق روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئے ہیں کہ

(۱) سرزمین رائپور میں مولوی عبدالجلیل صاحب کے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی موجودگی میں حضرت اقدس رح سے رائپور واپس بھیجنے کے قول و قرار سر تا سر فریب و دھوکہ تھے جسکا مقصد ان وعدوں پر عمل درآمد کرنا نہیں تھا ۔ بلکہ اپنے منصوبہ کی تکمیل تھی ۔ ورنہ وصال کے قریب حضرت اقدس کے ارشاد "ضرور چلینگے" پر سر ہلانے اور " ہوں " کہنے کا کیا یہی مطلب نہیں ہے ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

(۲) جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جانشین حضرت اقدس رح اپنا پاسپورٹ لینے کے لئے سرگودھا تشریف لے گئے تھے اور بعد میں انتقال ہو گیا اور جب آپ

واپس تشریف لائے ہیں تو جنازہ ٹرک پر رکھا جا چکا تھا۔ اور ڈھڈیاں کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ جانشین حضرت اقدسؒ یا راؤ صاحب اگر پہلے سے یہاں موجود بھی ہوتے تب بھی ان کو یہی کرنا تھا۔ کیونکہ جو اصل وارث حضرتؒ کے بھائی حافظ محمد خلیل صاحب جو مولوی صاحب موصوف کے والد ہیں اور جن کی اطاعت فرض ہے ان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ ارشاد باری فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا کے برخلاف تیزی و تندی سے گفتگو کی۔ پھر بھلا کسی اور کی کیا مجال تھی۔

اب ہم جنازہ ڈھڈیاں لیجاتے ہوئے ایک مقام کا عبرت ناک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔

لالیاں کا عبرتناک واقعہ | مندرجہ ذیل واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ یہ لوگ اپنے منصوبہ کی کامیابی پر کس درجہ فرحاں و شاداں تھے خاکم بدہن گویا حضرت اقدسؒ کا پاکستان میں وصال ان کے نزدیک نعمت غیر مترقبہ تھا۔

لاہور سے ڈھڈیاں جاتے ہوئے ایک مقام "لالیاں" پر ٹھیرے تو مولانا عبدالجلیل صاحب اور ان کے رفقاء ٹھنڈی برف کی بوتلیں پیتے ہوئے اسی ٹرک پر کہ جنازہ بھی سامنے ہی رکھا ہوا ہے بڑی بیباکی سے قہقہے لگا رہے تھے بمشاہدین کا بیان ہے کہ جانشین حضرت اقدسؒ کو اس صورت حال نے مرغ بسمل بنا دیا اور حضرت نے بے اختیار ان پر زجر و توبیخ فرمائی۔ خیال فرمایئے کہ ایک طرف تو قطب عالم کے اس سانحۂ عظیم پر دنیائے اسلام اشکبار تھی۔ دوسری طرف یہ بے ہنگام قہقہے؟ ہم قساوت و شقاوت کی تعبیرات سے گریز کرتے ہوئے انھیں سے اسکی وضاحت کے خواستگار ہیں۔

ارباب تصوف سے استفسار | عزیزانِ کرام نے از اول تا آخر ساری کارروائی

وراثت و قرابت کو بنیاد بنا کر کی ہے۔ نعمانی صاحب نے بھی اس کی حمایت کی ہے انبیاءؑ و اولیاءؒ کی وراثت دراصل روحانی ہوتی ہے۔ یہ تمنا و خواہش اور اس کی وصیت روحانی تعلق کی بنیاد پر ہی تھی، روحانی وراثت نسبی وراثت کے مقابلہ میں قوی ہی نہیں بلکہ قوی تر ہوتی ہے۔ کیونکہ اول تو نسبی وراثت کے احکام دنیا ہی تک محدود ہیں اور اختلاف دین کی صورت میں وہ بھی قائم نہیں رہتی۔ حضرت نوحؑ کی درخواست "ان ابنی من اھلی" کے جواب میں کہا گیا "انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح" اور آخرت میں نسبی تعلق کے بارے میں تو صاف اعلان موجود ہے "فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون" بخلاف روحانی وراثت کے کہ وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ قائم و مفید رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ اہل علم کا ایک طبقہ ہر نبی کی امت کے صلحاء مومنین کو اس نبی کی اہل میں داخل مانتا ہے۔ حضرت اقدسؒ نے وراثت و قرابت کے تمام تعلقات سے یکسو ہو کر رائپور میں حضرت عالی "قدس سرہٗ" سے روحانی رشتہ قائم کیا تھا لہٰذا آپ حضرت عالیؒ کے روحانی وارث بنے اور آپ نے اپنے جانشین حضرت مولنا عبدالعزیز صاحب کو اپنا روحانی وارث بنایا۔ اور یہ روحانی وراثت "عمل صالح و تزکیہ نفس" ہے" جو بعثت انبیاء علیہم السلام کا اعلیٰ مقصد ہے۔ متوسلین و منتسبین بقدر تعلق اس وراثت سے حصہ پاتے ہیں۔ نسبی وراثت کے مدعیان نے باوجود مکرر سکرر رد عذر کرنے کے حضرت اقدسؒ کی تمنا و خواہش کے علی الرغم غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی طریقہ پر حضرت اقدسؒ کو محبوس و مقید کر دیا۔

عزیزان کرام اور ان کے حمایتوں نے آخر کیوں نسبی قرابت کو روحانی قربت پر ترجیح دی؟ اور ایسی شخصیت کے بارے میں جس نے تمام رشتوں پر روحانی رشتہ کو ترجیح دی تھی۔ جب کہ حقیقی وارث مولوی عبدالجلیل صاحب کے والد حافظ خلیل احمد صاحب ہیں جنکی رائے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ "جہاں کی امانت ہے وہیں جانے دو" عزیزان کرامُ کو ان کی موجودگی میں کیا حق وراثت ہے؟ کتاب الفرائض میں یہ

مسئلہ کلیہ کے طور پر موجود ہے کہ باپ کی موجودگی میں اولاد محروم الارث ہوتی ہے ملہذا حضرت حافظ صاحب کی رائے کی موجودگی میں ان کے صاحبزادہ مولوی عبدالجلیل صاحب کی رائے کی شرعی نقطۂ نظر سے کیا حیثیت ہے؟ بہرحال ان تفصیلات کی روشنی میں کر" اپنے شیخ کی تمنا و خواہش کے علی الرغم مخالفت کا عزم بالجزم، اس پر عمل درآمد، بعد عمل اسی پر اصرار" ارباب تصوف ہی سے استفسار کرتے ہیں کہ اس کے بعد بھی شیخ سے روحانی تعلق قائم رہ سکتا ہے۔ ہ

وظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضۃ
علی المرء من وقع الحسام المہند

اب ہم ان اسباب کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں یہ مسئلہ ۹ سال بعد اس زور وشور سے کیسے شروع ہوا؟ جس کے بعد صحافتی سرد جنگ کا آغاز ہوا اور نہ معلوم کبتک جاری رہیگا۔

ہم تو مفتیوں کے تابع ہیں رائپور میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کا ارشاد

حضرت الحاج الحافظ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم جانشین حضرت اقدس ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ تقریبا پانچ سال بعد ہندوستان تشریف لائے۔ ہندو پاک کے علمی حلقوں میں یہ بحث برابر جاری ہی تھی کہ" تدفین شرعی ہوئی کہ نہیں" پاکستان میں تو یہ مسئلہ بہت شباب پر تھا لیکن ہندوستان کی فضا میں سکون تھا۔ مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے پور کی گفتگو کے بعد سے ہندوستان میں بھی وسیع پیمانے پر حضرت شیخ الحدیث صاحب کے موقف کی تائید میں فتاوی و مضامین کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ جن میں سرفہرست مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کو رائپور سے جو تعلق و عقیدت ہے وہ محتاج بیان نہیں آپ ہمیشہ رائپور تشریف لیجاتے رہے مگر اس مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحب خلاف معمول مولانا علی میاں صاحب۔ مولانا انعام الحسن صاحب۔ مولانا اسعد میاں صاحب اور دہلی و کلکتہ کے امراء و رؤسا تقریباً دو سو افراد پر مشتمل جمعیت کے ہمراہ ۲۳ رجب المرجب ۱۳۹۰ھ کو اچانک دوپہر کھانیکے وقت تقریباً ۱۲ بجے بغیر پیشگی اطلاع کے رائپور پہنچے۔ جبکہ اس سے قبل کبھی بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اس جم غفیر کے ساتھ بغیر اطلاع کے تشریف نہیں لائے۔

تشریف آوری کا مقصد حضرت شیخ الحدیث صاحب باضابطہ طور پر خواص حضرات کو تاریخ مقررہ پر رائپور چلنے کا حکم فرما چکے تھے۔ اور تشریف آوری کا مقصد" جانشین حضرتؒ سے خانقاہ کے قیام کے سلسلہ میں گفتگو کرنا ہے" یہ بھی ان کو بتلادیا گیا تھا"

گستاخی معاف! اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ اولاً تو ضابطہ و قاعدہ کے اعتبار سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کو مواخذہ کا استحقاق خود" محل نظر ہے" زیادہ سے زیادہ فہمائش کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ مگر اس مخصوص معاملہ میں اس عظیم غیر متعلق مجمع کی ہمراہی میں کیا مصلحت و حکمت تھی؟ ہماری عقل و فہم اس کے سمجھنے سے عاجز ہے۔ ہم حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مقام و شان کے پیش نظر اس مظنۂ تہمت کو بھی بعید تر سمجھتے ہیں کہ اس غیر متعلق مجمع کی اس موقعہ پر ہمراہی کا مقصد جانشینِ حضرت اقدس کی شخصیت اور خانقاہ کی مرکزیت کا استخفاف اور ان کے وقار کو مجروح کرنا ہے گو بلا قصد و ارادہ کے بھی منطقی طور پر اس صورت حال سے نتیجہ و تاثر یہی ہوگا۔

گفتگو کا آغاز قصہ مختصر یہ کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے بعد نماز عشاء مولانا سعد میاں صاحب اور جناب راؤ عطاء الرحمٰن خاں صاحب سے فرمایا کہ حضرت حافظ صاحب سے گفتگو کرنے کے لئے کہیں جس پر راؤ صاحب ....

نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے دست بستہ عرض کیا کہ "اس وقت رہنے دیجئے بالکل موقع نہیں ہے" مگر حضرت شیخ گفتگو کے لئے مصر رہے۔ بالآخر جانشین حضرت کی مختصر گفتگو کے لئے عرض کردیا گیا۔ معاملہ کی نزاکت و اہمیت کا تقاضا تو یہی تھا کہ گفتگو خفیہ ہوتی تاکہ دوران گفتگو بعض مرتبہ جو تلخی و تندی آجاتی ہے غیر متعلق بالخصوص مریدین و متوسلین کے حلقہ میں اس کا مظاہرہ جو بہت سی وجوہ سے نامناسب ہے نہ ہوتا۔ لیکن افسوس کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے خانقاہ کے کھلے میدان ہی میں گفتگو کا آغاز فرمایا! اب ہم اس میدان کی چند اہم باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب :- آپ نے یہاں کے قیام کے سلسلے میں جو وعدہ کیا تھا اس کا کیا ہوا؟

جانشین حضرت اقدس رحمۃ اللہ :- ویزا نہ ملنے کے اسباب میں "تارکین تدفین شرعی" کی پیدا کردہ مشکلات کا ذکر فرمانیکے بعد فرمایا کہ حضرت! اس غیر شرعی صورت کو تدفین قرار دینے والے فتاوی کی تصدیقات میں جب آپ کا اسم گرامی دیکھا تو میں نے احتراماً آجتک اس کے رد میں کوئی بیان نہیں دیا۔ لیکن جب آپ نے احقر کو اپنے سامنے عرض کرنے کے لئے گستاخ فرما ہی دیا تو عرض ہے۔ جس چیز نے آٹھ سال سے بے چین کر رکھا ہے اس میں آپ حضرات کے فتووں نے رکاوٹ ڈالی ہے۔ آپ اور لوگوں سے مراسلت و مکاتبت فرماتے رہے لیکن کبھی بھی آپ نے اس واقعہ کے سلسلے میں مجھ سے تحقیق فرمائی؟ جو انگیٹھی میرے سینہ میں دہک رہی ہے کہ میرے شیخ میرے مربی جنھوں نے بچپن سے مجھے

پرورش کیا، پالا اور رکھا۔ جن کی ساری عمر اتباع سنت میں گزری ہو ان کو ایک ایک سنت سے محروم کیا گیا۔ اس صورت پر اگر آپ کا اطمینان ہے کہ تدفین شرعی ہوگئی۔ تو حضرت آج مجھے بھی مطمئن کر دیجئے۔

جس کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ "ہم تو مفتیوں کے تابع ہیں ان کی طرف رجوع کرو"

حضرت مولانا نے فرمایا کہ :- "میں مظاہر علوم حاضر ہو جاؤں"

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا :- جی ہاں!

ہم تو شوریٰ کے تابع ہیں مظاہر کے مفتیان کا بیان

چنانچہ جانشین حضرت اقدس رمضان المبارک کے بعد جب سہارنپور تشریف لائے تو حضرت شیخ مدظلہٗ کے فرمان کے مطابق مفتیان مظاہر علوم کو ایک روز قبل مطلع کیا گیا کہ کل ہم دفتر حاضر ہوں گے۔ چنانچہ چند خدام علما، اور کچھ معزز رائے صاحبان کے ہمراہ ۹ر شوال المکرم سنہ ۱۳۹۰ھ کو دار الافتاء صبح ۹ بجے جانشین حضرت دفتر تشریف لے گئے۔

دار الافتاء میں حاضری کا مقصد

مفتیان مظاہر کو بتایا گیا کہ ۲۳ر رجب المرجب سنہ ۱۳۹۰ھ کی رائپور کی گفتگو میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے فرمایا تھا کہ ہم مفتیوں کے تابع ہیں ان سے گفتگو کر لی جائے۔ جانشین حضرت نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی طریقہ اختیار کیا گیا۔ بالتفصیل اس کو بیان فرما کر مفتیان مظاہر سے دریافت کیا کہ، آپ حضرات نے کن دلائل کی بنیاد پر اس کو تدفین شرعی قرار دیا ہے؟ ہم کو بھی مطمئن کیجئے۔

مفتیان مظاہر کو کتب فقہ کی عبارات دکھلائی گئیں کہ تدفین شرعی کا
کیا ہے۔ ان سے بار بار کہا گیا کہ یا تو اپنے فتوے پر دلائل قائم کریں یا رجو
لیکن ان حضرات نے مکمل سکوت اختیار کیا۔ تقریباً دو گھنٹہ بعد مفتی مظفر حسین
ہم سب کی موجودگی میں انتہائی تعجب خیز و حیرت انگیز انکشاف فرمایا کہ "یہ
یونہی نہیں لکھا گیا ہے بلکہ اکابر کے شوریٰ کے بعد لکھا گیا تھا اس لئے ہم اس
میں بغیر اکابر کے مشورہ کے کیسے رجوع کر سکتے ہیں؟ جس پر ان سے کہا گیا کہ چلو
ان کے پاس چلتے ہیں لیکن وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ بلکہ مفتی صاحب
نے کسی معقول جواب سے عاجز آکر مجلس کو بے نتیجہ درہم برہم کرنے کی غرض سے محفل
پیدا کرنے کے لئے شرافت و اخلاق سے فروتر ہو کر یہ فرمایا کہ " یہ سب لوگ
و بے قاعدہ آئے ہیں ہنگامہ کی صورت ہو گئی۔ ہمیں تو یہ اطلاع تھی کہ صرف حضرت
تشریف لائیں گے آپ سے بات کر لیتے۔ جس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ
حضرات کو ان سے کیا تکلیف ہوئی سب خاموش بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد اپنے
رفقاء کو حکم دیا کہ فوراً تمام دارالافتاء سے نکل جائیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے
خاموشی کے ساتھ دارالافتاء سے چلے آئے حالانکہ جانشین حضرتؒ کے خدام در
مفتی صاحب موصوف کا یہ اعتراض خود بے ضابطہ تھا اور بے قاعدہ بھی کیونکہ دار
میں آنے پر اس کے اوقات میں انفرادی و اجتماعی طور پر مسلمانوں پر کہیں کوئی پا
نہیں ہے۔

میں اِن لغویات میں پڑنا نہیں چاہتا
حضرت شیخ کا ارشاد

ہماری واپسی کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد حضرت مولانا دامت برکاتہم دارالافتاء
نیچے تشریف لائے جہاں علماء و طلباء کا کثیر مجمع موجود تھا۔ جن کی موجودگی میں آپ نے

"دیکھیے مفتیوں نے میرا وقت خراب کیا اور مجھ کو قطعاً کوئی جواب
نہیں دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ——— مفتی صاحبان کی طویل معنی خیز
خاموشی کے بعد یہ جواب کہ یہ تصدیقات اکابر کے شوریٰ کے بعد کی گئیں ہیں
اس لئے ہم بغیر مشورہ کے کیسے رجوع کر سکتے ہیں۔ ؟ کیا اس جواب کے
پس منظر میں مفتی صاحبان فقہی درایت و بصیرت سے تہی دامن یا انتہائی
عاجز اور مجبور و معذور قرار نہیں پاتے۔ اگرچہ یہ دور علمی دنیا کے لئے بہت
انحطاط پذیر ہے۔ انتہائی تنزل کی طرف جارہا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں
ہے لیکن تنزل و انحطاط کا یہ درجہ کہ بڑے مسائل میں مفتیانِ مظاہر
علوم اپنی تحقیقات کی بنیاد پر اظہار رائے کے مجاز نہیں ہیں بلکہ
اکابر کی شوریٰ کے پابند ہیں، اپنی مثال آپ ہی ہے۔ جو مفتی صاحبان
خارجی اثرات سے اس درجہ متاثر ہوں کہ اپنی قسمت اکابر و منتظمین سے
وابستہ کر چکے ہیں اور ان کا وجود و بقا اکابر کے رحم و کرم پر موقوف
ہو جائے تو کیا ایسی صورت میں افتاء و منصب افتاء کا وقار و اعتماد مجروح
نہیں ہوگا ———"

یہ کیا بات ہے کہ جاہلوں کے نہیں بلکہ اہل علم و صلاح کے اجتماع میں
مکمل سکوت اختیار کیا اور وہ بھی عہد حاضر کی مشہور ترین شخصیت کے ساتھ کیا عجیب
بات ہے کہ ایک غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی طریقہ کو برقرار رکھنے میں تو اسے دفن
کامل اور بلاشبہ محقق خود بتاتے ہیں اور اپنے دستخط کرتے ہیں اور جب اس پر
دلائل کا مطالبہ ہوتا ہے تو اپنے آپ کو اکابر کی شوریٰ کا پابند بتاتے ہیں ایسی صورت میں
اپنے دستخطوں کے ساتھ "پابند اکابر" کا جملہ اور اضافہ کرنا چاہیے تاکہ فتاوی میں
تمیز ہو سکے کہ یہ فتویٰ مفتی صاحبان کی اپنی تحقیق پر صادر ہوا ہے اور یہ فتویٰ

اکابر کی شوریٰ کی سرپرستی و نگرانی میں مرتب ہوا ہے۔ نیز یہ بھی فیصلہ ہونا چاہیے
شوریٰ والے فتاویٰ کے سلسلہ میں ایرادات و تحقیقات کی اگر ضرورت پیش آئے
مفتی صاحبان خود جواب دیں یا اکابر شوریٰ کے نام بتائیں جو نگران و سرپرست
ہیں تاکہ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ عجیب معمہ ہے کہ اکابر فرمائیں کہ ہم مفتی
کے تابع ہیں اور مفتی صاحبان کہیں کہ ہم اکابر کے پابند ہیں فیصلہ ہو تو کیسے

خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے، درویشی بھی عیاری
(اقبال)

واقف کار احباب خوب جانتے ہیں کہ کون کس کے تابع ہے — ؟ بعد
کی ایک معتبر خبر کے ذریعے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کو اکابر کی جانب سے مکمل
سکوت اختیار کرنے کی ہی تلقین کی گئی تھی

دوسرے روز ۱۰ شوال المکرم ۹۰ھ کو حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ
کی خدمت میں راقم الحروف نے دارالافتاء کی گفتگو پیش کرنے کا ارادہ کیا تو
نے اس کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ شیخ گفتگو نہیں فرمائیں گے اور نامناسب انداز
سے پیش آئیں گے۔ مگر اس کے باوجود راقم الحروف کی رائے اتمام حجت کے طور
پر یہی تھی کہ یہ کارروائی ہمیں براہ راست شیخ الحدیث صاحب کو سنانی چاہیے۔

بہرحال اختلاف رائے کے باوجود راقم الحروف۔ مولانا عبدالرحمٰن خاں صاحب
شاکر دہلوی اور جناب راؤ کوثر علی خاں صاحب، صاحبزادہ جناب راؤ یعقوب علی خاں
حاضر خدمت شیخ ہوئے۔ دریافت فرمانے پر حاضری کی غرض و غایت بتائی کہ کل کی
دارالافتاء کی گفتگو سے آپ کو مطلع کرنا ہے۔ بس سنتے ہی انتہائی سخت لب و لہجہ
میں فرمایا کہ "میں ان لغویات" میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میں حافظ صاحب (جانشین
حضرت سے ۲۳ رجب ۹۰ھ کی گفتگو کی طرف اشارہ) سے رائپور ہی میں کہہ چکا

ہوں۔ اس سلسلہ میں اب کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن راقم الحروف نے عرض کیا
کہ آپ کے فرمان کے مطابق مفتیوں کی طرف رجوع کیا گیا مگر تقریباً تین گھنٹے تک
دارالافتاء کے جوابات پر اشکالات فقہی عبارات کی روشنی میں پیش کیے جاتے رہے
اور جوابات پر دلائل کا مطالبہ بھی کیا گیا تاکہ اطمینان حاصل کیا جا سکے مگر مفتیان کرام
نے مکمل سکوت اختیار کیا۔ ہاں آخر میں اتنا ضرور کہا کہ یہ جواب اکابر کی شوریٰ
سے لکھا گیا تھا اور اب بھی آپ حضرات ہی کے مشورہ سے دوبارہ غور کیا جا سکتا ہے
حضرت! آخر یہ کیا معمہ ہے کہ آپ فرمائیں ہم ان کے تابع ہیں وہ فرمائیں ہم آپ کے
تابع ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے انتہائی برافروختہ ہو کر فرمایا کہ رسالہ شائع
کر دو۔ پوسٹر نکال دو کہ مظاہر علوم کا فتویٰ غلط ہے اور میں تو اس سلسلہ میں مولوی
عبدالجلیل کو خوب لکھ چکا ہوں کہ جو کچھ ہوا غلط ہوا لیکن اب اس کا کھولنا درست
نہیں راقم نے عرض کیا۔ بے شک عوام کے لئے تو اتنا جواب کافی ہے، مگر علماء
کو حق ہے کہ وہ حکم کی علت معلوم کریں۔ آپ یہ کس بنیاد پر فرما رہے ہیں کہ اب
کھولنا درست نہیں۔ اس کی کیا دلیل ہے جبکہ تدفین شرعی ہوئی ہی نہیں اس پر
مزید جلال آمیز انداز میں فرمایا کہ "میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس مسئلہ
میں کوئی گفتگو نہیں کرونگا۔ تم لکھوا لو لکھ دوں کہ اب میں
اس مسئلہ میں نہیں پڑتا۔" انتہی۔

حضرت شیخ مدظلہ نے دوران گفتگو جو انداز اختیار فرمایا اس سے ان کا کوئی مرید
تو مطمئن ہو سکتا ہے مگر دوسرے لوگ جن کا تعلق شیخ سے ارادت و اصلاح کا نہیں ہے
وہ تو اپنا اطمینان اس بنیاد پر چاہیں گے جس منصب کی حیثیت سے شیخ مدظلہ نے
اس سلسلہ کے فتاویٰ کی تصدیق فرمائی ہے، چونکہ آپ نے فتویٰ کی تصدیق کر کے اپنے

آپ کو اس بات کا پابند بنالیا ہے کہ جو شخص بھی اس میں شکوک وشبہات رفع کرنا چاہے اس کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔ آخر اس افہام وتفہیم سے گریز کیوں ۔۔۔؟؟ راقم الحروف کی حاضری کا مقصد صرف یہ تھا کہ دارالافتاء کی گفتگو کو ذکر کرکے صحیح صورت حال پیش کرے۔ نہ معلوم مفتی صاحبان نے کس انداز میں کارروائی سنائی ہوگی۔ مقام حیرت وتعجب ہے کہ جب ایسے ہی مقدس ومقتدا یہ انداز جواب اختیار کریں گے۔ تو دوسرے اور تیسرے درجہ کے لوگ اگر اس کو نیک عمل خیال کرکے ایسا کریں تو انھیں قصور وار کس بنیاد پر قرار دیا جائیگا۔ مجھے انتہائی صدمہ ہوا اور بہت دکھ اور قلق ہے کہ جماعت کا اتنا بڑا شخص اپنے مقام ومنصب سے فروتر ہو جائے اور جانشین حضرت اقدسؒ کا نام لے کر یوں کہے کہ میں "حافظ صاحب سے نمٹ چکا ہوں۔ اب ان لغویات میں پڑنا نہیں چاہتا" بار بار غور وفکر کے باوجود میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لغویات سے مراد راقم الحروف کی حاضری ہے یا نفس مسئلہ کی تحقیق؟ مراد را نیورہیں حضرت اقدس مدظلہ کی گفتگو ہے یا نفس مسئلہ کی تحقیق وتنقیح ۔ ؟؟

دین کے ایک مختلف فیہ مسئلہ میں افہام وتفہیم کو لغویات سے تعبیر کرنا کیا اصول اخلاقیات سے کھلا گریز نہیں ہے؟ اور گفتگو سے گریز ہی مقصود تھا تو اپنے مقام وشان کے مناسب کوئی اسلوب اختیار فرماتے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے قریب رہنے والے آپ کے مزاج سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ سریع الغضب بطی الفئ، واقع ہوئے ہیں۔ میں بہت قریب سے جانتا ہوں کہ موصوف اختلاف رائے رکھنے والے علماء سے بھی کبھی انبساط وبشاشت کے ساتھ ملاقات نہیں فرماتے الا آنکہ وہ کسی وجاہت یا منصب عالی سے سرفراز ہو۔ اس کے ثبوت میں بکثرت شواہد ہیں مگر ذکر کرنا مناسب نہیں۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ماہ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کا

مکتوب گرامی شائع ہوا ہے اس کے چند اقتباسات! فرماتے ہیں:۔

"جو حضرات علماء کرام اس رائے میں بندہ کے موافق نہیں، اس ناکارہ کو ان پر نہ کوئی اعتراض ہے نہ ان سے کچھ غلاف ہے اس لئے کہ بندہ کے یہاں ہمیشہ اختلاف علماء قابل اعتراض چیز نہیں رہی بلکہ مبارک رہی ...... علماء کے شرعی اختلاف کو انکی طرف سے ہو یا ان کے خدام کی طرف سے ہو اس کو منازعت یا مخالفت کا ذریعہ بنانے کا بندہ بہت مخالف ہے۔ انتہی۔

اختلاف رائے رکھنے والوں سے جس جذبۂ مفاہمت اور متانت وسنجیدگی کا مبارک و قابل قدر اور شایان شان مظاہرہ گفتار میں ہے کاش عملی نمونہ وکردار بھی اسکا ہم آہنگ ہوتا۔

الاعتدال ...... کے مصنف

ہم آیندہ صفحات میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب بقول خود "ان لغویات" میں نہ صرف دلچسپی ہی لیتے رہے بلکہ بروقت غفلت پر انتباہ بھی فرماتے رہے۔

بعض ناواقف اور عقیدتمند اصحاب ان رازہائے سربستہ کے انکشاف کو خلاف حقیقت و بے ثبوت خیال کرکے ممکن ہے کہ ہم پر الزام تراشی واتہام طرازی کی فرد جرم عائد کریں۔ لیکن واضح رہے کہ ہم نے اپنی دانست میں کوئی بات بھی خلاف واقعہ نہیں لکھی ہے۔ چہ جائیکہ ایسی ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں بلا ثبوت لب کشائی کرنا جہاں سوء ادب ہے وہاں اپنے آپ کو عقیدتمندوں کی بھیڑ میں خطرات وحوادث اور مصائب ومشکلات سے دوچار کرنا بھی ہے۔ ہم قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ ثبوت میں ایسی چیزیں پیش کی جائیں جو حضرت شیخ الحدیث

صاحب کے لاتعلقی اور غیر جانبداری کے اعلانات، اور عزیزان کرام کی ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کے برعکس نہ صرف دل چسپی بلکہ سرپرستی اور کرم فرمائی پر برہان قاطع کا درجہ رکھیں اور یہ ڈانٹ ڈپٹ اس کی روشنی میں زجر و توبیخ نہیں بلکہ پیار و محبت اور انتہائی تعلق کی ایک کڑی ہی ثابت ہو۔

ع وقد یوذی من المقة الحبیب

قطب الاقطاب سیدنا و مولٰنا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کے ایک اجل خلفاء کے عزیز عالم باعمل کا مکتوب جانشین حضرت اقدسؒ رائپوری" حضرت الحاج الحافظ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم کے نام ہے۔ جس میں دل چسپی، سرپرستی، جانبداری، رہنمائی وغیرہ امور محتاج وضاحت نہیں۔

مکتوب | بحضرت اقدس مہبط انوار الٰہی مخزن اسرار الٰہی حضرت مدظلہٗ العالی!

بعد از ہدیۂ تسلیمات و درخواست دعا۔ احقر اسوقت خیریت سے ہے۔ اور حضرت کیلئے ذات حق عز و جل سے دعا ہے کہ حضرت کا سایہ ہم سب خدام پر ہمیشہ کے لئے بعافیت و سلامت باکرامت رکھے اور آپ کے فیوض و برکات عالیہ سے ہر خاص و عام شخص فیضیاب ہو۔ آمین ثم آمین۔

مخدوما! احقر جب سرگودھا اور ڈھڈیاں کے سفر میں حاضر ہوا۔ اور سرگودھا سے حضرت مدظلہٗ العالی سے اجازت لے کر مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۷۶ء بروز اتوار ڈھڈیاں حاضری ہوئی تو نماز ظہر کے بعد جناب صاحبزادہ مولانا عبدالوحید صاحب سے گفتگو شروع ہوگئی۔ اور مولانا موصوف نے خود بخود ایک ایسی بات شروع کردی جس کو احقر چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔

رائپور کی گفتگو سے آگاہی | (۱) مولنٰا موصوف نے فرمایا کہ اب کی مرتبہ حضرت

مولانا عبدالعزیز صاحب رائپور تشریف لے گئے تو حضرت مولنٰا کے قیام کے دوران میں حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم اور مولینا علی میاں صاحب اور مولنٰا اسعد مدنی صاحب اور تقریباً ڈیڑھ سو احباب رائپور شریف مولانا کے پاس حاضر ہوئے اور جب ان حضرات نے اجتماعی شکل میں بات چیت شروع کی کہ حضرت اقدس نے آپ کو جو جانشین مقرر فرمایا ہے وہ اس شرط پر کہ آپ اس جگہ کو آباد فرمائیں۔ اور یہاں مستقل قیام فرمائیں اور آپنے وعدہ کیا تھا کہ مستقل رہونگا اور آپ کے ارشاد کے بموجب کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔ مولانا عبدالعزیز صاحب نے بجائے اس بات کے جواب میں کچھ فرمانے کے بلکہ فرمانے لگے کہ یہ باتیں تو بعد کی ہیں آپ حضرات یہ فرمائیں کیا حضرت رحمۃ اللہ کی تدفین بھی شرعاً جائز ہوگئی؟ مولینا عبدالعزیز صاحب نے بڑی گستاخی کا اظہار فرمایا اور یہ احباب سب کے سب دل رنجیدہ ہوکر واپس لوٹ آئے۔

آپ حضرات پوری فکر کریں شیخ کا انتباہ | (۲) حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اس بات کی اطلاع بھی دی کہ مولنٰا عبدالعزیز صاحب نے پھر تابوت کے سلسلہ کو شروع کردیا ہے آپ حضرات پوری فکر کریں"

حضرت شیخ کی ایماء پر نعمانی صاحب مہتمم صاحب کے تعاقب کی تیاری میں | (۳) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے تحریر فرمایا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ شورفع کے مذہب میں حاصل کیا ہے اور ہندوستان کے اخبار میں شائع بھی ہوگیا ہے اور دونوں حکومتوں سے احتجاجی قدم اٹھایا ہے۔ مولانا علی میاں صاحب نے تو مجھے کچھ حالات ہی بیان کئے لیکن مظاہر علوم سہارن پور آنا ہوا اور حالات کی تحقیق کی تو مجھے

بڑا صدمہ ہوا۔ اور دارالعلوم دیوبند جاکر قاری محمد طیب سے بھی گفتگو ہوئی کہ آپ حضرات نے یہ اچھا نہیں کیا جو قدم اٹھایا ہے۔ اب یہ ہے کہ مجھے اپنے کاغذات کی نقل اور تحقیقی معلومات کرائی جائے اور فتوے جات کی کاپی بھیجی جائے تاکہ میں بھی کچھ سدباب کرسکوں صاحبزادہ عبدالوحید صاحب نے فرمایا کہ میں نے کاغذات بھیجدیئے ہیں اب تک جواب نہیں آیا۔

رائپوری حلقہ کا ایک مخبر

(۴) اور یہ بھی صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی فتح محمد صاحب (یہ مولوی نہیں ہیں۔ راقم الحروف) دہلوی کا خط آیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ رائپور کے علاقہ میں حضرت مولانا کے سفر ہوئے اور علاقہ کے لوگوں سے دستخط کرواتے پھرتے ہیں کہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے تابوت کو واپس کرانے میں ہندوستانی سب خواہشمند ہیں۔

حضرت شیخ اور حرمین شریفین کے مشاغل

(۵) صاحبزادہ عبدالوحید صاحب نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مکہ معظمہ سے ایک والانامہ کا تذکرہ کیا کہ شیخ الحدیث صاحب نے لکھا ہے کہ بعض فتاوی کی نقلیں بھجوادیں تاکہ عرب کے علماء سے فتواجات لئے جائیں کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا نبش جائز نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب عرب میں اپنے اثرات سے فتویٰ حاصل کررہے ہیں۔ انتہیٰ فقط۔

(دوسرا مکتوب)

یہ مکتوب ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب کا ہے جو بعد واپسی از حرمین شریفین جانشین حضرت کو لکھا گیا حضرت شیخ الحدیث صاحب کی حرمین شریفین کی ایک مجلس کا حال لکھتے ہیں جس میں یہ خود بھی شریک تھے

مولوی عبدالوحید صاحب کا مکتوب حضرت شیخ کے نام

مولوی عبدالوحید صاحب کا خط حضرت شیخ الحدیث صاحب ادام اللہ فیوضہم کی مجلس میں سنایا گیا کہ حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ ہندوستان سے ۵ فروری ۱۹۷۰ء کو واپس سرگودھا پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہوگئے ہیں۔

مہتمم صاحب کے بیان کا دفاع نعمانی صاحب پر ہے مفتی زین العابدین صاحب کو حضرت شیخ کا جواب

جناب مفتی زین العابدین صاحب نے جو اس مجلس میں حاضر تھے عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت قاری صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک بیان حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ کے حق میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تابوت جسد مبارک کے متعلق دیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ ہاں دیا ہے مگر ان کو سمجھانے کی ذمہ داری جناب مولانا منظور صاحب نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

ادارہ تحقیقات سے فیصلہ کرالیا جائیگا

اسی طرح "بیباک" اخبار نے وعدہ کیا تھا کہ میں اس معاملہ کو سلجھا لونگا یعنی ادارہ تحقیقات لکھنو والوں سے فیصلہ کرالوں گا۔

مطلوبہ کاغذات حجازِ مقدس ارسال

نیز تحقیقی طور پر معلوم ہوا کہ مولوی عبدالوحید صاحب نے مطلوبہ تحریرات و فتاوی جات بذریعہ حاجی محمد ابراہیم صاحب لائلپور حسب الارشاد شیخ الحدیث صاحب آنجناب کو حجاز روانہ کئے گئے انتہیٰ۔

(نوٹ) دونوں مکتوب نگار حضرات کے اسمائے گرامی ظاہر نہیں کئے گئے

گئے ہیں۔ ہاں البتہ ان خطوط کی نقلیں عرصہ ہوا حضرت شیخ الحدیث صاحب کو سہارنپور ارسال کر دی گئیں تھیں۔ مگر وصولیابی کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔

حکیم الاسلام حضرت مولٰنا مولوی قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا بیان جو حضرت اقدس رائپوری کے صحیح واقعات و علمی حقائق پر مبنی تھا۔ اور بالکل واضح تھا جس کی حرف بحرف تائید حضرت شیخ الحدیث صاحب ہی کی تحریر سے بھی ہوگئی ہے حضرت شیخ کو "تدفین" کے باب میں بے شک اختلاف ہے لیکن واقعات میں اتفاق ہے۔ حضرت مہتمم صاحب کا بیان "کشف الحقیقہ" کے شروع ہی میں ہے وہاں دیکھیں)

حضرت شیخ الحدیث صاحب اس بیان سے اس قدر مضطرب و بے چین کیوں ہوئے؟ جہاں تک تقاضہ شرعی کا تعلق تھا وہ آپ تحریری طور پر کئے مرتبہ اپنی رائے کا اظہار فرما چکے کہ "جو ہونا تھا سو ہو چکا اب نبش جائز نہیں" حضرت مہتمم صاحب نے غیرت طریقہ پر فتاوی کی روشنی میں اس صورت پر عدم تدفین "کا حکم ظاہر فرمایا ہے۔ ہر مفتی و عالم کو اصول کے دائرہ میں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ مسائل شرعیہ کے معاملہ میں مولانا منظور صاحب کو سمجھانے یا دارالعلوم جاکر یہ کہنے کا "آپ حضرات نے یہ اچھا نہیں کیا جو قدم اٹھایا ہے" کیا حق پہنچتا ہے؟

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ایما پر یہ اقدام کرنا اور دباؤ ڈالکر رائے بدلنے کی کوشش کرنا کیا شرعاً و دیانتاً اس کی گنجائش ہے؟ اور کیا ایسے اقدامات کے لئے ایما کرنا یا اس کی ہمت افزائی کرنا حضرت شیخ الحدیث صاحب جیسی شخصیت کے شایان شان ہے؟ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ نعمانی صاحب نے اپنے مضامین میں صراحۃً "بعد وصال رائپور منتقل کرنے وغیرہ جیسے امور" کی تردید کی جس کو آپ بیتی میں خود شیخ الحدیث صاحب نے تحریر فرمایا ہے مگر اس کے باوجود سب گوارا کر لیا گیا۔ بلکہ پاکستان قاضی عبدالقادر صاحب وغیرہ اصحاب کو حکم دیا گیا کہ نعمانی صاحب کے مضمون کی

فوٹو اسٹیٹ کاپی کرا کر مولانا بنوری کو بھیج دیں۔

مفتی زین العابدین صاحب کا فتوی جسے مولوی عبدالجلیل صاحب یا مولوی عبدالوحید صاحب ہندوستان سے کر آئے تھے اپنی تصدیقات کے بعد دارالافتاء مظاہر العلوم کا مفتی (جن کا ہم نام لینا نہیں چاہتے) دارالعلوم تصدیقات کے لئے حضرت شیخ الحدیث صاحب ہی نے بھیجا تھا۔ اسی طرح دوسرے دارالافتاؤں میں بھی اپنے مخصوص آدمی بھیجے گئے۔

ایک طرف اخبار الجمعیۃ میں مہتمم صاحب کے بیان کے شائع ہونے پر اپنے مخصوص انداز میں زبانی و تحریری طور سے ذمہ داروں پر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا لیکن دوسری طرف اس کے رد میں مضامین کی اشاعت کی اہمیت بیان کی جا رہی ہے مولوی عزیز الرحمن صاحب بجنوری کے خط کے جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب گرامی بدست خود حضرت شیخ الحدیث صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

مکرم محترم مدت فیوضکم

بعد سلام مسنون! گرامی نامہ موجب منت ہوا۔ الجمعیۃ کے مضمون کی وجہ سے آپ کے گرامی نامہ کے شائع ہونے کی تو یقیناً ضرورت ہے۔ لیکن اس ناکارہ کے خط کے چھاپنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ ناکارہ اخباری دنگل میں کودنے سے ہمیشہ محترز رہا ہے۔ اس لئے اس ناکارہ کا آپ عریضہ چھاپیں تو نام کی جگہ نقطے لگادیں اور آپ کے نزدیک نام چھاپنا ضروری ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (آئندہ عبارت بغور ملاحظہ فرمائیں "راقم الحروف") جس اخبار میں یہ طبع ہو اس کی ایک کاپی پتہ ذیل پر بھی ارسال فرمادیں۔ مولوی عبدالجلیل معرفت ڈاکٹر عبدالحمید۔ مقام جھاوریاں ضلع سرگودھا۔

زکریا ۔ مظاہر علوم
۲۳ ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ
دلی کامل ص ۳۰۵

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ان اطاعت شعار و فرماں بردار ارباب قلم کی حمایت و تعاون" ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس اعلان کے باوجود کہ" میں اخباری دنگل میں کودنا نہیں چاہتا" ماہنامہ الفرقان لکھنو۔ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ میں آپکا مکتوب گرامی جو حضرت مہتمم صاحب ۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولینا یوسف صاحب بنوری کے جواب میں شائع ہوا ہے ۔ جسکی افتتاحی و تمہیدی عبارت یہ ہے ؛۔

مجھ پر قریبًا ۸ - ۹ مہینے سے تحریرًا و تقریرًا اس پر شدید اصرار ہوتا رہا کہ میں "تابوت" کے سلسلہ میں دوبارہ اپنی رائے کا اظہار کروں، مگر ہر مرتبہ میں نے تقریرًا اور تحریرًا یہی جواب دیا کہ میں تو قریبًا دس برس پہلے اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں، اس لئے اب اس اکھاڑے میں کودنا نہیں چاہتا، مگر احباب کا اصرار ہے کہ بعض اکابر (حضرت مہتمم و حضرت بنوری صاحبان" راقم الحروف") نے چونکہ اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہے اس لئے حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ سے خصوصی تعلق رکھنے والوں بالخصوص ان کو جن کی آنکھوں کے سامنے حضرت قدس سرہ کا تعلق تیرے ساتھ سالہا سال گزرا تیری رائے موجودہ احوال میں معلوم کرنیکی ضرورت ہے ۔ بالخصوص محض اکابر کے رجوع کر لینے کی وجہ سے ۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر میرا رجوع ہو جاتا تو میں بھی اطلاع کر دیتا، مجھے تو موجودہ حالات میں اپنی سابقہ رائے کا نہ صرف بقا بلکہ مزید تاکّد پیدا ہو گیا ۔ انتہیٰ"

ان تمام اقتباسات و شواہد کی روشنی میں کیا ہم یہ دریافت کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں کہ ۹ ایک طرف تو اس سلسلہ کی گفتگو کو "لغویات" قرار دیکر یہ بھی فرمایا کہ

"تم لکھوا لو۔ لکھدوں کہ اب میں اس مسئلہ میں نہیں پڑتا"

لیکن پھر انھیں مساعی نامرضیہ میں حرمین شریفین میں بھی نہ صرف ہمہ تن مصروف ہی ہیں بلکہ قائد و رہنما کی طرح پیش پیش ہیں ۔ فیا للعجب ویا ویلتاہ ۔

ے خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے ؟
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے ؟

مزید تاکّد جواب آں غزل کے طور پر

حضرت مہتمم صاحب کے بیان پر نعمانی صاحب نے حسب وعدہ اپنی ذمہ داری پوری فرمائی اور جو فتاوے ان کے اپنے حق میں تھے وہ بھی ارسال کئے گئے ۔ چنانچہ حضرت مہتمم صاحب نے اس پر غور و فکر کا وعدہ فرمایا ۔ جس کی بنیاد پر نعمانی صاحب نے پہلے بیان کو کالعدم قرار دیا ۔ غور و فکر کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے ایک بیان مختصر سا اور دیا ۔ حضرت مہتمم صاحب فرماتے ہیں :۔

دونوں جانب کے فتاوی اور متعلقہ تحریرات پر غور و فکر مزید کے بعد بھی احقر کی اس رائے پر کوئی اثر نہیں پڑا جو سابقہ بیان مورخہ ۶ جنوری ۱۹۷۱ء میں ظاہر کی جا چکی ہے بلکہ اس میں مزید تاکّد پیدا ہو گیا ہے ۔ اس لئے احقر اپنے اسی سابقہ بیان پر قائم ہے ۔ انتہی

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے بھی بے محل اپنے مکتوب میں جواب آں غزل کے طور پر" مزید تاکّد" کا اضافہ فرمایا ۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خاکِ رائپور سے وابستگی

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ۔ آپ کے خلفاء وتلامذہ ۔ متوسلین و معتقدین کی اچھی خاصی تعداد ہندوپاک میں موجود ہے ۔ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب "نورہم قدہم" سے روحانی ونسبی تعلق کے باعث حضرت علی و حضرت اقدس رائپوری قدس سرہم" کی خصوصی توجہات وکرم فرمائیاں حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ رہی ہیں ۔ بلکہ حضرت محدث سہارنپوری مولانا خلیل احمد "نور اللہ مرقدہٗ" نے اپنے آخری سفرِ حج میں حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ کے ارشاد گرامی کے باعث حضرت شیخ الحدیث کو اجازت بیعت مرحمت فرمائی اور آیندہ کے لئے حضرت رائپوری سے تربیت ونگرانی کا وعدہ لیکر خاک رائپور سے وابستہ کردیا۔ حضرت اقدس نے اپنے وعدہ کو کیسا نبھایا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب سے زیادہ کون جان سکتا ہے ۔ بلکہ اگر اس کی مختصر تعبیر یوں کی جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ظاہری و باطنی طور پر جو مقام پایا ہے ۔ خاک رائےپور ہی کا رہین منت ہے اس لئے حضرت شیخ الحدیث صاحب کا رائپور سے نیازمندانہ تعلق وعقیدت ہونا قدرتی بات ہے ۔ اس عقیدت وتعلق کے سلسلے میں علی میاں صاحب نے سوانح قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہٗ میں حضرت اقدسؒ کی نوازشات اور مابین تعلقات کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے ، ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

> "حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے وصال کے بعد پوری عقیدت صرف دو حضرات (حضرت مدنیؒ و حضرت رائپوریؒ) کی ذات اقدسؒ کی طرف سمٹ گئی تھی ۔ اور حضرت مدنی کے بعد وہ سب عقیدت حضرت رائپوری کی طرف سمٹ کر آگئی تھی جو بھی آپ کے پاس آتا اس کو آپ

رائےپور کا مشورہ دیتے تھے اور خود بھی پابندی سے حاضر ہوتے تھے آخر زمانہ میں تو ہر جمعہ کی شام کو رائےپور جاتے اور پیر کے دن واپس ہوتے تھے۔ (سوانح)

حضرت اقدسؒ نے بھی ظاہری و باطنی افادت کے ذریعہ تربیت و نگرانی فرمائی اور آپ کے روشن مستقبل کو مزید ... تابناک بنادیا رائےپور سے تعلق رکھنے والے حضرات پر حضرت اقدس کی شفقتا کرم فرمائیاں ونوازشات مخفی نہیں ہیں کیا ان تعلقات وحقائق ہی کا تقاضا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب حضرتؒ کو تدفین شرعی سے محروم رکھنے پر اور حضرت کی وصیت وتمنا کے خون کرنے پر مضطرب وبےچین ہی رہتے اور جب تک مقصد حاصل نہ ہوتا آرام سے نہ بیٹھتے لیکن افسوس اور ہائے افسوس کہ نہ معلوم کیوں اور کیسے یہ انقلاب آیا کہ وہ ہی شخصیت جو کل تک عزیزان گرامی مولوی عبدالجلیل و مولوی عبدالوحید صاحبان کو ان کے کئے پر ہدف ملامت بناتی تھی وہ آج نہ صرف یہ کہ ہمنوا اور ترجمان ہے بلکہ اصل الاصول کے درجے میں فریق بنکر ہندوپاکستان کے اپنے حلقہائے اثر میں اس معاملہ کو ایک ہمہ گیر تحریک کی شکل دیدیتی ہے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی ہی ہمت افزائی کے نتیجہ میں ہندوستان سے نعش مبارک کی واپسی کے مطالبہ پر پاکستان کے بعض افراد نے تدفین شرعی سے محروم کرنے میں آئینی سیاسی مذہبی مشکلات پیدا کیں اور ایک باقاعدہ منصوبہ کے تحت تقسیم کار کی بنیاد رکھی گئی ایک عملہ فتویٰ سازی کرے ، ایک عملہ بیان بازی ومضمون نویسی کی خدمات انجام دے ایک عملہ پاکستانی متعلقہ حکام کو عمل درآمد سے روکے چنانچہ ہر عملہ نے اپنی کارکردگی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور کوئی کسر رہ بھی کیسے سکتی تھی جب کسان کو پروپیگنڈہ کی جملہ سہولتیں حاصل ہوں انتہا یہ کہ علماء کرام ومفتیان عظام تک کی آراء کو متاثر

کیا گیا اور حقائق و واقعات کے برعکس غلط بیانی سے کام لے کر حضرتؒ کی ہندوستانی شہریت تک کو عارضی قرار دیا گیا اور آپ کو اصل پاکستانی باشندہ قرار دینے میں افترا و کذب بیانی سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔

۱۹۶۲ء کے پاکستانی اخبارات فتاویٰ سازیوں۔ انفرادی و اجتماعی بیان بازیوں، اور قرار دادوں سے بھرے ہوئے ہیں ـــــ کہاں تک ان کو نقل کیا جائے ہم اس سلسلہ میں سہارن پور ہی کے ہفت روزہ "بیباک" کا اداریہ نقل کرتے ہیں۔ جو ۱۳ مئی ۱۹۶۳ء کے ہفت روزہ اخبار "پاکستانی" لاہور میں بھی اشاعت پذیر ہو چکا ہے جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت اقدسؒ کو تدفین شرعی سے محروم رکھنے اور آپ کی تمنا و وصیت کو باطل و بے اثر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور مقصد برآری کے لئے ملک کے مختلف علاقوں کے دورے کئے گئے اور علماء کرام و مفتیانِ عظام سے جس طرح بھی ہو سکا انھیں دھوکہ دیکر خلاف واقعہ فتاویٰ حاصل کئے سابقہ فتوؤں سے رجوع کرایا گیا جس سے عوام کی نظروں میں منصب افتا کی روح اور اسکی عظمت مجروح ہو گئی۔

الاعتدال ..... کے مصنف کی تلقین

حضرت شیخ الحدیث صاحب اسی مکتوب کے آخر میں حضرت شیخ الہند حضرت حکیم الامۃ حضرت حضرت شیخ الاسلام (نور اللہ مرقدھم) کے سیاسی اختلافات کا ذکر فرماتے ہوئے ان حالات میں رسالہ "الاعتدال فی مراتب الرجال" کی تالیف کا بھی ذکر فرمایا ہے اور حضرت اقدسؒ کے قضیہ کے سلسلے میں بھی تلقین فرماتے ہیں:-

"بندہ کے خیال میں اس موقع پر احباب کو یہ رسالہ اہتمام سے اپنے مجامع میں سنانا چاہیئے۔ انتہی۔

رسالہ کی افادیت و ضرورت سے اتفاق کرتے ہوئے اتنا ضرور عرض کرینگے کہ

مؤلف الاعتدال کو خود بھی اس کا مطالعہ فرمانا چاہئے۔ اس کے بعد اداریہ بجنسہٖ ہدیہ ناظرین ہے۔

حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کی تدفین

اور

اربابِ طریقت و ارادت

قطبِ طریقت حضرت مولانا عبدالقادر شاہ نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد انکے ہندوستانی خدّام اپنے سینوں پر صبر و ضبط کا پتھر رکھ کر بیٹھ گئے تھے اور نسبی وراثت کے بل بوتے پر شریعت اسلامیہ اور خود حضرت اقدسؒ کی روحانی تمناؤں کے ساتھ جو سفاکانہ سلوک ممدوح کے وارثوں کے ہاتھوں عمل میں آچکا تھا وہ انتہائی مجبوری اور بے بسی کے عالم میں عدالت خداوندی کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن کئی ماہ بعد مشیت ایزدی کا ایک عجیب و غریب شکل میں ظہور ہوا۔ اور حکومت ہند نے بین الاقوامی قوانین کے مطابق حضرتؒ کی روحانی عظمت کے اعتراف کے تحت حکومت پاکستان سے انتہائی مخلصانہ الفاظ میں مطالبہ کیا کہ جن حالات میں حضرت کے انتقال کا سانحہ پیش آیا ہے اور ان کی نعش مبارک کو جس طرح "محفوظ" کیا گیا ہے وہ ان لاکھوں ہندوستانی خدّام و متوسلین کے لئے کرب و اندوہ کا باعث ہے اس لئے حکومت ہند حکومت پاکستان سے نہایت ادب سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہندوستان کی یہ امانت مقدس جو "مدفون" نہیں ہے بلکہ ایک تابوت میں محفوظ ہے، واپس کر دی جائے۔ حکومت ہند کا یہ مطالبہ یا درخواست حضرت اقدس کی روحانی عظمت کا کتنا بڑا اعتراف ہے اور اس وقت ممدوح کے منتسبین کی متانت و سنجیدگی کی کتنی ضرورت تھی ـــــ؟ یہ کوئی ہندوستان و پاکستان کا متنازعہ مسئلہ نہ تھا اور نہ اسے کسی

ایسے سوال سے تعلق تھا جس کے لئے پریس اور پلیٹ فارم کی بحثیں ضروری ہوتی ہیں اور فریقین اپنے اپنے قومی اور سیاسی مفادات کے حق میں دلیلوں کے انبار لگاتے ہیں۔ یہ سوال محض اخلاقی قدروں سے تعلق رکھتا تھا اور اگرچہ حکومت ہند اس سوال کو بین الاقوامی قوانین کے تحت اپنے آئینی حق کے طور پر بھی پیش کر سکتی تھی لیکن اس کی طرف سے جس انداز اور اسلوب بیان کے ساتھ اپنے اس حق کا اظہار کیا گیا وہ اخلاقی اور انسانی قدروں کا رہین منت تھا۔ اس لئے اس پر پاکستان کی سرکاری سطح پر اسی اسپرٹ میں غور ہونا چاہیئے تھا اور جہانتک اس مسئلہ میں شرعی اور اسلامی رہنمائی کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری بھی حکومت پاکستان پر ہی عائد ہوتی تھی اور وہی دوسری تحقیقات و تفتیش کے ساتھ غیر جانبدار علماء اسلام سے استصواب کر کے حکومت ہند کو کوئی فیصلہ کن جواب دے سکتی تھی اس صورت میں حضرت اقدس کی نعش مبارک کے تابوت کی منتقلی و عدم منتقلی کی ذمہ داری صرف سرکاری سطح تک محدود رہتی اور اس طرح بغیر انتشار و ہیجان کے مسئلہ کا دائمی اور فیصلہ کن حل نکل آتا۔ لیکن ہوا کیا ــــ؟

وہ حکومت پاکستان تو ہنوز خاموش ہے جس سے درخواست کے رنگ میں حکومت ہند نے تابوت مبارک کی ہندوستان منتقلی کا مطالبہ کیا تھا مگر "یاران طریقت" بغیر کچھ پوچھے ہی خانقاہوں سے باہر نکل آئے اور ہر طرف سے بیانوں تقریروں اور فتووں کی بوچھار ہونے لگی کہ خدا کی پناہ۔ پاکستانی اخبارات کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کیسے کیسے سوالات کی ترتیب کے ساتھ کس کس رنگ کے فتویٰ شائع ہو رہے ہیں اور اس غریب شریعت اسلامیہ کے احکام کو حسب خواہش کس آزادی سے مذہب بیزار طبقوں کے سامنے رسوا کیا جا رہا ہے اس سلسلہ میں لاہور کے "پاکستانی" ہفت روزہ ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۸۲ھ / ۱۰ مئی ۶۳ء کے ایڈیٹوریل بعنوان "فتوے ہی فتوے" کے ذیل کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:-

"حضرت مولانا عبدالقادر شاہ رائپوری کے تابوت کو رائپور بھارت لیجانے میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے حضرت کے ایک خودغرض رشتہ دار اور لائل پور کے "ہمچو ما دیگرے نیست" قسم کے مولوی صاحب نے ہند و پاک کے چیدہ علماء اور واجب الاحترام مفتیان کرام کو غلط سلط سوالات بھیج کر فتوی حاصل کئے ہیں اور اب ان کی پمفلٹ کی صورت میں وسیع پیمانے پر تشہیر کر رہے ہیں جس سے حکومت پاکستان کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ وہ انڈیا گورنمنٹ کا مطالبہ رد کر دے اور حضرت کا تابوت رائپور نہ بھیجے۔"

اور اس کے جواب میں معاصر "وفاق" نے حضرت رائپوری کے بارہ خلفاء کا ایک بیان شائع کیا ہے جس میں خدا کے ان نیک بندوں نے خود کو حضرت کا خلیفہ ظاہر کرتے ہوئے جہاں اور بہت سی المناک باتیں بیان فرمائی ہیں وہاں حضرت کی وطنیت پر بھی روشنی ڈالی ہے ارشاد ہوا ہے کہ:-

حضرت اقدس ڈھڈیاں ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے اور محض "ضرورۃً" ہندوستانی نیشنلٹی لی تھی گویا یہ آفتاب ہدایت جہاں سے طلوع ہوا تھا وہیں غروب ہو گیا ــــ"

ان نیک نہاد "خلفاء عظام" نے اور تو جو کچھ بھی ارشاد کیا لیکن اس "حق

گوئی" کی داد نہیں دی جاسکتی کہ حضرتؒ نے محض ضرورۃً ہندوستانی نیشنلٹی لی تھی
گویا ان کے جذبات واحساسات اور قلب وروح کے حقیقی روابط صرف ڈھڈیاں
ضلع سرگودھا سے وابستہ تھے اور ان کی ساری عمر اسی موضع میں گذری اور بالآخر
اپنی روح کے تقاضوں کے مطابق انھوں نے اپنی اسی محبوب سرزمین میں ابدی آرام
حاصل کرلی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ جہاں حضرتؒ کو ہند و پاک کے ہر حلقہ میں
آج سے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے۔ حضرت رائپوری" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے،
وہاں خود ان بارہ۱۲ خلفاء کے بیان میں بھی متعدد مقامات پر حضرتؒ کا ذکر "حضرت
رائپوری" ہی کے الفاظ میں کیا گیا ہے اور فرمایا یہ جاتا ہے کہ "حضرتؒ کا ہندوستانی وطنیت
سے کیا تعلق ——— وہ تو محض ضرورۃً ہندوستانی بن گئے تھے۔

حضرت کا انتقال کم و بیش نوے سال کی عمر میں ہوا ہے۔ انھوں نے علوم اسلامی
سے فراغت کے بعد ایک طویل مدت اپنے شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب
رائپوریؒ کی خدمت میں گذار دی اور ۱۹۱۹ء میں جب ان کے شیخ نے اس دار فانی
سے کوچ کیا تو اس کے بعد سے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رائے پور ہی کے لئے وقف
رہا۔ یعنی اپنے شیخ کی جدائی کے بعد سے پورے ۴۲ سال اسی رائپور میں گذار دیے جس کی
نسبت سے یہ بارہ خلفاء بھی انھیں غیر ارادی طور پر "حضرت رائپوری" کہنے پر مجبور ہیں
لیکن ان ساری حقیقتوں کے باوجود یہ 'ارباب طریقت' فرماتے ہیں کہ وہ تو "محض ضرورۃً
ہندوستانی تھے" کیا ان ظالم 'ارباب طریقت' کو یہ کہتے ہوئے اتنا بھی احساس نہ رہا
کہ ان کا منصب خلافت کس کی جانب منسوب ہو رہا ہے اور ان کے دعوے کس فیضان
روحانی سے متعلق ہیں ان "بارہ خلفاء" کے پورے بیان کو اٹھا کر دیکھا جاسکتا ہے ان
بزرگوں نے کہیں یہ نہیں بتایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو انتہائی ضعف و مجبوری کے عالم
میں کس کس تدبیر سے لاہور لایا گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے جسد مبارک کے

ساتھ کیا کیا سلوک ہوئے؟ جنازہ کو لاہور سے ڈھڈیاں تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر لیجاکر
شریعت اسلامیہ کے احکام کی کیسے تکمیل کی گئی۔ اور پھر زمین پر تابوت رکھ کر اور اس پر
پختہ اینٹوں کو چن کر "قبہ" کس کاری گری سے بنائی گئی ——— ؟؟ ان "بارہ خلفاء عظام"
کے بیان کے ابتدائی الفاظ اور ملاحظہ فرمالیجئے:۔

'اخبارات میں آجکل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ "کچھ لوگوں" نے حکومت پاکستان
سے یہ درخواست کی ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نعش مبارک کو
پاکستان سے ہندوستان منتقل کر دیا جائے اور درخواست میں تین وجوہ لکھی ہیں:۔

(۱) حضرت اقدسؒ ہندوستان کے رہنے والے تھے

(۲) حضرت اقدسؒ کی وصیت کہ مجھے رائپور دفن کیا جائے۔

(۳) یہ چاہتے ہیں کہ نعش مبارک کو ہندوستان منتقل کر دیا جائے۔ ہم حضرت
رحمۃ اللہ علیہ کے منتسبین و متوسلین "علی وجہ البصیرت" کہتے ہیں کہ یہ سہ باتیں خلاف
واقعہ ہیں۔ یہ" بارہ بزرگوں کی "علی وجہ البصیرت" شہادت ہے اسی "علی وجہ
البصیرت" شہادت میں حضرتؒ کی ہندوستانی شہریت کی بھی تردید فرمادی گئی ہے
رہے وہ فتوے جو اس سلسلہ میں ہندوستان اور پاکستان کے حضرات علماء اور
مفتیان کرام سے حاصل کئے گئے ہیں وہ شرعی احکام کے بطور یقیناً احترام و تسلیم
کے مستحق ہیں اور ہم سر مو بھی ان سے انحراف کی جرأت نہیں کرسکتے لیکن جن
سوالات پر ان فتووں کی بنیادیں قائم ہیں وہ ایسے ہی بزرگوں کے مرتب کردہ
ہیں جنکا تعارف سطور بالا میں ہو رہا ہے اور جنکی صداقت و ثقاہت حضرت کی
ہندوستانی شہریت کی منکر ہے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کا تقاضا تھا کہ حکومت ہند کے مطالبہ پر

حکومت پاکستان خود منتخب اور غیر جانبدار علماء کے سامنے پوری صورت حال رکھتی اور وہ اول سے آخر تک ایک ایک بات کی واقعات کی روشنی میں تحقیق کرتی۔ بعد ازاں جو شرعی فیصلہ ہوتا اس سے سرکاری طور پر حکومت ہند کو مطلع کر دیا جاتا، اس طرح نہ تو سوالات کی صناعیوں کی پیدا کردہ بے اطمینانی پھیلتی اور نہ بغیر طلب و تقاضے کے فتووں سے فتووں کی عظمت پر مشکوک نظریں پڑتیں۔ اس مسئلہ میں ہم ہندوستانی عرض کریں گے کہ حکومت ہند نے صرف مسلمانان ہند ہی کے جذبات و احساسات کے احترام میں حکومت پاکستان سے تابوت مبارک کی منتقلی کا مطالبہ کیا تھا اور جس حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا وہ کوئی غیر مسلم حکومت نہ تھی وہ یقیناً احکام شرعی کے مطابق ہی اس مطالبہ کا کوئی جواب دیتی۔ اور اس کے بعد ذمہ داری صرف حکومت پاکستان تک ہی محدود رہتی لیکن اب فتووں اور بیانات کی بوچھار کے بعد جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس میں حکومت ہند بھی یہ سوچ سکتی ہے کہ (توجہ فرمائیے) یہ ہندوستانی مسلمان بھی عجیب و غریب مخلوق ہیں۔ انھیں کے اسلامی احساسات کے پیش نظر تو اس نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا تھا اور وہی ہندوستان میں بیٹھے ہوئے اس شریفانہ اقدام کے خلاف صف آرا ہیں،، اگر ہمارے ارباب فتوی غور فرمائیں تو انھیں یقیناً یہ محسوس ہوگا کہ اس طریق کار سے حکومت کے ذہن میں مسلمانوں کی طرف سے کچھ اچھے اثرات مرتب نہیں ہو سکتے اور یہ مایوسی آئندہ اسے زیادہ محتاط کر سکتی ہے

ہفت روزہ بیباک۔ سہارنپور ۲۱ مئی ۱۹۶۳ء۔

ڈھڈیان کے ایک مظلوم کی عبرت انگیز صدا

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے اس قیامت آفرین ہنگامہ کا جو اس غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی فعل کو علی حالہ قائم رکھنے کے لئے برپا کیا گیا ہے۔

اور یہ کرم بالائے کرم غیروں کے ہاتھوں نہیں بلکہ اپنے ہی عزیزان کرام۔ خلفاء عظام۔ ارباب محافظین اسلام ہی کا رہین منت ہے جنکی پشتیت پناہی و ہمت افزائی حضرت اقدس سے سالہا سال کے خصوصی تعلقات کی معترف شخصیت کی جانب سے کی جا رہی ہے۔

در اصل یہ اسی ممنون کرم کی ایک صدا ہے کہ جس میں اپنے ان نام نہاد کرم فرماؤں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ارباب دل کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے؟

ے من از بیگان گاں ہرگز نہ نالم
آنچہ با من کرد آں آشنا کرد

خوش اخلاقی ونرم کلامی کی اسلام میں اہمیّت

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقیات وعام ملاقات میں اسلامی تعلیمات وہدایات اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اقتباسات ونمونے پیش کئے جائیں۔ تاکہ یہ حقیقت واضح ہو کہ اسلامی دستور میں بڑی سے بڑی شخصیت اسلامی اصول وضوابط کی اسی طرح پابند ہے جس طرح ایک عامی مسلمان، اسلام دوسرے مذاہب کی طرح اپنے مقتداؤں کو اصول وضوابط سے آزاد ومستثنی قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام میں برتری وعظمت کا معیار یہی دستور کا اتباع وسراپا اطاعت کو قرار دیا گیا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (الحجرات)

ملاقات کے آداب

وعن جابرؓ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہُ علیہ وسلم کل معروف صدقۃ وان من المعروف ان تلقی اخاک بوجہ طلق ۔ (مشکوٰۃ)

ارشاد گرامی ہے:۔ ہر بھلائی صدقہ ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی بھلائی کی بات ہے۔ (مشکوٰۃ)

عن ابی ذر۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبسمك فی وجہ اخیك لك صدقۃ ۔ (ترمذی)

ارشاد گرامی ہے۔ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے خندہ پیشانی سے پیش آنا تیرے لئے صدقہ ہے۔ (ترمذی)

عن جابر ابن سلیمؓ قلت اعہد الی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تحقرن من المعروف۔ وان تکلم اخاک وانت منبسط الیہ وجہك ان ذلك من المعروف۔ (ابوداؤد)

یہ ایک طویل حدیث کا اقتباس ہے۔ حضرت جابر ابن سلیمؓ نے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیے منجملہ نصائح میں سے ارشاد گرامی ہے۔ بھلائی کو کم درجہ کا نہ سمجھنا۔ اور گفتگو کر تو اپنے بھائی سے اس حال میں کر تو اس کی طرف مسکراتا ہوا ہو یہ نیکی وبھلائی کی بات ہے۔ (ابوداؤد)

ان روایات میں لفظ ا خ (بھائی) سے مسلمان مراد ہے۔ لفظ مسلم کے بجائے لفظ اخ سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جانبین میں وحشت و اجنبیت کو دور کر کے موانست و قرب پیدا کرنا ہے ظاہر ہے کہ اسکی ضرورت اجنبی وناواقف شخص کی ملاقات میں زیادہ ہے۔ کیونکہ متعارف یا خواص کے ساتھ تو بد خلق وتنگ ظرف بھی اچھا معاملہ کرتا ہے۔ اجنبی یا کم درجہ کے لوگوں کے ساتھ ہی انسان کے اخلاق کا جوہر کھلتا ہے یہی اصل معیار ہے۔ جہاں یہ ہدایات وتعلیمات ہیں خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ بھی یہی تھا۔

عن جریرؓ قال ما حجبنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم منذ اسلمت ولا رانی الا تبسم ۔ "متفق علیہ" (مشکوٰۃ)

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں۔ کہ جب سے میں اسلام لایا میری حاضری پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا خندہ پیشانی سے ہی پیش آئے۔ (مشکوٰۃ)

ان روایات میں امت کے تمام ہی افراد کے لئے دعوت عمل ہے کہ عام مسلمانوں سے ملاقات کے وقت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں، مریدین و مسترشدین اور عام مسلمانوں کے معاملات میں بڑا فرق ہے لیکن ہر ملنے والے کو اپنا معتقد و مرید تصور کر لینا کسی مقتدیٰ کے حق میں بھی اچھی علامت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اپنے بارے میں احساس برتری و تعلی کے تصور کا ثمرہ ہے جس کا انجام انتہائی خطرناک ہے۔

مندرجہ ذیل روایت میں احساس برتری کے تصور کی سنگینی محتاج بیان نہیں

وعن سلمة بن الاکوع قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الرجل یذهب بنفسه حتی یکتب فی الجبارین فیصیبه ما اصابهم ۔ مشکوٰة

ارشاد گرامی ہے:۔ شخص اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع مقام پر خیال کرتا رہتا ہے (جسکا انجام یہ ہوتا ہے۔ یہانتک کہ متکبرین کی فہرست میں لکھدیا جاتا ہے پس وہ بھی انھیں عواقب سے دوچار ہوتا ہے جو ان کو پیش آتے ہیں۔ (مشکوٰة)

چند احادیث اخلاق حسنہ کے بارے میں مزید پیش کیجاتی ہیں۔

وعن عبد اللہ بن عمرو رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ من احبکم الیّ احسنکم اخلاقاً ۔ (مشکوٰة)

ارشاد گرامی ہے:۔ تم میں سے سب سے زیادہ محبوب مجھ کو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔ (مشکوٰة)

وعن رجل من مزینة قال قالوا یا رسول اللہ ما خیر اعطی الانسان قال الخلق الحسن ۔ مشکوٰة

آپ سے دریافت کیا گیا اے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر چیز وہ کونسی ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہے۔ آپ نے

وعن ابی هریرة رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا ۔ (مشکوٰة)

ارشاد فرمایا اچھی عادت۔ (مشکوٰة)

ارشاد گرامی ہے۔ سب سے زیادہ مکمل و اعلیٰ ایمان والا وہ شخص ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔ (مشکوٰة)

وعن جریر رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من یحرم الرفق یحرم الخیر ۔ (مشکوٰة)

ارشاد گرامی ہے۔ جو شخص نرم مزاجی سے محروم کر دیا گیا وہ ہر خیر ہی سے محروم کر دیا گیا۔ (مشکوٰة)

اسی طرح دیگر روایات میں نرمی کو دنیا و آخرت کی تمام خوبیوں سے بہتر بتلایا گیا ہے الحمد للہ ہمیشہ ہمارے اکابر و مشایخ نے سیرۃ نبوی علیٰ صاحبها الصلوٰة والسلام کا بہترین نمونہ بنکر امت کی تعلیم و تربیت فرمائی ہے۔ ممکن ہے بعض لوگ ہماری تردید میں ایسی نشاندہی کریں جو اس اصول پر پورے نہیں اترتے۔ ان کو ہمارا جواب یہی ہے کہ عموم و اکثریت کا کردار ہی فیصلہ کن ہوتا ہے۔ بے شک بعض افراد میں کوتاہیاں و کمزوریاں بھی ہوتی ہیں۔ آخر انسان پھر انسان ہے کمزوریوں کا پتلا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ بعض مرتبہ کسی شخصیت کے بارے میں بدگمانی و غلط فہمی میں بھی ہو سکتی ہے، اس لئے بعض ایسی جزئیات کی وجہ سے ہمارے دعوے پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ بظاہر یہ موضوع زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے لیکن اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جانبین کے بعض افراد نے اپنے مباحث و مجالس میں اصول اخلاقیات کو نظر انداز کر دیا۔ جو کسی حال میں مناسب نہیں۔

———※———

مولٰنا محمد منظور نعمانی صاحب مدیر الفرقان لکھنؤ

یہ مانا بخت برگشتہ مخالف چرخ پرفن تھا
مگر تو بھی تو اے بیداد گر اس دل کا دشمن تھا

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مہتمم صاحب کے سلسلہ میں نپٹنے کی ذمہ داری حضرت شیخ الحدیث صاحب کے فرمان سے نعمانی صاحب لے ہی چکے تھے۔ "فاشار من اشارتہ حکم وطاعتہ غنم"[1] کے تحت اپنی ذمہ داری کو نبھایا اور خوب نبھایا۔

نعمانی صاحب کی تلون زندگی

نعمانی صاحب کا جب تذکرہ آہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی متلون زندگی کا ایک مختصر سا جائزہ بھی پیش کر دیا جائے۔ تاکہ ناواقف لوگوں پر واضح ہو جائے کہ حضرت اقدس قدس سرہ کے معاملہ میں یہ غلط تشدد اور غلو کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ کی جبلت و سرشت میں داخل ہے۔

بجا ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ آپ صفت غلو کے ساتھ موصوف ہی نہیں بلکہ سراپا غلو ہی غلو ہیں بالفاظ دگر یوں کہئے کہ "زَیدٌ عَدْلٌ" کے قبیل سے ہیں لیکن بایں ہمہ آپ اپنے آپ کو ہمیشہ اعتدال پسند ہی خیال کرتے ہیں۔

رائپور کے ذمہ دار حضرات کی نعمانی صاحب سے ایک اہم گفتگو

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ایما پر نعمانی صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کے بیان کی تردید میں الفرقان کی دو قسطوں میں مضامین شائع کئے جس پر محترم جناب راؤ عطاء الرحمٰن خاں صاحب کہتے ہیں کہ میں نے نعمانی صاحب کو لکھنو ایک خط لکھا کہ ہمیں آپ سے گفتگو کرنی ہے آپ رائے پور تشریف لے آئیں۔

[1] بس اشارہ کیا ایک ایسے شخص نے جس کا اشارہ حکم کا درجہ رکھتا ہے اور اس کی اطاعت فرمانبرداری بسا غنیمت ہے۔

جس کے جواب میں نعمانی صاحب نے لکھا کہ "اگر میں رائپور نہ آسکوں تو میں فلاں تاریخ کو سہارنپور آرہا ہوں آپ حضرات وہاں آجائیں"۔

چنانچہ اسی تاریخ پر مندرجہ ذیل حضرات سہارنپور تشریف لے گئے۔

(۱) جناب راؤ عطاء الرحمٰن خاں صاحب

(۲) جناب راؤ علی احمد خاں صاحب۔

(۳) جناب چودھری انعام الحق خاں صاحب۔

سہارنپور میں جناب راؤ یعقوب علی خاں صاحب کے دولت کدہ پر (سہارنپور کے قیام میں حضرت اقدس رح کا یہیں قیام ہوتا تھا) سب جمع ہو گئے اور گفتگو ہوئی۔

الفرقان کے مضامین کے بارے میں استفسار اور نعمانی صاحب کا جواب

نعمانی صاحب سے کہا گیا کہ آپ نے یہ کیا لکھ دیا؟ نعمانی صاحب! مولوی عبد الوحید و مولوی عبد الجلیل صاحبان عالم ہیں، اور حضرت کے عزیز ہیں ان سے میں نے معلومات کی اور انھوں نے مفصل لکھا۔ اسی کی بنیاد پر میں نے یہ سب کچھ لکھا اور وہی شرعی وارث ہیں"۔

جناب عطاء الرحمٰن صاحب:۔ جناب میں خود لاہور موجود تھا صحیح واقعہ یہ ہے کہ میں جب لاہور پہنچا تو حضرت آنکھیں بند کئے ہوئے تھے۔ مولوی عبد الجلیل صاحب نے حضرت رح سے عرض کیا کہ عطاء الرحمٰن آئے ہیں۔ حضرت رح نے آنکھیں کھولیں اور ہنسے، فرمایا کب آئے، عرض کیا آہی رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا حضرت رح کو لینے کے لئے آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا۔ "ضرور چلیں گے"۔

اس کے بعد میں سی۔آئی۔ڈی کے دفتر آمد کا اندراج کرانے چلا گیا بعد میں وصال ہو گیا۔ مولوی عبد الجلیل صاحب نے اپنے والد حافظ خلیل صاحب اور قاضی عبد القادر صاحب (اچھا وریاں والے) سے کہا کہ ڈھڈیاں جاکر قبر تیار کر لیں۔ مولوی عبد الجلیل صاحب

کے والد حافظ خلیل صاحب نے جواب میں بڑی لجاجت سے کہا کہ عطاء الرحمٰن کو آجانے دو حضرتؒ اُن سے محبت فرماتے تھے اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ جہانکی امانت ہے وہیں جانے دو" مولوی عبدالجلیل صاحب نے نہایت سخت لب ولہجہ سے اپنے والد صاحب سے کہا خاموش رہئے جائیے جو کام آپ کے ذمہ کیا ہے وہ کیجئے۔

چودھری انعام خانصاحب:۔ میں نے عرض کیا کہ ہماری تو صرف اتنی ہی بات ہے کہ اگر تدفین شرعی ہو گئی ہے تو پھر کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے ٹھیک ہے لیکن ان لوگوں کو بھی تو مطمئن کرنا ضروری ہے جو اس تدفین شرعی سے مطمئن نہیں ہیں اور اسکا طریقہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم اور آپ اور دوسرے علماء ہندوستان سے پاکستان جائیں اور ڈھڈیاں پہنچکر جو بات مولوی عبدالوحید و مولوی عبدالجلیل صاحبان کہتے ہیں وہ بات دوسروں سے بھی دریافت کی جائے۔ کیونکہ وہاں دوسرے معمر لوگ بھی موجود ہوں گے۔

نعمانی صاحب:۔ اس پر نعمانی صاحب نے فرمایا کہ وہاں جانیکی میرے لئے دشواری ہے جس پر ہم نے کہا کہ پاسپورٹ وغیرہ کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں پھر کیا دشواری ہے؟ اس پر لاجواب ہو کر نعمانی صاحب نے فرمایا کہ "بھائی مولوی کی لڑائی تو کبھی ختم نہیں ہوتی" یہ سن کر رائپوری حضرات نے فرمایا۔

"ہمیں بڑا افسوس ہے کہ آپ کی زبان سے ایسے الفاظ نکل رہے ہیں۔ جو عام لوگوں کے الفاظ ہوتے ہیں یہ آپ کی شایان شان نہیں۔ لیکن نعمانی صاحب نے بجائے کوئی جواب دینے کے مزید یہ فرمایا کہ:۔

"میں تو تابوت کے نکالنے کا اتنا شدید مخالف ہوں
کہ اگر کوئی میرے سامنے ایسا کرے تو اس کو گولی مار دوں"

جس پر ہم نے کہا کہ یہ الفاظ تو آپ کی زبان سے اور بھی زیادہ نامناسب

ہیں۔ نیز آپ کی یہ ساری باتیں اس بات کا کوئی جواب نہیں ہیں جس کا ہم اطمینان چاہتے ہیں

مجھ سمیت دنیائے اسلام میں صرف چار عالم ہیں۔ نعمانی صاحب کا دعوے

ہم نے یہ بھی کہا کہ دونوں طرف علماء کرام ہیں اور مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اس کو یک طرفہ نہیں سمجھنا چاہئے نیز ہم نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا رجوع پیش کیا تو فرمایا کہ" اب تک میں اس مسئلہ کو مختلف فیہ نہیں سمجھتا تھا مگر مولانا موصوف کی رائے کے بعد اب میں اس مسئلہ کو مختلف فیہ سمجھتا ہوں"

اسی دوران گفتگو میں فرمایا:۔

"میں تو دنیائے اسلام میں صرف چار ہی شخصوں کو عالم سمجھتا ہوں"

(۱) ایک تو مصر میں ہیں۔
(۲) ایک پاکستان میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوّری
(۳۔۴) اور دو ہندوستان میں ایک مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور ایک میں۔

حضرات شیخ الحدیث و مہتمم صاحبان علماء کی فہرست سے خارج۔ نعمانی صاحب کا فتویٰ

اس پر ہم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے متعلق کہا کہ وہ بھی تو عالم ہیں ـــ اس پر نعمانی صاحب نے فرمایا کہ:۔ میری چند مرتبہ انسے علمی گفتگو ہوئی لیکن وہ مجھے مطمئن نہ کر سکے

اور میں ان کو عالم نہیں سمجھتا ہوں۔

اس کے بعد ہم نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بارے میں کہا کہ وہ بھی عالم ہیں ــــ اور دنیائے اسلام میں بھی ان کا ایک مقام ہے۔

اس کے جواب میں نعمانی صاحب نے فرمایا کہ "میں ان کو بھی عالم نہیں مانتا، بلکہ وہ ایک واعظ ہیں۔ سیرت کے جلسوں میں تقریریں کر کے لوگوں کو جنت کا راستہ دکھلاتے ہیں اور وہ دس آنے بھر دیوبندی ہیں"۔ انتہٰی۔

ہم نے یہ گفتگو بجنسہٖ شرکاء مجلس سے سُن کر انھیں کے الفاظ میں قلمبند کی اور نقل کر دی ہے۔ ہاں البتہ مضامین کی مناسبت سے عنوانات ہمارے قائم کردہ ہیں۔

اس پوری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ رلئے پوری وفد جو اپنی دانست میں یہ سمجھا تھا کہ شاید نعمانی صاحب صحیح حالات سے واقف نہیں ہیں اس لئے ان کو صحیح حالات سے واقف کرا دیا جائے ــــ لیکن نعمانی صاحب کے جوابات نے واضح کر دیا کہ رلئے پوری وفد نے ان کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ ان کے موقف کی یہ شدت کہ

"تابوت نکالنے والے کے گولی مار دو"!

کیا غمّازی نہیں کر رہی ہے کہ نعمانی صاحب نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے کہ . . . .

عزیزان کرام نے حضرات اقدس کے سلسلہ میں ناپسندیدہ کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور دانستہ منصوبہ کے تحت کیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ انھوں نے ان کی حمایت و دفاع کا موقف اختیار کیا ہے۔ انتہٰی یہ ہے کہ ان کی براءۃ میں یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ :۔

"ظاہر ہے کہ غلطی اگر ہوئی تو نادانستہ ہی ہوئی"۔

"ماہنامہ الفرقان محرم ۱۳۹۱ھ"

میں شیخ کی علمیت کا قائل نہیں
نعمانی صاحب کا نعرہ
انا ولا غیری[1]

اس واقعہ کے علاوہ بھی "رسالہ التحقیق النادر" کے ناشر فتح محمد صاحب نے راقم الحروف سے دوران گفتگو ذکر کیا۔ کہ مولانا منظور نعمانی فرما رہے تھے کہ "میں شیخ الحدیث صاحب کی علمیت کا قائل نہیں ہوں"۔

لیکن ہمارے تعجب کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی طرف رجوع کرنے اور فیصل بنانے والوں میں مولانا نعمانی صاحب مدیر الفرقان لکھنؤ پیش پیش ہیں، جہاں تک حضرت شیخ الحدیث صاحب کی عظمت اور آپ کی شخصیت کی بات ہے تو بے شک آپ کا یہی مقام ہے اس میں تو کسی کو کلام نہیں ہے ہمارا جو اختلاف ہے وہ اصولی ہے کہ جو شخص جب کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کر دے تو اصولاً وہ اس معاملہ میں فیصل نہیں بنایا جا سکتا۔ فیصل ہمیشہ غیر جانبدار شخص ہی ہو سکتا ہے جس کو کسی جانب بھی میلان ود ہو بھی

[1] جس کا مطلب یہ ہو کہ "میں ہی میں ہوں میرے سوا کوئی کچھ نہیں۔

نے ہو اور یہ بات بھی جب ہے کہ معاملہ فیصل کی گنجائش بھی رکھے اور یہاں اس معاملہ میں کسی شخص کو فیصل بنانے ہی پر اختلاف ہے کیونکہ مسائل شرعیہ میں فیصل دلائل ہوتے ہیں، شخصیات نہیں ہوتیں کتب فقہ میں ائمہ کے اقوال میں ترجیح دلائل کی بنا پر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بسا اوقات اساتذہ کے اقوال پر تلامذہ کے اقوال کو ترجیح دیجاتی ہے۔

یہاں جس بات پر تعجب ہوا وہ نعمانی صاحب کا اس معاملہ میں پیش پیش ہونا ہے اور پیش پیش ہونا بھی محل تعجب نہیں بلکہ آپ کے قول میں یہ تضاد ضرور موجب حیرت و استعجاب اور ناقابل فہم ہے کہ ــــ ایک جانب تو شیخ الحدیث صاحب کی طرف رجوع کرنے اور فیصل بنانے پر اصرار و اعلان جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمانی صاحب کے یہاں شیخ الحدیث صاحب کی علمی عظمت و روحانی رفعت مسلم ہے۔ چونکہ فیصل بنانے کے لیے مسلمہ شخصیت کی ہی ضرورت پڑتی ہے مگر دوسرا رخ یہ ہے کہ میں شیخ الحدیث صاحب کی علمیت کا قائل ہی نہیں ہوں"

نعمانی صاحب ہی اس کی وضاحت فرمائیں کہ جب آپ شیخ الحدیث صاحب کی علمیت کے ہی قائل نہیں تو پھر فیصل بنانیکی تحریک کیسی؟ تعلّی و تملق اجتماع ضدین

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

کا مصداق تو نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ان تمام باتوں کے اس خاص مسئلہ میں حضرت شیخ کے فیصل ہونیکی بات تو اس سے زیادہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں ؎

وہی دلبر وہی قاتل وہی منصف ٹھیرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

نعمانی صاحب کو قریب سے جاننے والے آپ کی تلوّن مزاجی اور انکسار نما خودنمائی سے خوب واقف ہیں۔ نعمانی صاحب کی یہ خودبینی و خود سرائی ع

ثنائے خود بخود گفتن نمی زیبد ترا صاحب

شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:- قطعہ

مرا پیر دانائے روشن شہاب | دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش | دوم آنکہ بر غیر بدبیں مباش

نعمانی صاحب کا تلوّن کیش مزاج، تجدد پسند طبیعت، تغیر شعار فکر پر ہمیشہ سے افراط و تفریط کا تسلّط رہا ہے۔

نعمانی صاحب اپنی خود نوشت "داستان عبرت" کے آئینہ میں

یہی وجہ ہے کہ آپ نے مختلف موقف اختیار کئے اور جو موقف بھی اختیار کیا اس کی تائید و حمایت اور اپنے مقابل کی تردید و مخالفت میں اس درجہ غلو کا شکار ہوئے کہ گویا آپ کا کسی موقف کا اختیار کر لینا ہی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ جماعت اسلامی۔ تبلیغی جماعت مجلس مشاورت۔ ہر دور کی آپ کی تحریر و تقریر ہمارے اس دعوے کی واضح برہان ہونگی پڑھ کر دیکھ لیجئے گا۔ چنانچہ جب آپ جماعت اسلامی کے دلدادہ ہوئے تو اس درجہ شدّت اختیار کی کہ اپنے تمام اکابر کی مخالفت کے باوجود اپنے موقف پر نظرثانی کے لئے تیار نہ ہوئے اور فکر سلیم نے یارائی نہ کی بلکہ جملہ ممتاز اکابر و اشیاخ و ارباب بصیرت علماء کرام بلکہ اپنے اساتذہ کے مقابلہ میں نہ صرف اپنی رائے کو ترجیح دی بلکہ ان پر اظہار ناراضگی بھی فرمایا اور جماعت اسلامی کی محبت اور مولانا مودودی کی عقیدت میں اتنا آگے بڑھے کہ فرق مراتب جیسے عام اصول زندگی کو بھی قائم و برقرار نہ رکھ سکے آپکی اپنی تحریر خود نوشت "داستان عبرت جماعت اسلامی سے مشاورت تک" کے دیباچہ نگار مولوی قمر صاحب مظاہری رقم طراز ہیں "جماعت اسلامی کی محبت اور مولانا مودودی کی عقیدت میں مولانا اتنے سرشار ہوئے کہ اپنے مخدوم بزرگوں کی تحریروں پر اظہار ناراضگی و خفگی کیا جنکے سامنے زانوئے ادب

نہ کیا تھا اور اکتساب فیض کیلئے سر عقیدت خم کیا تھا اور ان کی شان میں وہ کچھ لکھا جو ہرگز ان کی شان کے لائق نہ تھا۔ (داستان عبرت ص۳۳)

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی و حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمہم اللہ نے براہِ راست نعمانی صاحب کو فہمائش کی جس کا نتیجہ دیباچہ نگار کی زبانی سنئے :-

" لیکن مولانا منظور صاحب نعمانی نے مولانائے محترم کی اس عظیم نصح دینی کو بھی ٹھکرا دیا اور اسے لائق اعتنا نہ سمجھا۔" (ص۱۲)

مظاہری صاحب ص۷ پر لکھتے ہیں :-

"مولانا منظور صاحب جو اپنے بزرگوں سے اساتذہ و اکابر سے کٹ کر بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ لڑائی مول لیکر مولانا مودودی صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور ایک عرصہ تک انھیں کی امارت میں جماعت اسلامی کے فروغ کے لئے محنت و مجاہدہ فرماتے رہے حتیٰ کہ اسی سلسلہ میں مولانا کو اتنا غلو ہوا کہ اپنے مخلص دوستوں اور بزرگوں کی نصیحتوں کو بھی نظرانداز کر دیا۔" انتہی بلفظہ۔

نعمانی صاحب جب تک جماعت اسلامی سے منسلک رہے تو ملت اسلامیہ کے ناگفتہ بہ احوال و امراض کا علاج و معاش و معاد کی خیرات و برکات کو جماعت اسلامی سے وابستگی پر منحصر فرماتے رہے گویا دنیا و آخرت کی خیر اسی میں جمع تھی۔ لیکن اس سے علیٰحدگی کے بعد ملت اسلامیہ کی قسمت تبلیغی جماعت سے وابستہ کر دیگئی اور اب آخر میں ملت کے استحکام اور اس کی بقاء کا انحصار مجلس مشاورت میں الہام ہوا ہے۔ داد دیجئے نعمانی صاحب کے اصابتِ فکر و سلامتِ طبع کی کہ کسی بھی مؤقف پر قائم نہ رہے۔

سنئے داستان عبرت کے دیباچہ نگار مظاہری صاحب کی زبانی اس واردات کی کہانی :-

مولانا نعمانی صاحب کا جماعت اسلامی سے علیٰحدگی کے بعد تبلیغی جماعت سے وابستگی کا دور بھی مولانا کا ایسا جذباتی دور گذرا ہے کہ مولانا کی تقریروں سے معلوم ہوتا تھا کہ آج دین و ایمان کا انحصار اسی جماعت پر ہے چنانچہ خدا اور رسول کو گواہ کرکے فرمایا کرتے تھے کہ عمومی اصلاح اسی ایک طریقۂ کار میں منحصر ہے۔ تبلیغی جماعت کی افادیت اور اس کی ہمہ گیری سے کسی انکار ہو سکتا ہے لیکن مولانا نعمانی نے تبلیغی جماعت کے بارے میں جن احساسات کا اظہار کیا تھا اس پر وہ خود بھی قائم نہیں رہے بلکہ اس سے کنارہ کشی کرکے مجلس مشاورت میں شامل ہوگئے۔ ص۵

مذکورہ بالا اقتباسات سے جو نعمانی صاحب کی خود نوشت داستان عبرت کا خلاصہ ہیں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نعمانی صاحب ہمیشہ غلو کا شکار رہے اور اپنے علاوہ کسی بھی بڑی سے بڑی شخصیت کی علمیت کے قائل نہ ہوئے اس لئے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی علمیت کا قائل نہ ہونا تعجب کی بات نہیں ہے ـــــ خیر یہ ہے کہ جب آپ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوگئے اور داستان عبرت آپ نے لکھی جسمیں اقبالِ جرم بھی ہے اور اعتراف خطا بھی۔ مگر وہ بھی ترفّع و تعلّی سے خالی نہیں ہے ص۶۲-۶۳ پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کی جماعت اسلامی کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت کے اخلاص و للّٰہیت و بے نفسی و ولایت کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ بڑے سلیقہ سے اپنی علمی برتری کا اظہار اور حضرت قدس سرہٗ کا استخفاف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"میں یقین رکھتا تھا کہ کسی معاملہ میں ان کی اتنی شدت محض توجہ البشری ہوسکتی ہے اور دوسری طرف دیکھتا تھا کہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت کا ضلال اور انحراف ثابت کرنے کیلئے جو دلائل وہ (شیخ الاسلام قدس سرہٗ) دیتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں جن کی بنا پر ایسی شدت درست ہو۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ میرے نزدیک تو ان کے دلائل انکی علمی شان سے بھی مطابقت نہیں رکھتے تھے ص۲۶۲" بلکہ میں کہا کرتا تھا کہ اگر مجھے اس کا اطمینان ہوجائے کہ جماعت اسلامی کی مخالفت کوئی دینی خدمت ہے تو ان (شیخ الاسلام) سے کہیں زیادہ وزنی اور مؤثر دلائل یہ عاجز پیش کرسکتا ہے حاشیہ ص۶۳

نعمانی صاحب کی خود نوشت "داستان عبرت" نے آپکی اصابتِ فکرونظر کو اور درآیت وبصیرت کو ایک سوالیہ نشان بنادیا ہے ؟؟

نعمانی صاحب ہی بتائیں کہ مسلسل ٹھوکریں کھانے اور اپنی غلط رائے کے اقرار واعتراف کے بعد پھر بھی اپنی کسی رائے کی صحت پر اسقدر اصرار کرنا کیا تقاضائے عقل ودانش قرار دیا جاسکتا ہے۔ یا یہ بھی" داستان عبرت" ہی کی ایک کڑی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ نعمانی صاحب آج بھی دنیائے علم وعمل میں" داستان عبرت" بنے ہوئے ہیں ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

حضرت اقدس رائپوری کی تدفین کے معاملہ میں وہی تشدّد وغلو کارفرما ہے جو ماضی میں غلط موقف پر بھی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ نعمانی صاحب نے اپنی ناقص وغلط معلومات کی بنیاد پر بڑی بے باکی سے نہ صرف صحیح واقعات ہی کی استخفاف واستحقار کے ساتھ تردید کی بلکہ اس سلسلہ کی شخصیات کو بھی مخاصمانہ انداز اختیار

ترمیم ومدح کرنیکی کوشش کی ہے جبکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی تحریرات سے انکی حرف بحرف تردید ہوگئی ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حقائق وصحیح واقعات پر مبنی بیان پر نعمانی صاحب نے ایک قیامت برپا کردی اور الفرقان کے صفحات سیاہ کرڈالے۔ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کے بیان پر نہ صرف علمی انداز میں تنقید سے گریز کیا بلکہ تنقیص کی۔ اور تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہ کی محض مولوی عبدالجلیل صاحب ومولوی عبدالوحید صاحب اور ان کے ہم نواؤں کی فراہم کردہ غلط اطلاعات کی بنیاد پر تحریر فرمادیا:-

ہمارے محترم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ایک بیان اسی سلسلہ میں چند ہفتے پہلے ہفتہ وار "الجمعیۃ" میں شائع ہوا تھا جو واقعہ کے متعلق کچھ لوگوں کی فراہم کردہ غلط اطلاعات اور غیر صحیح معلومات پر مبنی تھا اس لئے قدرتی طور پر افسوسناک درجہ میں غیر صحیح اور واقعات کے خلاف تھا۔ (الفرقان ص۵۵، ص۵۹ملخص) چنانچہ اسی سلسلے کی سب سے اہم چیز حضرت رائپوریؒ کی رائپور میں تدفین کی بڑی محبوب خواہش کہ" زندگی بھر تو ساتھ رہے تمنا یہ ہے کہ مرنیکے بعد بھی ساتھ ہی رہیں" جس کا ذکر مہتمم صاحب مدظلہٗ نے اپنے بیان میں فرمایا:-

کہ حضرت شاہ عبدالرحیم وحضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہم دونوں کی تمنا تھی کہ ساتھ ہی دفن ہوں اس لئے حضرت نے اپنے معتمد ترین خلیفۂ ارشد حضرت

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب پر یہ ذمہ داری عائد فرمائی کہ وہ انہیں رائے پور پہنچا دیں۔"

نعمانی صاحب اس کی تردید میں تحریر فرماتے ہیں :-

"واقعہ یہ ہے کہ جن خدام کو حضرت اقدس قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی توفیق ہوتی تھی وہ سب جانتے ہیں کہ حضرتؒ کی یہ بڑی محبوب خواہش اور تمنا تھی۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ حضرت یہ چاہتے تھے یا کبھی حضرت نے اس خواہش کا ذکر فرمایا کہ دنیا میں کہیں بھی میرا وصال ہو مجھے رائپور لیجا کر دفن کیا جائے اگر دانستہ غلط بیانی نہیں ہے تو افسوسناک غلط فہمی ہے" (الفرقان ۲۹ محرم ۱۳۹۱ھ)

نعمانی صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کے بیان کو "غلط اطلاعات" اور "غیر صحیح معلومات" پر مبنی قرار دیکر غیر صحیح کہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کی طرف ذہول۔ غفلت۔ ناتجربہ کاری تحقیق و تنقیح سے ناآشنا ہونے کی نسبت بھی فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جماعت کی اہم شخصیت کو مجروح کرنے کے نتیجہ میں پوری جماعت متاثر ہوجاتی ہے مگر نعمانی صاحب کے فریب خوردہ دل آزار روش رفتار فکر و قلم کی زد سے آج ہی نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی آفتاب علم و فضل و مہتاب ورع و تقوی اور مسلّمہ روزگار اصحاب بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ حالانکہ یہی عمل خود نعمانی صاحب کے مجروح ہونے کے کافی ہے۔

اس لئے حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ یا حضرت الحاج الحافظ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم جانشین حضرت اقدس رائپوری جن کے فیوض و برکات سلسلہ درسلسلہ جاری و ساری ہیں جو اپنے معاصرین میں

ایک ممتاز مقام و منصب پر فائز ہیں اور جن کے کفش برداروں میں مشاہیر علماء و فضلاء ہیں جن کے حاشیہ نشین صلحاء و اولیاء ہیں۔ ایک نسبت قاسمی و تھانوی کے محافظ ہیں تو دوسرے نسبت رحیمی و قادری کے امین ہیں کسی مجروح شخصیت کا بے وزن قلم ایسے اکابر حضرات کو کیا متاثر کر سکتا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

رہا معاملہ نعمانی صاحب کے غلط اطلاعات، وغیر صحیح معلومات وغیرہ الزامات کا تو مندرجہ ذیل حقائق و واقعات کی روشنی میں واضح ہوجائے گا کہ خود نعمانی صاحب دانستہ غلط بیانی کے نہیں تو غلط فہمی کے شکار ضرور ہوئے ہیں۔

(الف) نعمانی صاحب ماشاء اللہ مناظر ہیں اس مسلّمہ اصول سے ضرور واقف ہوں گے کہ مدعی اور مدعا علیہ فریقین میں سے کسی کے حق میں فیصلہ ثبوت و شواہد کی بنا پر ہوتا ہے محض مدعی یا مدعا علیہ کے بیانات پر نہیں ہوتا لیکن نعمانی صاحب نے تحقیقات کبھی فرمائی تو مدعا علیہ مولوی عبدالجلیل صاحب سے اور انہیں کی فراہم کردہ غلط اطلاعات کو بنیاد بنایا جو مسلّمہ اصول کے خلاف ہے اس سے ظاہر ہے کہ اب جو فیصلہ بھی اس بنیاد پر ہوگا قدرتی طور پر افسوسناک درجہ میں غیر صحیح ہوگا۔

(ب) محترم جناب راؤ یعقوب علی خاں صاحب کے مکان پر سہارنپور میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ و دامت برکاتہم جانشین حضرت اقدس رائپوری نے "ندائے ملت" اور "الفرقان" میں آپ کے مضامین پر گفتگو فرمائی۔ تمام حالات و واقعات آپ کے سامنے رکھے اور آپ سے

بار بار فرمایا کہ اگر اس طریقہ کو، جو حضرت اقدس رح کے جسد اطہر کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے صحیح خیال کرتے ہیں تو ہم کو بھی مطمئن کریں حاضرین مجلس اس واقعہ کے گواہ ہیں کہ اس وقت نعمانی صاحب کو مہر سکوت لگ گئی اور لب کشائی کی جرأت تک نہ ہوئی۔ بعد میں جب ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کیوں خاموش رہے؟ تو فرماتے ہیں "میں ادب کی وجہ سے کچھ نہیں بولا"۔ کیا نعمانی صاحب، ادب کے ساتھ گفتگو کرنے سے عاجز ہیں؟ یا واقعی اس درجہ پاس ادب تھا کہ اپنے شیخ کے جانشین کی رائے کے خلاف لب کشائی کرنا ہی سوء ادب خیال فرماتے تھے؟ لیکن حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب دیکھا کہ وہ ہی مدعی ادب الفرقان کے صفحات میں اپنے شیخ کے جانشین کی رائے کے خلاف ادب کی جملہ قدروں کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف دلفگار و دلآزار طرز بیان اور اہانت آمیز اشتعال انگیز و فتنہ خیز طرز تحریر اختیار کرتے ہیں بلکہ کنایۃً فتنہ پرور اور غلط گو، وافتراق بین المسلمین کے حامی۔ متبع ہوائے نفس۔ جذباتی وغیرہ وغیرہ جیسے الزامات واتہامات سے بھی احتراز نہیں فرماتے۔ نعمانی صاحب! بتائیں کہ ادب کی یہ کونسی قسم ہے انتہائی عجیب وغریب کہ چند حاضرین مجلس کی موجودگی میں تو اتنا پاس ادب کہ لب کشائی بھی سوء ادب قرار پائے لیکن تحریر میں یہ کیفیت؟ جو لاکھوں کی نظروں سے گذرے اور رہتی دنیا تک سند بنے وہ دائرۂ ادب سے خارج نہیں۔

معاف فرمائیے ہم یہ علیٰ وجہ البصیرت عرض کرتے ہیں کہ دراصل ادب کے پردہ میں نعمانی صاحب نے بالمشافہ گفتگو کرنے سے اس لئے گریز کیا کہ اپنے موقف کی کمزوری آپ پر واضح تھی اور ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ آج بھی نعمانی صاحب اس موضوع پر کسی بڑے عالم سے نہیں ہم جیسے کم علم و ہیچمدانوں سے

بھی بالمشافہ گفتگو سے گریز فرمائیں گے یہی وجہ ہے کہ نعمانی صاحب نے الفرقان کے صفحات میں سوائے اکھاڑ پچھاڑ اور انتہائی مضحکہ خیز تمثیلات وتشبیہات کے اس موضوع پر کوئی علمی انداز میں قطعاً ایک سطر بھی تحریر نہیں فرمائی اور جو فتاویٰ نقل کئے وہ خود محل نظر تھے۔

جہانتک نعمانی صاحب کے تشدد وغلو کی بات ہے تو جیسا کہ ہم پہلے ہی عرض کر آئے ہیں کہ وہ آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ آپ نے بعد میں جس موقف کو گمراہ سمجھ کر چھوڑا اس سے کہیں زیادہ تشدد وغلو تو اس وقت بھی تھا جو بے دلیل تھا۔ قرآن وحدیث کے خلاف تھا جس کا خود کو بھی اعتراف ہے اس لئے آج بھی یہ غلو دلائل کی قوت پر نہیں ہے بلکہ آپ کی سیماب وش شخصیت کا تقاضہ طبعی ہے۔

بہرحال ہم اس واقعہ کے ذیل میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نعمانی صاحب کے علم میں جب جانشین حضرت اقدس رح کی زبانی صحیح حالات وواقعات آچکے تھے تو کیا نعمانی صاحب یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ وہ کیا وجوہ ہیں جن کی بنیاد پر آپ نے جانشین حضرت رح کی اس گفتگو کا الفرقان کے صفحات میں تذکرہ تک بھی گوارا نہ فرمایا۔ صحافتی دیانت کے تقاضے کے علاوہ خاک رائپور سے وابستگی کا بھی ایک تقاضا تھا کہ اپنے حضرت کے جانشین کے ساتھ یہ غیر منصفانہ سلوک روا نہ رکھا جاتا۔ جب اس موضوع پر قلم اٹھایا ہی تھا تو مناسب یہی تھا کہ غیر جانبدارانہ طریقہ پر حالات و واقعات کی تحقیق فرماتے مگر افسوس کہ مدیر الفرقان نے صحیح حالات وواقعات سے واقفیت اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی علمیت کے قائل نہ ہونے کے باوجود حضرت شیخ کی ایماء پر حضرت مہتمم صاحب کے تعاقب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہاں تک کہ غلط اطلاعات و غیر صحیح معلومات پر مبنی

قرار دیکر پورے بیان کو غیر صحیح قرار دیدیا تھا بالخصوص حضرتؒ کی وصیت "کہ اگر میرا انتقال پاکستان میں ہو جائے تو مجھے رائپور لیجاکر ہی دفن کرنا. لیکن نعمانی صاحب اپنی ناقص معلومات کی بنیاد پر خود غلط فیصلوں کا شکار ہوئے یہانتک کہ اس وصیت کی تردید میں جسے حضرت مہتمم صاحب نے بڑے اہتمام سے نقل کیا ہے، نہایت بیباکی سے فرما دیا " اگر دانستہ غلط بیانی نہیں ہے تو افسوسناک غلط فہمی ہے "

فی الواقع اگر غلط بیانی یا غلط فہمی کی بھی بات ہوتی تب بھی دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ایک ممبر کو اپنے سربراہ کی نسبت یہ نا ملائم زبان استعمال نہیں کرنی چاہئے تھی ـــــ لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ اور مولانا علی میاں صاحب کی خاص اس وصیت کی تحریری تصدیق سے مہتمم صاحب مدظلہٗ کے بیان کی حرف بحرف تائید ثابت ہوگئی۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے آپ بیتی ۳ یاد ایام ۲ ص۱۳۱ پر کس وضاحت وصراحت اور اہتمام سے اس وصیت کو نقل کیا ہے " روانگی سے پہلے حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے بہت لجاجت. خوشامد. منت و سماجت سے ایک مجلس میں جسمیں یہ ناکارہ بھی حاضر تھا. صوفی عبد الحمید صاحب اور بعض خصوصی احباب پاکستان جناب الحاج مولانا حافظ عبد العزیز صاحب حضرت کے برادر زادے مولوی عبد الجلیل صاحب اور ان کے دوسرے عزیز مولوی عبد الوحید صاحب وغیرہ موجود تھے۔ یہ درخواست پیش کی کہ " اگر میرا وہاں انتقال ہو جائے۔ میری نعش کو نہ روکا جائے۔ اس لئے کہ میری تمنا حضرت کے قدموں میں دفن ہونیکی ہے اسی وجہ سے جانے کا دل نہیں چاہتا مگر تم دوستوں کے اصرار پر جا رہا ہوں ـــــ مولانا علی میاں صاحب نے بھی سوانح حضرت میں ص۲۱۰ پر اس وصیت کا ذکر فرمایا ہے جس کو ہم تفصیل سے نقل کر چکے ہیں ـــــ کیا نعمانی صاحب یہاں بھی یہ کہنے کی جرأت

فرمائیں گے کہ دونوں اصحاب کی تحریر اگر دانستہ غلط بیانی نہیں ہے تو افسوسناک غلط فہمی ہے ـــــ آپ بیتی ۳ ص۱۲۰ سے ص۱۳۵ تک کا حصہ جو حضرت رائپوریؒ سے متعلق ہے. نیز مولانا محمد یوسفؒ سے متعلق وہ حصہ جس میں مولوی عبد الجلیل صاحب کے متعلق حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ کیا ہم نعمانی صاحب سے امید کریں کہ وہ اس کا مطالعہ فرمائیں گے اور اپنے مضامین پر بھی نظر ثانی کر کے بتلائیں گے کہ غلط بیانی یا غلط فہمی کے شکار حضرت شیخ الحدیث صاحب و مولانا علی میاں صاحب کی تحریرات کی روشنی میں آپ ہیں یا حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ ؟ ـــــ

نعمانی صاحب من حفر بیراً لاخیہ فقد وقع فیہ ۔ آپ نے مہتمم صاحب کو افسوسناک غلط فہمی کے گڑھے میں ڈالنا چاہا مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کی تحریر نے (حضرت اقدس کے بادل ناخواستہ باصرار پاکستان تشریف لیجانے اور پاکستان سے واپسی کے شدید تقاضہ فرمانے نیز آخری وصیت وغیرہ وغیرہ امور وواقعات میں) حضرت مہتمم صاحب کی حرف بحرف تائید کر کے الٹا آپ کو ہی اس افسوسناک غلط فہمی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا۔ ع

لو خود آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

نعمانی صاحب ایک جگہ پاکستان سے رائپور انتقال تابوت کو نامناسب قرار دینے کے لئے الفرقان صفر ۱۳۹۱ھ ص۱۴ پر تمثیلاً ارشاد فرماتے ہیں کسی خوش نصیب بندہ کا انتقال مکہ معظمہ میں یا مدینہ منورہ میں ہو جائے الخ

گویا پاکستان سے ہندوستان تابوت منتقل کرنا ایسا ہی برا ہے جیسا کہ حرمین شریفین سے کسی اور جگہ منتقل کرنا خیال فرمائیے کہ حرمین شریفین کے فضائل جو قرآن کریم و احادیث شریفہ سے ثابت ہیں وہاں پیوند خاک ہونیکی ممتاز خواہش ہر مسلمان نے

دل میں موجود ہے اور ہونی چاہئے لیکن پاکستان کا حرمین شریفین سے کیا مقابلہ و...
اس سے اندازہ کیجئے کہ حمایت میں آپ کتنا آگے نکل گئے ہیں آپ کی صفت خاص ...
بھی کس قدر نمایاں ہے کہ حرمین شریفین کی عظمت و شرافت کا بھی آپ لحاظ نہ کر...
یہ ہے حقیقت الفرقان کے مضامین کی

❁

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی تحقیق پر

نعمانی صاحب کی تنقید کا جائزہ

مولانا محمد یوسف صاحب رجوع کے بعد نعمانی صاحب کی نظر میں

الفرقان کے محرم و صفر ۱۳۹۱ھ کے شمارہ میں نعمانی صاحب نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور بعض دیگر معاصرین کا بڑے اہتمام سے ذکر فرمایا تھا ۔ اور ان کے اسمائے گرامی کے علاوہ بعض دوسرے علماء کا بالاجمال ذکر کر کے تحریر فرمایا :۔

"مذکورہ بالا حضرات کے بعد ان سب کے اسمائے گرامی کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ پاکستان میں یہی حضرات خاص کر جماعت دیوبند میں فتویٰ اور علوم دین میں مرجع ہیں "۔ انتہیٰ ۔

آپ حضرات رابطوی وفد کی گفتگو میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا نعمانی صاحب نے مع اپنے دنیا کی چار ممتاز شخصیتوں میں ذکر کیا ہے ۔ گو ابھی یہ تحقیق باقی تھی کہ ان چار مرجع خلائق میں درجات کی ترتیب کس طرح ہے ۔ مگر نعمانی صاحب کی مولانا بنوری پر تنقید سے واضح ہو گیا کہ اولیت نعمانی صاحب ...

...ی کو حاصل ہے ۔
نعمانی صاحب کا کسی بڑی شخصیت پر تنقید یا تنقیص کرنے کا ایک مخصوص انداز ہے کہ

"میں نے ان کی تحریر کو ان کے مقام علم و فضل کے مطابق نہیں پایا ۔"

وہی انداز یہاں بھی ہے فرماتے ہیں :۔

معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری زید مجدہم (جو بلاشبہ پاکستان کے ان اکابر علماء شریعت اور اصحاب فتویٰ میں سے ہیں) انھوں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے اب اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تلافین نہیں ہوئی اور اس بنا پر بیش و انتقال اب بھی جائز ہے ـــ مولانا موصوف نے اور ان کے بعض اہل علم رفقاء نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی اس عاجز کی نظر سے گزر چکا ہے ۔ اگرچہ اس کے مطالعہ سے مجھے حیرت ہی ہوئی ہے اور میں نے اپنی فہم و دانست میں اس کو مولانا کے مقام علم و فضل کے مطابق بھی نہیں پایا ، تاہم مجھے اعتراف ہے کہ اس رائے کے سامنے آجانے کے بعد اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اکابر علماء شریعت میں سے کسی کی بھی وہ رائے نہیں ہے ۔ مولانا بلاشبہ اکابر علماء میں سے ہے ۔ انتہیٰ ۔

ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں ۔ علمی میدان میں بڑی سے بڑی شخصیت ...بھی اصول و دلائل کی روشنی میں تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے اس لئے مولانا یوسف صاحب بنوری پر بھی تنقید کی جا سکتی ہے ۔ مگر نعمانی صاحب کا تنقید کا یہ انداز کہ

"میں نے اپنی فہم ودانست میں اس کو مولانا کے مقام علم و
فضل کے مطابق نہیں پایا"

یہ تو دعوے بلا دلیل ہے جسکو تنقید نہیں تحکم کہتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ نعمانی
صاحب اپنے اس دعویٰ کو مدلل و مبرہن فرماتے تاکہ اسکا بھی نعمانی صاحب کے
علم وفضل سے موازنہ کیا جاسکتا۔ نیز مولانا موصوف کی تحقیق پر جن پاکستانی علماء
کرام نے کلام فرمایا ہے ان کی تائید فرماتے ہوئے نعمانی صاحب تحریر فرماتے
ہیں :-

"میں نے پاکستان ہی کے متعدد اہل علم واصحاب فتوے
کی وہ تحریریں بھی پڑھیں ہیں جن میں مولانا بنوریؒ کے دلائل پر کلام
کیا گیا ہے اور مجھے اصولی و بنیادی طور پر ان سے اتفاق بھی ہے
لیکن میرے نزدیک اب اس بحث کو ختم ہو جانا چاہیئے اور مان
لینا چاہیے کہ مسئلہ میں دو رائیں ہیں جو اپنے دلائل کے ساتھ ظاہر
کی جا چکی ہیں ـــــ اسی صورت میں یہی ہو سکتا ہے اور یہی ہونا
چاہیئے کہ دیانتداری سے جس کی جو رائے ہے وہ اس پر قائم رہے
اور دوسروں کے لئے بھی یہ حق تسلیم کرے۔ انتہیٰ۔

اولاً تو ہم نعمانی صاحب سے سوالیہ کرتے ہیں کہ اتنی بڑی شخصیت
کی تحقیق پر اس مبہم تنقید کا کیا جواز؟ اس لئے اپنے دعویٰ پر دلائل قائم فرمائیں۔
دوئم یہ کہ جن پاکستانی علماء کرام نے کلام فرمایا ہے وہ ہماری بھی نظر سے
گذرا ہے جن میں سب سے نمایاں مقام جناب مولانا مفتی جمیل احمد صاحب
تھانوی "ساکن لاہور نیلا گنبد" کا ہے کہ آنجناب نے ایک مستقل رسالہ
"التحریر النادر" کے نام سے تصنیف فرمایا ہے جسکا ہم نے سیر حاصل

بخوبی کیا ہے۔ فتاوی کے تجزیہ میں عنقریب آپ ملاحظہ فرمائیں گے جسے پڑھ کر نعمانی
صاحب سے ہی دریافت کیجیے گا کہ کیا آپ کے نزدیک مفتی صاحب کی تحریر
ان کے مقام علم وفضل کے مطابق ہے؟ لغوی، صرفی، نحوی، فقہی، اور علم اصول
کی اغلاط فاحشہ کے . . . . باوجود نعمانی صاحب کو اس میں کوئی خامی نظر نہ آئی
بلکہ اصولی و بنیادی طور پر اتفاق کا اظہار بھی فرما رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں؟
ہم اپنی فہم ودانست کے مطابق نعمانی صاحب کی اس سلسلہ کی تحریرات
کی روشنی میں یہ سمجھے ہیں کہ نعمانی صاحب نے اس قضیہ میں "طالبین تدفین
مدعی" کے دلائل وتحقیقات سے صرف نظر کر کے ان کے مقابلے میں شخصیات و
طبعی رجحانات کو معیار بنایا ہے۔ ہم اس کے ثبوت میں دو چیزیں پیش کرتے ہیں
جن سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

(۱) نعمانی صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کے تعاقب کے ذیل میں ۱۳۸۲ھ
کے ان فتاوی کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد "جن میں تدفین متحقق قرار دیگئی ہے" اس
سلسلے کی شخصیات کو نمایاں انداز میں پیش کیا ہے جن کی تحریرات اپنے مدعا پر دلائل
سے عاری ہیں۔ نعمانی صاحب اپنے اسی معیار کے مطابق "طالبین تدفین شرعی" کے
متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"اور اسی زمانے میں سننے میں آیا کہ بعض حضرات نے یہ فتویٰ بھی
دیا ہے کہ تدفین متحقق نہیں ہوئی۔ اسی زمانہ میں اسی طرح کا ایک
فتویٰ پاکستان ہی کا چھپا ہوا نظر سے گذرا تھا۔ لیکن ہندو پاک کے
قریب قریب تمام ہی اکابر علماء اور اہل فتویٰ سے نیازمندانہ تعلق و
واقفیت کے باوجود اس میں ایک بھی ایسا نام اس ناچیز راقم سطور
کو نظر نہیں آیا جو اس حیثیت سے جانا پہچانا ہو۔ انتہیٰ۔

مقام حیرت ہے کہ نعمانی صاحب جیسے عالم و فاضل شخص شرعی مسئلہ میں مضامین کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لینے کے بجائے معروف و مشہور شخصیات کی تلاش فرما رہے ہیں۔ جب کہ تدفین کے غیر متحقق ہونے کا فتویٰ دینے والے مفتیان کرام میں نمایاں شخصیات بھی تھیں۔ ہم ذیل میں چند ارباب فتاویٰ کا حوالہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جو خود بھی مشہور و معروف ہیں اور نیز مشہور و معروف دارالافتاء کے مفتی بھی ہیں۔ جن نے اس اختیار کردہ صورت کو اپنے لیے الفاظ ہیں۔ ناجائز، دفن صحیح نہیں ہوا، قطعاً غلط اور دفن غیر معتبر ہے چبوترہ توڑ کر قریب ہی قبر کھود کر دفن کردہ بنا ضروری ہے۔ دفن کا فریضہ ادا نہیں ہوا۔ وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا ہے۔

دارالافتاء و مفتیان کرام کے اسمائے گرامی مع نمبر سوال و جواب بالاختصار مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سوال ۵۹۰۶/ ۔ جواب ۲۲۴۰/ (ت) دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

مجیب۔ مفتی مسعود احمد صاحب

نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

۱۲ $\frac{۱۲}{۸۲}$ ھ

(۲) سوال ۵۲۲۱/ جواب ۱۱۲۳/ (ح) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند۔

مجیب۔ مفتی جمیل الرحمٰن صاحب

نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۱ $\frac{۱۱}{۸۲}$ ھ

تصویب کنندہ۔ مفتی سید مہدی حسن صاحب

مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۲ $\frac{۱۱}{۸۲}$ ھ

(۳) جواب ۲۸۴۸/ (ح) دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

مجیب۔ مفتی محمد جمیل الرحمٰن صاحب

تصویب کنندہ۔ مفتی مسعود احمد صاحب

۸ $\frac{۱۱}{۸۲}$ ھ

(۴) جواب۔ مفتی عبدالرحمٰن صاحب۔ دارالافتاء مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی

۱۵ $\frac{۱۱}{۸۲}$ ھ

تصویب کنندگان:۔ مفتی عبدالدائم صاحب۔ دارالافتاء۔ مدرسہ عالیہ فتحپوری۔ دہلی

مفتی مظہر اللہ صاحب۔ دارالافتاء شاہی مسجد فتحپوری دہلی۔

مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔ دارالافتاء مدرسہ حسین بخش۔ جامع مسجد دہلی۔

علاوہ ان کے پاکستان کے علماء کرام و مفتیان عظام کے فتاویٰ مدلل و مفصل، ۱۳۸۲ھ کے شائع شدہ اسی رسالہ میں موجود ہیں۔ جن کو ہم نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ جانبین میں سے بعض علماء کرام رجوع فرما کر اپنے موقف میں تبدیلی کر چکے ہیں۔ جیسے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری و مفتی مہدی حسن صاحب وغیرہ۔ مندرجہ بالا مذکورہ شخصیات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ لیکن نعمانی صاحب کو کوئی بھی ان میں "اس حیثیت۔ سے جانا پہچانا" نظر نہیں آیا۔

گویا نعمانی صاحب کے نزدیک کسی فتوے کے قابل اعتنا ہونے کے لئے

نعمانی صاحب کا ذاتی طور پر مفتی صاحب کو اس حیثیت سے جاننا بھی شرائط میں سے ہے۔

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے رجوع سے قبل نعمانی صاحب کے نزدیک مسئلہ اختلافی بھی نہیں تھا جس کی وجہ بھی اوپر گذر چکی ہے۔ لیکن مولانا موصوف کے رجوع کرنے کے بعد نعمانی صاحب اس منزل پر تو آہی گئے کہ "مان لینا چاہیئے کہ مسئلہ میں دو رائیں ہیں"۔

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ نعمانی صاحب نے سابق موقف سے رجوع مولانا موصوف کے دلائل سے متاثر ہو کر نہیں کیا ہے بلکہ شخصیت سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ اگرچہ مولانا موصوف کے دلائل پر کلام کرنے والے اہل علم واصحاب فتویٰ نعمانی صاحب کی نظر میں بھی مولانا موصوف کے مقابلہ میں ثانوی یا ثالثی درجہ کی شخصیات ہیں مگر نعمانی صاحب کو ان کی دلائل سے اتفاق ہے۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہے کہ نعمانی صاحب نے باوجود دلائل کے ضعیف ہونے کے مولانا موصوف کی شخصیت کے زیر اثر مسئلہ کو مختلف فیہ مانا ہے۔ گویا معیار دلائل نہیں ہیں بلکہ شخصیت ہے۔

کیا یہ انداز فکر نعمانی صاحب کے اس مقام علم وفضل کے مطابق ہے جس کی نشاندہی آپ خود ہی بارہا فرما چکے ہیں؟

نعمانی صاحب نے مولانا موصوف کے رجوع کے صدقہ میں ایک ایسے مسلمہ اصول کو بھی تسلیم کر لیا ہے جس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نعمانی صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کا تعاقب کیا اور اس کے سد باب کی تیاری کے لئے پاکستان لکھا اور کاغذات منگائے جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ لیکن اب نعمانی صاحب مسئلہ کو مختلف فیہ تسلیم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"ایسی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ دیانتداری سے جس کی جو رائے ہے وہ اس پر قائم رہے اور دوسروں کے لئے بھی یہ حق تسلیم کرے۔ انتہی"

نعمانی صاحب کی اپنے موقف میں خوش آیند تبدیلی

نعمانی صاحب نے تحریر وتقریر میں جس تشدد کا مظاہرہ کیا تھا حسب عادت یہاں بھی ماضی کی یاد تازہ کر دی اور وہ سب غیظ وغضب کافور ہوا دی نعمانی صاحب جو تابوت کے نکالنے والوں کو گولی مارنے کی دھمکی دے رہے تھے لیکن اب وہی وارثین حضرت کو مولانا موصوف کی رائے پر عمل کرنے کا اختیار بھی دے رہے ہیں۔ اور اپنے ہمنواؤں کو اس سلسلے میں مداخلت سے باز رہنے کی تلقین بھی فرما رہے ہیں۔ یہ مژدہ جانفزا نعمانی صاحب کی زبانی سنئے۔

"پس اگر اولیاء کا دل شہادت دے کہ حضرت مولانا بنوری وغیرہ کا فتویٰ راجح وقابل اتباع ہے تو ان کو اس پر عمل کر لینا چاہیئے۔ اور جو لوگ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، یعنی اب نبش اور انتقال تابوت کو قطعاً ناجائز سمجھتے ہیں اور اس رائے کا صراحت ووضاحت کے ساتھ اعلان کر چکے ہیں (جن میں خود یہ ناچیز راقم سطور بھی شامل ہے) ان کو چاہیئے کہ وہ کوئی مداخلت نہ کریں۔ یقین ہے کہ اس صورت میں ان پر کوئی ذمہ داری اور مسئولیت نہ ہوگی۔ اور آخرت میں انشاء اللہ کوئی باز پرس نہ ہوگی انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ انتہی۔

نعمانی صاحب نے خود بھی آئندہ کے لئے اپنی تحریر کے مطابق عمل کرنے کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اسی پر اپنے مضمون کو ختم فرمایا ہے:-

اس عاجز کی طرف سے اس مسئلہ پر یہ آخری اظہار رائے اور اعلان ہے۔" انتہی۔ ماہنامہ الفرقان رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

نعمانی صاحب ہمیشہ ہی اشتعال وجذبات کا شکار ہوکر بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اس قضیہ میں بھی یہی ہوا۔ مگر آپ کو ہی یہ اختصاص وامتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ بلاخوف لومۃ لائم اسی رفتار سے پسپائی بھی اختیار فرما لیتے ہیں۔

اسی اصول کی ہم شروع سے دہائی دے رہے ہیں کہ اظہار رائے کے بعد ذمہ داری ختم ہوگئی اور آخرت میں کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

اب ہم نعمانی صاحب کے اس آخری فیصلہ کے روشنی میں دریافت کرتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب اور خود نعمانی صاحب بتائیں کہ اظہار رائے کے بعد کے اقدامات کا پس منظر اور اس کے مضمرات کیا تھے؟

ان کا محرک تقاضۂ شرعی تھا یا تقاضۂ طبعی؟

کاش ایسی اعتدال وحقیقت پسندی کا مظاہرہ پہلے سے ہوا ہوتا تو یہ انتشار واختلاف کی نوبت تک نہ آتی۔

آنچہ داناں کند کند ناداں !
لیک بعد از خرابی بسیار

ارباب علم ودانش فیصلہ فرمائیں

ان مستند احوال وواقعات کی روشنی میں ہم ارباب علم ودانش کی عدالت سے فیصلہ کے خواہش مند ہیں کہ وہی بتائیں کہ

جن تاثرات کے تحت استفتا، وفتویٰ نویسی کی تحریک کا آغاز ہوا ہے کیا اس کا منشا تحقیق شرعی کے تحت صورت واقعیہ کا دیانۃً حکم ظاہر کرنا تھا یا اعذار باردہ اور استدلات فاسدہ کا سہارا لے کر اپنے منصوبہ کے تحت صورت واقعہ کو برقرار رکھنا تھا۔

اور اسی منصوبہ کے تحت مفتیان کرام کو مختلف تدابیر سے متاثر کیا گیا یہاں تک وہ شخصیات اور خارجی تاثرات کا کافی حد تک شعوری یا غیر شعوری طور پر شکار ہوئے بغیر نہ رہے۔

ان حقائق وشواہد نے شخصیات کے کردار اور رازہائے سربستہ کو طشت ازبام کرکے اس منصوبہ وسازش کی تمام کڑیوں کو مربوط کردیا ہے۔ ایسی صورت حال میں ان فتاویٰ کا محرک تقاضا شرعی ہوگا یا تقاضائے طبعی؟

؎ نہ تھی یہ سازش گلچیں تو سب کو چھوڑ کر بجلی!
اسی پر کیوں گری جس شاخ پر میرا نشیمن تھا
سائل دہلوی

اب تک کی بحث تو واقعات سے متعلق تھی آئندہ ہم اس غیر شرعی طریقہ اور اس کو برقرار رکھنے والے علماء کرام کے فتاوا اور استفتاؤں پر بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ حسب ضرورت ان کے ضروری گوشوں کا تجزیہ بھی ہوگا اور پھر اس مسئلہ کا تنقیح کرکے اسکی شرعی صورت واضح کی جائیگی۔ انشاء اللہ۔ اللھم الھمنا مراشد امورنا۔

تمہید

علم و تحقیق کے میدان میں اصول و ضوابط اور قواعد و شواہد حکم و فیصل ہوتے ہیں یہاں پر فیصلے شخصیتوں کے زیر اثر نہیں ہوتے۔ بڑی سے بڑی شخصیت بھی، تدوین و ترتیب قانون کے بعد "کسی قاعدہ کا بدل نہیں بن سکتی، اور پھر جب معاملہ شرعی تحقیقات و فقہی جزئیات کا ہو تو بدرجہ اولیٰ دلائل و براہین ہی سب کچھ ہوتے ہیں۔ شخصیتوں کا طول و عمق بھی انہیں قواعد شرعیہ کے مطابق معتبر ہوگا اور ان کی کوئی بھی ذاتی رائے دلیل و برہان کا مقام نہیں لے سکتی تا آنکہ وہ نصوص معتبرہ کے موافق نہ ہو بزرگان دین کا عتاب و عقاب مریدین کے لئے تو، ارادۂ اصلاح اسکے وقت مفید ہو سکتا ہے مگر کسی مسئلہ کی تشریح میں وہ کارآمد نہیں بن سکتا۔ معلم اخلاق اگر اخلاق کے لباس سے عاری ہو تو اس کی تعلیم کا انجام معلوم۔ مہر و محبت اور تحمل و رواداری کے علم برداروں کو ضروری ہے کہ اولاً وہ خود اپنے پیغام کے عملی پیکر بنیں۔ اس لئے ناظرین اہل علم سے گزارش ہے کہ ضابطہ کے مطابق دلائل و حجج کو معیار بنائیں اور خدا کی دی ہوئی سمجھ سے کام لیں کورانہ عقیدت سے احتراز فرمائیں، انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا اور شاہراہ حیات کے ہر موڑ پر یہ اصول مفید ثابت ہوں گے۔

ہندوستان کا نعش مبارک کی واپسی کا مطالبہ اور فتویٰ سازی کا آغاز

غالباً اکتوبر ۱۹۶۲ء میں حکومت ہند نے انتہائی ادب واحترام کے ساتھ حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ حضرت اقدس رائپوری کی نعش مبارک کو واپس کیا جائے۔ عزیزان مذکور اور ان کے ہم نواؤں کو اس سے سخت پریشانی ہوئی اور ان کو اندیشہ ہوا کہ اگر علماء کرام کے اختلاف نے زور پکڑا اور تدفین شرعی کی نوبت آئی تو اس مطالبہ کی موجودگی میں یقیناً نعش مبارک کو ہندوستان منتقل کر دیا جائیگا بعض غیر مصدقہ اطلاعات ہیں کہ عزیزان مذکور اس مطالبہ سے پیشتر تدفین شرعی کے لئے تیار تھے مگر مطالبہ ہند کے بعد ان کا ارادہ بدل گیا اور ان کی پوری توجہ اس غیر اسلامی طریقہ سے قائم و برقرار رکھنے پر مرکوز ہوگئیں۔ چنانچہ مولوی عبدالوحید و مولوی عبدالجلیل صاحبان نے یکے بعد دیگرے ہندوستان کا سفر کیا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد ایک طول طویل فتاوے کا سلسلہ شروع ہوگیا اور نصوص قطعیہ اور جزئیات فقہیہ کی واضح و غیر مبہم عبارات کی موجودگی میں ایک منصوص مسئلہ میں قیاس و استنباط کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ اور اس غیر شرعی صورت کو تدفین شرعی و قبر شرعی قرار دینے میں

۱ دانستہ یا نادانستہ کتب فقہ کی ان عبارات سے استدلال

فرما رہے ہیں جو تدفین شرعی پر متفرع ہوتی ہیں جو روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے بلکہ بقول یگانۂ روزگار فاضل اجل علاّمہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ العالی

"اور کتب فقہ کی ان عبارات سے استدلال کیا جا رہا ہے جس سے فتویٰ دینے والوں کے علی الرغم نقیض دعویٰ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

بصائر و عبر۔ ماہنامہ بیّنات کراچی بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۹۱ھ"

اس لئے ضرورت ہے کہ استفتاء و فتاوی کا واقعات کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے۔

استفتا اور اس کا تجزیہ "ہمارا گاؤں دریا کے کنارے واقع ہے۔ جب دریا میں سیلاب آتا ہے تو گاؤں پانی سے بھر جاتا ہے۔ تین سال قبل اکثر مکانات گر گئے اسی بناء پر گاؤں کی مسجد کو بھی از سر نو پانچ فٹ اونچی کرسی رکھ کر بنایا گیا ابھی اس کے صحن اور مسجد کے ساتھ والے حجروں کے صحن میں پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر مسجد کی کرسی کی برابر کرنا باقی تھا کہ ایک بزرگ کا انتقال ہو گیا اور اہل گاؤں نے طے کیا کہ حجروں کے سامنے والے خارج از مسجد ۳۸ فٹ لمبے صحن میں مرحوم کی قبر بنائی جائے۔ سیلابی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں لحد نہیں بن سکتی چند فٹ کھودنے پر گیلی مٹی اور کبھی کیچڑ نکلنے لگتا ہے اس بناء پر ہم نے یہ خیال کیا کہ اس جگہ پر ۴۸ فٹ چوڑا اور ۳۸ فٹ لمبا اور پانچ فٹ اونچا چبوترہ کو بنانا پہلے سے طے ہے اس وقت زمین کے اوپر اینٹوں سے ۵ فٹ اونچی شق بنائی جائے اور صبح گرد و نواح سے قبر میں مٹی ڈال کر حسب پروگرام چبوترہ بنا دیا جائے۔ . . . .

اسی وقت چند علماء سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اگر اس جگہ پر پہلے چبوترہ بنا ہوا ہوتا تو کھود کر بھی اسی طرح شق بنائی جاتی اور سیلاب کا عذر واضح ہے۔ نیز اس وقت کچی اینٹیں گاؤں میں موجود نہ تھیں اس لئے نیچے اوپر پکی اینٹیں لگا دی گئیں اور اس کے بعد

قبر کے ارد گرد ۳۸ فٹ لمبا ۴۸ فٹ چوڑا ۵ فٹ اونچی مٹی ڈال کر چبوترہ بنا دیا گیا۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تدفین محقق نہیں ہوئی اس لئے اس بزرگ کی نعش مبارک والے لکڑی کے تابوت کو یہاں سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے۔ کیا تدفین محقق ہو گئی یا نہ؟ اور اب اس تابوت کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے۔؟

عبدالجلیل بقلم خود

یہ استفتاء مولوی عبدالجلیل صاحب کا مرتب کردہ اور انھیں کے شائع کردہ فتاوے سے نقل کیا گیا اس میں بڑی ہوشیاری سے واقعات کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ اگر ذرا توجہ کی جائے تو غلط بیانی واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً استفتاء میں قبرستان کی زمین کا لحد بنانے کے قابل نہ ہونا ظاہر کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں تین سال قبل سیلاب کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اکثر مکانات گر گئے مگر قبرستان کے نقصان کا کوئی ذکر نہیں حالاں کہ سیلاب کی وجہ سے اگر ایک قبر کو بھی نقصان پہنچا ہوتا تو ضرور مبالغہ سے کام لیا جاتا اور استفتاء اس کے ذکر سے خالی نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں چند چیزیں تحقیق و تصدیق طلب ہیں۔

(۱) محترم مستفتی صاحب کا یہ دعویٰ کہ "سیلابی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں لحد نہیں بن سکتی" یہ ایک غلط و خلاف واقعہ بات ہے جس کے خلاف سینکڑوں شہادتیں مل سکتی ہیں چنانچہ خاص ڈھڈیاں ہی کے باشندے اور ایک ذمہ دار مستند عالم اور حضرتؒ کے عزیز و مجاز و مقرب خاص جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا بیان چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دعوے کی تردید میں دیکھئے اخبار "پاکستانی" لاہور ۱۳ مئی ۱۹۶۳ء، مولانا کا پورا بیان اس رسالہ سے منسلک "کشف الحقیقۃ" میں موجود ہے۔

(۲) اولاً حضرتؒ کے لئے مولوی عبدالجلیل صاحب کے والد جناب

حافظ خلیل احمد صاحب (برادر حضرتؒ) کے باغ میں قبر تیار کی گئی۔ ان کے بیان
کے مطابق چند فٹ کھودنے پر گیلی مٹی نکل آئی اس لئے مسجد کے حجروں کے پاس
حضرتؒ کو رکھا گیا —"

خیال فرمایئے فقہاء کرام نے ایسے ہی مقامات پر تابوت کے استعمال
کی اجازت دی ہے۔ بلا عذر تمام فقہاء کے نزدیک تابوت کا استعمال مکروہ ہے

ویکون التابوت من رأس المال اذا کانت الارض رخوة او
ندیة مع کون التابوت فی غیرها مکروه فی قول العلماء قاطبة
وفی قاضی خان - ینبغی ان یفرش فیه التراب وتطین الطبقة
العلیا ومما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف عن یمین المیت ویساره
لیصیر بمنزلة اللحد. کبیری ص۵۵۲ کذا فی الجوهرة النیرة ص۱۱۱
وفی فتاوی عالمگیری ج۱ ص۱۳۲ وغیرها۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زمین نرم ہے یا نمناک ہے تو تابوت مباح ہے ورنہ اس کا
استعمال مکروہ ہے اور اس میں بھی چند چیزوں کا لحاظ ضروری ہے۔ تابوت کے
اندر مٹی بچھادی جائے اور اوپر کا حصہ جو میت سے متصل ہوتا ہے مٹی سے لیپ دیا
جائے اور میت کے دائیں بائیں کچی اینٹیں رکھی جائیں تاکہ بمنزلہ لحد کے ہو جائے جس کا
مطلب یہ ہے کہ استعمال تابوت ممکنہ حد تک سنت کے قریب کیا جائے

ظاہر ہے کہ ذاتی باغ میں جہاں پہلے قبر تیار کی گئی تھی وہاں عذر کی بنا پر تابوت
کا استعمال بلا کراہت جائز تھا۔ جیسا کہ اوپر فقہی عبارات میں گذرا۔ لیکن نامعلوم کن
مخفی اغراض کی بنا پر جگہ تبدیل کر دی گئی اور مسجد کے حجروں کے سامنے سطح زمین پر
پختہ اینٹوں اور سمنٹ سے فرش و چہار دیواری تیار کر کے اس میں تابوت رکھ کر پختہ ڈاٹ
لگا دی گئی۔ حالانکہ اس موقع پر تابوت کا استعمال باتفاق فقہا مکروہ ہے۔

اور اس کو قبر سمجھ لیا گیا اور بقول مستفتی۔ علماء سے استصواب کیا گیا تو تصویب بدیں طور
فرمائی، "اگر اس جگہ پہلے چبوترہ بنا ہوتا تو کھود کر بھی اسی طرح شق بنائی جاتی"۔ یہ

تصویب دو وجہ سے موجب استعجاب ہے۔

(۱) جو قبر شریعت کے احکام کے مطابق تیار کی گئی ہو اس کو اوپر سے پختہ بنانا
شرعاً ممنوع ہے جس میں تمام ائمہ وفقہاء متقدمین و متاخرین متفق الکلمہ
ہیں۔ ویکرہ تجصیص القبور وتطیینه وبه قالت الائمة الثلاثة[۱]
کراہیت تو اس صورت میں ہے جبکہ سنت کے مطابق تحفیر ارض و تعمیق کے
بعد لحد یا شق بنائی گئی ہو۔ چہ جائیکہ جہاں نہ تحفیر ارض ہو اور نہ تعمیق، بلکہ
سطح ارض پر ایک پختہ کمرہ بنا کر اس کو قبر کہا جائے۔ یہ شریعت سے بیخبری یا ناقدری
کی کھلی دلیل ہے جس کی مسلک اہل حق میں گنجائش قطعاً نہیں۔ مگر تعجب ہے
کہ یہ کون عالم تھے جنھوں نے اس غلط کام کی تصویب فرمادی۔ فیا للعجب۔

(۲) ان علماء کا یہ فرمانا کہ اگر اس جگہ پر الخ کسقدر مضحکہ خیز ہے۔ یہ کوئی عام
ضابطہ تو ہے نہیں کہ ہر چیز پر "باعتبار ما یکون" کے حکم لگا دیا جائے۔ یا کسی معہود
ذہنی پر موجود و محقق کے احکام صادر کر دیئے جائیں۔ استفتاء اور اس کے جوابات
میں یہی دونوں رجحانات کارفرما ہیں یعنی چبوترہ بننے سے پہلے ہی اس کو چبوترہ
فرض کر کے حکم لگا دیا "اگر پہلے چبوترہ ہوتا تو کھود کر بھی شق اسی طرح بنائی جاتی"

---

[۱] لما روی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن
تجصیص القبور وان یکتب علیها وان یبنی علیها رواه مسلم وابوداؤد والترمذی
ومحمد کبیری ص۵۵۵ کذا فی الجوهرة النیرة ص۱۱۱ وکذا فی المبسوط لشمس الدین
سرخسی ج۲ ص۶۲ وکذا فی بحر الرائق۔

جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی قباحت شرعی نہیں بے تحفیر و تعمیق جیسے فرائض خود بخود حاصل ہو گئے کیونکہ چہار دیواری بن جانے کی وجہ سے بغیر تحفیر کے حفرہ ہو گیا لہٰذا قبر بھی شرعی ہو گئی ۔ انا للّٰہ وانا الخ

ان علماء کے متعلق کیا عرض کیا جائے جنہیں شق کی اصطلاحی تعریف بھی معلوم نہیں یا بتکلف اس سے چشم پوشی کر رہے ہیں ۔ فقہ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں شق کی تعریف یوں کی گئی ہے ۔ والشق ان یحفر حفیرۃ کالنہر (کبیری)

یعنی شق یہ ہے کہ زمین میں گڑھا کھودا جائے نہر کی طرح ۔

غور فرمائیے کیا شق کی یہ تعریف اس مربع و مجصص کمرہ پر صادق آتی ہے؟

(۳) استفتاء میں ہے " اہلِ گاؤں نے طے کیا کہ حجروں کے سامنے والے خارج از مسجد ۳۸ فٹ لمبے صحن میں مرحوم کی قبر بنائی جائے "

یہاں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حجروں کے سامنے والا صحن گو خارج از مسجد سہی لیکن عرف یہ ہے کہ مسجد کے ملحق جگہ حجروں و سہ دریوں جیسی ضرورتوں کے لئے وقف علی المسجد ہوتی ہے ، ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ حجرے تو وقف علی المسجد ہوں اور صحن کسی اور کی ملک ہو ، میرے علم میں ایسی کوئی نظیر نہیں ۔ محترم مفتی صاحب کے ہم نواؤں کی طرف سے مسلسل یہ اعلان کہ حجروں کے سامنے والا صحن ان عزیزوں کی ملک ہے " بے مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ایک فقہی جزیہ کی زد سے بچنا ہے وہ یہ ہے کہ جو زمین مسجد کے مفاد کے لئے وقف ہو اگر کوئی شخص اس میں میت دفن کر دے تو اخراج میت ضروری ہے اور اس میں وہی حکم جاری کرتے ہیں جو کسی کی مملوکہ زمین میں کہ مالک کو اجازت ہے کہ میت کو نکال دے جس کی تفصیل یہ ہے ۔

حفر فدفن فیہ اخر میتا فھو علی ثلثۃ اوجہ - ان کان الارض للحافر فلہ نبشہ ولہ تسویتہ وان مباحۃ فلہ قیمۃ حفرۃ - وان وقفا

(...) - (در مختار) وفی حاشیۃ ابی السعود عن حاشیۃ للمقدسی وھذا الوقفت للدفن ھذا علی مسجد للزرع والغلۃ فکالمملوکۃ

(شامی مطبع مصر ج ۱ ص ۱۸۲-۱۸۳)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے گڑھا کھودا لیکن کسی دوسرے شخص نے اس میں اپنی میت کو دفن کر دیا تو اس کی تین صورتیں ہیں ۔

(۱) اگر وہ زمین گڑھا کھودنے والے کی ملک ہے تو اس کو نبش میت جائز ہے اور چاہے تو بغیر میت نکالے زمین کو ہموار کر کے اپنے کام میں لے سکتا ہے ۔

(۲) اگر ایسی زمین ہے جس میں سب کو تصرف جائز ہے تو اس کو گڑھا کھودنے کی اجرت دیجائے گی ۔

(۳) اور اگر وہ زمین دفن ہی کے لئے وقف ہے تب بھی گڑھا کھودنے کی اجرت دی جائیگی ۔ ہاں اگر وہ زمین وقف علی المسجد ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو مملوکہ زمین کا یعنی میت کا نکالنا حرام نہیں ہوگا بلکہ جائز ہوگا ۔ اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے تمام فقہاء کرام کا بالاتفاق یہی مسلک ہے ۔

اس حکم کی زد سے بچنے کے لئے ملک کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ دفن شرعی کے بعد بھی اس صورت مذکورہ میں نبش قبر جائز ہے چہ جائیکہ یہاں تو سرے سے دفن ہی متحقق نہیں ہوا بلکہ دفن علیٰ حالہ فرض ہے اور جبتک دفن شرعی نہ ہوگا تمام اہلِ بستی گنہگار ہونگے ۔ جہانتک ہمیں تحقیقات سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قطعہ زمین متروکہ میں تھا جسمیں مسجد و حجرے بنائے گئے لہٰذا زمین مقبوضہ تو ہو سکتی ہے مملوکہ ہونا تحقیق طلب امر ہوگا ۔ یہ تو تھا استفتاء کا تجزیہ اسکے بعد مندرجہ ذیل بحث فتاوے کے مندرجات پر ہوگی ۔ انشاء اللہ العزیز ۔

فتاوی اور انکا تجزیہ

اب استفتاء اور اس کے متعلقات کے تجزیہ کے بعد مختصراً فتاوی کے سلسلے میں گذارشات پیش خدمت ہیں۔

ان میں فقہ کی ایسی عبارات سے استدلال کیا گیا ہے جو خود ان کے دعوے کے رد پر برہان قاطع بن گئی ہیں۔ بعض مقامات پر سیاق و سباق پر غور کئے بغیر ہی فقہی عبارتوں سے غلط مطالب اخذ کئے گئے ہیں اور بعض مفتیوں نے تو غضب ہی کر دیا کہ اس صورت واقعیہ میں کراہت کے بھی قائل نہیں گویا جو کچھ ہوا عین مطابق شریعت ہے۔ بعض حضرات نے اس مسئلہ پر دار الاسلام اور دار الحرب کی بے محل بحث چھیڑ دی اور بعض نے تدفین شرعی سے اسلئے روکا کہ اسکا فائدہ دار الحرب اور حکومت ہندوستان کو ہوگا اور حکومت ہندوستان تمام بزرگوں کے مزارات توڑ ڈالیگی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری کا فتویٰ

اس استفتائ کے جواب میں سب سے پہلا فتوی موصوف ہی کا تھا۔

مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی مدرسہ اسلامیہ عربیہ نیو ٹاون کراچی نے مفتی صاحب موصوف کے فتوے کا جو تجزیہ کیا ہے حق و انصاف پر مبنی ہے اور مُبرہن ہے فرماتے ہیں:-

مفتی صاحب (مفتی زین العابدین صاحب) نے متذکرہ بالا فتویٰ میں

کتب فقہ کی جن عبارتوں سے استدلال کیا ہے وہ سب اس کے خلاف ہیں جو وہ جواب دے رہے ہیں کیونکہ وہ تمام عبارتیں "قبر شرعی" سے متعلق ہیں جس کی ماہیت اور حقیقت میں "حفر ارض" داخل ہے نہ کہ بلا حفر ارض میت کو بناء علی الارض مستور کرنے کے متعلق۔ مفتی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے وہ نہایت واضح اور غیر مبہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ استفتاء اور مفتی صاحب موصوف کا جواب دونوں ہی حقائق پر مبنی نہیں ہیں علاوہ ازیں دونوں میں ظاہری مطابقت بھی نہیں ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سوال از آسماں جواب از ریسماں" کا مصداق ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

مفتی زین العابدین صاحب نے اپنے جواب میں صورت واقعیہ کو اشارۃً کنایۃً خلاف اولی بھی قرار نہیں دیا ہے بلکہ فتاوی دار العلوم میں مفتی عزیز الرحمن صاحب مرحوم کے جواب کو مدار اصل قرار دے کر صورت واقعیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "یہ تدفین بلاشبہ محقق ہوگئی" حالانکہ مفتی صاحب مرحوم کا جواب خود محتاج دلیل ہے۔ بلکہ تدفین شرعی کی فقہی تصریحات کے خلاف ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کے بموجب مفتی صاحب موصوف کے جواب کی اساس و بنیاد ہی منہدم ہوگئی ..... کیا یہ سیاق و سباق مستفتی و مفتی صاحبان کے اتحاد فکر و اشتراک مقصد کی غمازی نہیں کر رہا ہے؟ مفتی صاحب کے پیش نظر مستفتی کی حمایت اور ان کا دفاع ہے تحقیق شرعی نہیں ہے جو دیانت اور منصب افتاء کے خلاف ہے۔

تصدیقات مظاہر علوم سہارنپور

ہم جیسا کہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اصل مجیب مفتی صاحب نے غیر متعلق وغیر

منطبق عبارات فقہیہ سے استدلال کیا ہے لیکن مفتیان مظاہر علوم کی دلائل بر
نماری فتوے کی تصدیق وتائید ایک دوسرے سے مسابقت ہیں فلیتنافس
المتنافسون کا منظر پیش کر رہی ہے ۔ صدر مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"مسئولہ صورت میں دفن محقق ہوگیا، مگر خلافِ سنت متواترہ"

مفتی دوم فرماتے ہیں ۱۔ جواب بالاحق ہے ۔ دفن کامل طور پر محقق ہوگیا ہے،
خلاف سنت کی قید بھی اڑا دی ستم بالائے ستم مندرجہ ذیل آیت کا اس موقعہ پر
انطباق ہے ۔ ھذا ھو الحق ۔ فماذا بعد الحق الا الضلال ۔ جس کا مطلب
یہ ہے ۔ یہی حق ہے اس کے علاوہ گمراہی ہے یعنی اس سے اختلاف کی گنجائش
نہیں ہے حالانکہ علماء اصول اس پر متفق ہیں کہ مجتہد مسائل اجتہادیہ میں اس کا مجاز نہیں
ہے کہ اپنے مسلک کے حق اور مسلک مخالف کے باطل ہونیکا بالجزم فیصلہ کرے بلکہ
اپنے مسلک میں اعتقاد حق مع احتمال الخطا اور مسلک مخالف میں اعتقاد خطا مع احتمال
الحق کے اصول کا پابند ہے مسلک مخالف کو ضلالت کہنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے
وہ مجتہد جو واقع میں خاطی بھی ہو تب بھی عند اللہ ماخوذ و مجرم نہیں ہے ۔ بلکہ ماجور
ہے انشاء اللہ

مقام حیرت ہے کہ جب مسائل اجتہادیہ میں بھی اعتدال و احتیاط کی اس
قدر پابندی ہے تو مفتی صاحب موصوف کو منصوصات و فقہی تصریحات کے
خلاف فتوی کی تائید میں اپنی رائے کو حق اور اسکے خلاف کو ضلالت و گمراہی کہنے کا کیا جواز
ہے؟ اس سے مفتی صاحب موصوف کی منصب افتاء کی صلاحیت اور آپ کی فقہی
بصیرت واضح ہے ۔

مفتی سوم ۔ صورت مسئول عنہا میں بحالت موجودہ بلاشبہ دفن محقق ہوچکا گو
خلافِ سنت ہوا انتہی ۔ خیال کیجئے صورت واقعیہ میں دفن محقق ہوچکا اور وہ بھی کامل و بلاشبہ تو پھر

اس صورت میں قباحتِ شرعی ہی کیا رہی ہے؟ بالفاظ دیگر یوں کہئے جسطرح بہ مواد طریقہ مشروعہ ہر ...
یہ بات قابل غور ہے کہ جب کوئی عمل خلاف سنت متوارثہ ہو تو پھر اس کا تحقق ...
شرعی کن بنیادوں پر ہوگیا ۔ مفتیان کرام نے نہ جانے وہ کون سی اصطلاح شرعی ایجاد
فرمائی کہ جس کی بناء پر ایک چیز خلاف سنت متوارثہ بھی ہو اور محقق بھی ۔ بریں فقہ
و تقوی الخ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کا مکتوب گرامی اور آپ کی رائے

آپ نے مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری کے نام مکتوب گرامی تحریر فرمایا ہے
جس میں بالاختصار اربابِ فتاوی کی آراء کا خلاصہ نقل کر کے اپنے خیال
کا اظہار فرمایا ہے نیز مفتی صاحب موصوف کی رائے بھی طلب کی ہے ۔ تحریر
فرماتے ہیں:-

"میرا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ یہ بحث اخبارات میں چھڑے اور
اصل صورت بھی دیکھی ہوئی تو ہے نہیں جہانتک معلوم ہوا ہے
کہ زمین پر تابوت رکھ کر چاروں طرف دور تک مٹی ڈالکر اور اس سطح کو
مسجد کی سطح کے برابر جو بہت اونچی ہے کر دیا گیا ہے ۔ اور اس پر
بھی قبر کا نشان بنا دیا ہے ۔ بنانے والوں کا بیان یہ ہے ۔ دریا کے قرب
کی وجہ سے سیلاب کے خوف سے ایسا کیا گیا ہے ..... پاکستان
کے علماء کی اکثریت کہتی ہے کہ اس طرح تدفین میں کوئی کراہت
نہیں لہذا کوئی اشکال نہیں ۔ ہندی اہل فتاوی کی اکثریت کہتی

ہے کہ تدفین تو مکروہ ہوئی لیکن جو ہوگیا اب اس کا دوبارہ نبش جائز نہیں ہے۔ احقر خود اہل فتویٰ نہیں ہے لیکن اس واقعہ کے بعد ہندو پاک کے اکثر اہل فتویٰ سے میں نے فتاویٰ منگائے ہیں۔ جن کا خلاصہ اوپر لکھا ہے۔ خیال میرا ابھی یہی ہے کہ اب نبش نہ کیا جائے۔ اپنی رائے عالی سے مجھے ضرور مطلع فرمائیں۔

محمد زکریا مظاہر علوم

۱۷ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ

"مکتوب گرامی کا تجزیہ"

مکتوب گرامی میں چند امور وضاحت طلب ہیں اور چند اشکالات ہیں جو مختصراً عرض ہیں۔

(۱) علماء ہند و پاک کی اکثریت کا جو فیصلہ نقل کیا گیا ہے یہاں وضاحت ہونی چاہئے تھی کہ حاصل شدہ فتاویٰ کی بنیاد پر اکثریت و اقلیت کی تقسیم کی گئی ہے یا جملہ علماء ہند و پاکستان کی نسبت سے اکثریت کا یہ فیصلہ ہے۔

(۲) کیا اکثریت و اقلیت کی تعبیریں مدار حق و ناحق بن سکتی ہیں؟ اور کیا مسائل علمیہ و حقائق دینیہ میں جمہوری طرز فکر اپنایا جا سکتا ہے؟ یا فیصلہ نصوص قطعیہ کے مطابق ہوتا ہے۔ آہ صحیح کہا شاعر مشرق نے۔

متاع معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی ز موراں شوخیٔ طبع سلیمانے نمی آید

گریز از طرز جمہوری، غلام پختہ کارے شو کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

(پیام مشرق ۱۵۸)

(۳) تعلیم باری تعالیٰ۔ فبعث اللّٰہ غرابا یبحث فی الارض الآیہ۔ کے بعد سے تا قیام قیامت میت مسلم کی تدفین کا وہی منصوص و مشروع طریقہ امت پر واجب ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام اور امم ماضیہ کا تعامل و توارث رہا ہے اور سید الانبیاء سرکار دوعالم صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود شدید تعب و مشقت کے غزوہ احد میں صحابۂ کرام رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم کی درخواست پر تحفیر ارض میں کمی کرنے کی بھی اجازت مرحمت نہیں فرمائی بلکہ ارشاد فرمایا احفروا واوسعوا واعمقوا (الحدیث) لہٰذا کتاب اللّٰہ سنت رسول اللّٰہ تعامل و توارث جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں کیا کوئی متدین صاحب بصیرت نہیں صاحب بصارت عالم نہیں بلکہ علماء کی صحبت میں حاضر باش و واقف کار شخص بھی صورت واقعیہ میں عدم کراہت کا قول کر سکتا ہے کیا اس ناقابل التفات قول کو لفظ فتویٰ سے تعبیر کرنا شرعاً و عرفاً مناسب ہے؟؟ گویا ان لوگوں کے نزدیک تحفیر ارض و تعمیق ارض یعنی قبر کھودنا اور گہرا کرنا لحد یا شق بنانا سنت بھی نہیں بلکہ استحباب کے درجہ کی چیزیں ہیں۔ اگر کوئی ان چیزوں پر عمل کرے تو مستحسن ہے اچھا ہے اور اگر عمل نہ کرے تو قابل ملامت نہیں۔ فی نفسہ عدم کراہت کے قول کی اہمیت نہیں۔ لیکن شیخ الحدیث صاحب جیسی گرامی شخصیت کا علمی اختلاف کے ذیل میں اس کا ذکر کرنا انتہائی تعجب خیز ہے۔ عقل حیران ہے کہ اس کی کیا تاویل کی جائے۔

(۴) جن اہل فتاویٰ نے محض کراہت کا قول کیا ہے دریافت طلب یہ ہے کہ وہ کس بنیاد پر کیا ہے۔ کیا کوئی فقہی جزئیہ ہے کہ ایسی صورت کو مکروہ کہا گیا ہو ـــــ عدم کراہت کا قول کرنیوالوں کے مقابلہ میں کراہت کا قول کرنیوالوں کے نزدیک قبر کھودنا وغیرہ امور استحباب کے درجہ سے بڑھ کر سنت مؤکدہ کے درجہ کی چیزیں ہیں۔ ارشاد نبوی صلے اللّٰہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔ احفروا واوسعوا واعمقوا۔ الحدیث۔ میں کیا یہ تمام امر کے صیغے وجوب کیلئے

نہیں ہیں ـــــ ؟ ؟ قبر کھودنا ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق واجب ہے کسی دور میں بھی کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے اور یہ واجب کتاب اللہ سنت رسول اللہ سے ثابت ہے جس پر انبیاء علیہم السلام کا تعامل و توارث رہا ہے اس کے ترک کو محض مکروہ قرار دینا اختراع محض و ایجاد بندہ ہے۔ حالانکہ یہ واجب فرض ہے اور فی الحقیقت ترک فرض پر تو عمل ہی باطل ہوجاتا ہے لیکن کیا ترک واجب پر بھی کسی عمل کو مکروہ کہا گیا ہے فقہی جزئیات میں اس کی نظیر پیش کی جاسکتی ہے؟ جب کہ اس صورت واقعیہ کے خلاف فقہی جزئیہ موجود ہے قولہ۔ حفر قبرہ۔ و مفادہ انہ لایجزی۔ دفنہ علی وجہ الارض بناء علیہ۔ شامی۔

اگرچہ یہ جزئیہ مسلک امام شافعیؒ پر ہے لیکن علامہ ابن عابدینؒ کا بطور استدلال نقل کرنا اس کی تائید کو ظاہر کرتا ہے۔ گو مفہوم مخالف احکام میں حنفی مسلک میں معتبر نہیں ہے۔ اس لئے واضح ہونا چاہئے کہ کراہت کا قول کرنیوالوں کے نزدیک تحفیر ارض (قبر کے لئے زمین کھودنا) فرض و واجب ہے یا سنت۔ ؟؟

(۵) حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ان فتاویٰ کا خلاصہ ذکر کرنیکے بعد آخر میں اپنی رائے عالی کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:۔

"خیال میرا بھی یہی ہے کہ اب نبش نہ کیا جائے" اول تو مسائل میں اظہار خیال و رائے کی اصولاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سنت متوارثہ میں قیاس و خیال کی کیا مجال۔ اور اگر قیاس و استنباط فرمایا ہے تو واضح فرمائیں کہ یہ خیال اصولِ فقہ میں سے کون سی اصل سے مستنبط ہے جبکہ اکابر علماء کرام کے درمیان اختلافِ رائے پیدا ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں خیال و رائے پر ثبوت و دلیل کا مطالبہ اور ضروری ہوجاتا ہے ـــــ شخصیات کی عظمت اور ان کی علمی قدر و منزلت مسلّم مگر امورِ شرعیہ میں ان کا بے ثبوت و بے دلیل قول بے وزن ہے۔ کتب فقہ میں بکثرت اس کی نظائر موجود ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں ان تمام گذارشات کے بعد ہم خواہشمند ہیں کہ ہندوپاک کے اہل فتاویٰ کی اکثریت نے اپنے فتاویٰ میں اپنی رائے پر جو دلائل قائم فرمائے ہیں ان کو منظر عام پر لائیں نیز اپنے خیال پر آپ بھی دلائل قائم کریں تاکہ معلوم ہوجائے کہ اصل و فرع و حکم و علت میں مطابقت بھی ہے یا نہیں؟

اب ذرا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کے فتوے پر بھی نظر ڈال لیجئے گا یہ فتویٰ بھی ہے اور شیخ الحدیث صاحب کے مکتوب گرامی کا جواب بھی۔ اور جدت و ابتکار کا شاہکار بھی ہے اور غیر شعوری طور پر اپنی تہی مائگی کا اقرار و اعتراف بھی۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا جواب

نوازش نامہ۔ ہدایت نامہ ـــ ؟؟ ملا۔ ذرہ نوازی کا شکریہ، ادا کرتا ہوں۔ حضرت رائپوری قدس سرہٗ کے مزار مقدس ـــ ؟ کے متعلق جو معلومات آپ نے تحریر فرمائی ہیں ان سے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہوگیا۔ اخبارات میں جب سے یہ مسئلہ شروع ہوا ہے میں سخت پریشان تھا اور اظہار رائے سے خوف زدہ تھا اب جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ تو بھی اپنی رائے سے ضرور مطلع کر۔ اب آپ کی خدمت میں اظہار رائے سے شرم محسوس کر رہا ہوں کیا میں اور کیا میری رائے ـــــ ؟ محض تعمیل حکم کی سعادت حاصل کرنیکی غرض۔ سے عرض پرداز ہوں۔

(۱) انتقال جنازہ کے متعلق تو فقہاء نے بعض حالات میں اجازت دی ہے اگرچہ اس میں اختلاف بھی موجود ہے لیکن حضرت رائپوری قدس سرہٗ کے تابوت مقدس کو موجودہ صورت اختیار کرلینے کی وجہ سے جنازہ یا تابوت محض قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(۲) یہ بھی غلط ہے کہ حضرتؒ کی نعش مبارک کی تدفین عمل میں نہیں آئی کیونکہ قبر شریف کی موجودہ صورت کو تابوت یا جنازہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس کے انتقال

کی اجازت دی جائے بہر حال تدفین عمل میں آچکی ہے اور قبر شریف بن چکی ہے اگر چہ طریقہ غیر مسنون اختیار کیا گیا ہے لیکن دریا کے قرب کے عذر کے باعث یہ کراہت باقی نہیں رہی ۔ صاحب فتح القدیر تحریر فرماتے ہیں (ولا ینبش بعد اھالۃ التراب مدۃ طویلۃ ولا قصیرۃ الا بعذر الخ) اور حضرت کے تابوت پر اہالۂ تراب کا عمل ہو چکا ہے اس لئے اس کو اب عرفاً اور شرعاً تابوت نہیں کہا جاسکتا، بلکہ قبر یا مزار ہی کہا جائیگا ۔

مذکورہ عبارت کے بعد صاحب فتح القدیر نے بعض حضرات صحابہؓ کے دار الحرب میں مدفون ہونے کو ذکر فرما کر عذر کی حیثیت کو بھی ختم کر دیا ہے اور اس کے بعد بعض مشائخ کے قول کا رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے ۔ فتجویز شواذ بعض المتاخرین لا یلتفت الیہ ولم یعلم خلاف بین المشائخ فی انہ لا ینبش الخ ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبش قبور کا مسئلہ مختلف فیہ بھی نہیں ہے بعض حضرات نے حضرت یعقوبؑ و حضرت یوسفؑ کے تابوت کے منتقل ہونیسے استدلال کیا ہے کہ جو غلط ہے ۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں ۔ لم تتوفر شروط کونہ شرعاً لنا

بہر حال اس مسئلہ میں تفصیل آپ کے سامنے ہے میں تو تعمیلاً للحکم عرض کر رہا ہوں ۔ خدا شاہد ہے کہ اگر شریعت نے تھوڑی سی گنجائش چھوڑی ہوتی تو شاید میں پہلا شخص ہوتا جو اس سعادت عظمیٰ کو پاکستان کی زمین سے ہندوستان کی زمین کی طرف منتقل کرانے میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیتا لیکن تلاش بسیار کے باوجود بھی میں شرعی گنجائش معلوم کرنے میں قاصر رہا ۔

فقط بندہ عزیز الرحمن ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ

بنوری صاحب کے جواب کا تجزیہ

ہم بنوری صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ مکتوب گرامی میں کیا ایسی معلومات ہیں جو اس سے پیشتر اخبارات میں نہیں آئیں جن اخبارات میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا بصورت واقعیہ ضرور سامنے آئی ہے الفاظ و عبارات کے تغیر کے باوجود مفہوم قریب قریب یہی تھا جو مکتوب گرامی میں مذکور ہے ، پھر وہ کیا لطیف رابطہ تھا جس نے صورت حال کو کلیتاً منکشف کر دیا۔ اور بلا کسی رجوع کتب فقہیہ کے مسئلہ پوری طرح نکھر گیا کہیں ایسا تو نہیں کہ سہ

زمقام من چہ پرسی بطلسم دل اسیرم ۔۔۔ نہ نشیب من نشیبے نہ فراز من فرازے

(۲) اور اگر آپ کے علم میں صورت واقعیہ بالکل نہیں تھی یا تھی مگر پوری طرح واضح نہ تھی تو پھر مکتوب گرامی سے قبل آپکی اس تحریر کا کیا مطلب ہے؟ (جو مکتوب گرامی سے قبل مطبوعہ ذنادی میں شائع ہو چکی ہے)

"کافی عرصہ سے اخبارات میں حضرت قطب الاقطاب مولانا شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی قبر شریف کے متعلق خبریں اور مختلف رائیں آرہی ہیں ۔ گذشتہ دنوں میں معاصر "ندائے ملت" نے مسلم پریس کو بھی آواز دی تھی جس کی بناء پر ہمیں بھی فکر لاحق ہوئی اور کتابوں کی ورق گردانی اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی ہدایت کے بموجب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم سے خط و کتابت کی۔"

(الف) گو ہماری تحقیق میں تو آجتک بھی شرعاً و عرفاً اس کا قبر ہونا محقق نہیں ہے جہاں جسد اطہر کو محبوس کیا گیا ہے ۔ لیکن بقول آپ کے قبر شریف کے متعلق خبریں اور رائیں الخ اسی صورت واقعیہ پر مبنی تھیں جو سب ہماری نظروں سے

بھی گزری ہیں آخر بتایئے تو مکتوب گرامی میں مزارِ مقدس کے متعلق وہ خاص معلومات کیا ہیں جنھوں نے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا جب کہ وہ خود مکتوب گرامی شکوک و شبہات اور اشکالات سے محفوظ نہیں ہے۔ آپ ضرور اس حل مشکلات کی نشان دہی فرمائیں جس نے چودہ طبق روشن کر دیئے۔ نیز اظہار خیال میں خوف کی بجائے جرأت پیدا کر دی کیا یہ کرامت مکتوب کی ہے؟

(ب) بجنوری صاحب! فرمایئے جب مکتوب گرامی سے ہی آپ کو ایسی معلومات ہوئیں جن سے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو گیا تو اس سے پیشتر جب کہ آپ شکوک و شبہات کا شکار تھے اس وقت کتابوں کی ورق گردانی کس بنیاد کے تحت فرما رہے تھے؟

(۳) بجنوری صاحب نے فرمایا کہ اخبارات میں جب سے یہ چھڑا ہے میں سخت پریشان تھا اور اظہار خیال ور لئے سے خوف زدہ تھا۔ اور مکتوب گرامی کے بعد فرماتے ہیں" خدا شاہد ہے کہ اگر شریعت نے تھوڑی سی گنجائش چھوڑی ہوتی تو شاید میں پہلا شخص ہوتا جو اس سعادت عظمیٰ کو پاکستان کی زمین سے ہندوستان کی طرف منتقل کرانے میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیتا لیکن افسوس کہ تلاش بسیار کے باوجود بھی میں شرعی گنجائش معلوم کرنے میں قاصر رہا۔

جب یہ مسئلہ اخبارات میں آیا اور بقول آپ کے معاصر "ندائے ملت" کی آواز پر آپ کو بھی فکر لاحق ہوئی اور کتابوں کی ورق گردانی کی۔ تو تحقیقات کے بعد جب مسئلہ محقق و واضح ہو گیا تھا تو پھر پریشانی کیا تھی؟ اور اظہار رائے سے خوف زدہ کیوں تھے جبکہ فریقین کی مختلف رائیں بھی سامنے تھیں؟ آخر یہ کیا بات ہے کہ مکتوب گرامی کے بعد مسئلہ اس درجہ محقق ہوا

کہ بے خوف و خطر حکومت ہند و پاک اور حضرتؒ کے متعلقین و منتسبین کو تنبیہات و فہمائشیں بھی فرما دیں۔؟

ہر معنیٔ پیچیدہ در حرف نمی گنجد
یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی؟

اس کے بعد بجنوری صاحب نے فقہی تصریحات کے خلاف موجودہ صورت کو قبر شرعی و تدفین شرعی ثابت کرنے کے لئے عجیب مضحکہ خیز انداز سے استدلال کیا ہے جس کو عقل و آگہی سے کوئی واسطہ نہیں کجا فقہ کی سنگلاخ وادی فرماتے ہیں، یہ بھی غلط ہے کہ حضرتؒ کی نعش مبارک کی تدفین عمل میں نہیں آئی۔

دلیل ملاحظہ ہو

کیونکہ قبر شریف کی موجودہ صورت کو تابوت یا جنازہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس کے انتقال کی اجازت دی جائے۔ بہرحال تدفین عمل میں آچکی ہے اور قبر شریف بن چکی ہے۔ الخ

کیا یہ تحریر کسی پرائمری سکول کے بچے کی ہے؟ نہ اس کے کلمات درست نہ جملے۔ مفردات سے لیکر مرکبات تک تنافر ہی تنافر

یاد رکھے جب تک تدفین شرعی نہیں ہوتی اس وقت تک اسکو یقیناً تابوت یا جنازہ ہی کہا جائیگا۔ مگر مفتی صاحب موصوف سے کوئی یہ تو دریافت کرے کہ ورق گردانی اور تلاش بسیار کے بعد کتب فقہ میں یہ اصول کہاں سے درآمد کیا کہ جب تابوت یا جنازہ ایسی صورت میں ہو کہ اس پر تابوت یا جنازہ کا اطلاق نہ ہو سکے تو تدفین بھی ہو گئی اور قبر بھی بن گئی۔ کیا یہ مانعۃ الخلو ہے کہ تیسری کوئی شکل ممکن ہی نہیں۔ یاد رہے کہ صورت و ظاہر کے اعتبار سے تابوت یا جنازہ کوئی بھی غیر شرعی صورت اختیار کرے مگر حکماً اسے تابوت یا جنازہ ہی

کہا جائے گا اس کی ظاہری صورت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جب تدفین کے زمانہ میں خود ہی قبر فرما رہے ہیں تو اس کو تابوت یا جنازہ کہنے کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے۔ غور کیجئے یہ جملہ کتنا مضطرب اللفظ والمعنی ہے۔ قبر شریف کی موجودہ صورت کو تابوت یا جنازہ نہیں کہا جا سکتا —— اور یہاں یہ قبر کے ساتھ موجودہ صورت کی قید کیسی ہے؟ کیا اس کا مفاد اس حقیقت کا اعتراف نہیں ہے کہ موجودہ صورت قبر شرعی کی صورت سے مختلف ہے۔

آہ۔ وہ مقدس فن جسے سراج الامت افضل التابعین، امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً اور آپ کے سعادتمند ساتھیوں نے انتہائی جانکاہی وجاں سوزی اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ مرتب فرمایا تھا۔ جو عزتِ نفس، وقارِ حیات اور انسانی اخوت واکرام جیسے لوازم کے سلسلہ میں ایک منارہ نور تھا بلند بہت بلند وہ آج بعض کم فہم عقل ونظر اور تہی دامان فکر وفن کے لئے اک آلہ تفریح بن رہا ہے۔

فیاموت زر ان الحیاۃ ذمیمۃ
ویا نفس جدی ان دھرک ھازل

التحریر النادر فی حرمۃ نبش القبر للشیخ عبد القادر کا تجزیہ

بڑے سائز کے ۲۰ صفحات کا یہ رسالہ مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور کے افادات کا مجموعہ ہے۔ ناشر مولوی عبد الجلیل و مولوی عبد الوحید صاحبان ہیں۔ ہم اس کے مطالعہ کے بعد سخت حیران و پریشان ہیں کہ اس کو مفتی صاحب کی تحریر خیال کریں یا ان کی طرف منسوب اس لئے کہ رسالہ میں کتب فقہ کی عبارات کی تشریحات و تعبیرات جس انداز میں پیش کی گئی ہیں وہ کچھ اس قسم کی ہیں کہ اگر دانستہ بقید ہوش

و حواس و بالارادہ قلمبند کی ہیں تو وہ تحریفات و تلبیسات اور تضاد بیانی کا مجموعہ ہے اور بصورت دیگر وہ مبادیات علم وفن تک سے ناواقف کی تحریر یا نتی ہوگی ہم ان دونوں صورتوں کو مفتی صاحب کی شان عالی سے بعید سے بعید تر سمجھتے ہیں۔ گمان غالب یہی ہے کہ یہ تحریر مفتی صاحب کی نہیں ہے بہر حال کسی کی بھی ہو ہمارے پیش نظر رسالہ کے مندرجات کے تجزیہ کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے تھے کیونکہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی "کشف الحقیقۃ" میں ایک استفتاء کے جواب میں رسالہ ہذا کے استدلالات فاسدہ کے تار و پود بکھیر چکے ہیں۔ ہاں اسی کے بعض گوشوں کی وضاحت اور بعض دیگر اقتباسات کے متعلق ضروری بحث کرنی ہے۔

(۱) رسالہ کا نام رکھنے والا شخص عربی ادب سے واقف نہیں معلوم ہوتا۔ عبارت کا سیاق وسباق دلالت کر رہا ہے کہ "القبر" تک تو رسالہ کا نام ہے۔ اور اس کے بعد لام جارہ کا مدخول الشیخ مصنف رسالہ ہیں۔ گویا حضرتؒ رسالہ کے مصنّف ہیں۔ کیونکہ کتابت وتحریر کے سلسلہ میں لام جارہ کا مدخول ہمیشہ مصنف ہی ہوتا ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ "القبر" سے "شیخ کی قبر" مراد لینا جو ترکیب اضافی کا مفہوم ہے لفظاً ومعنیً عبارت میں اس مفہوم کی گنجائش نہیں۔ اوّل تو "القبر" معرف باللام ہے اس لئے مضاف نہیں ہوسکتا۔ دوم۔ قبر وشیخ کے درمیان لام جارہ فاصل موجود ہے۔ اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے عبارت یوں ہوتی "فی نبش قبر الشیخ" اور بکثرت تتابع اضافات کے باعث یہ عبارت بھی درجۂ فصاحت سے گر جاتی:

واقعہ یہ ہے کہ یہ تحریر اسم بامسمّیٰ ہے۔ من کل الوجوہ نادر ہی نادر ہے۔

مفتی صاحب نے "التحریر النادر" فرما کر غیر شعوری طور پر یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اس قضیہ میں "حرمت نبش قبر" کا حکم لگانا فقہ کے مسلمہ اصول کے مطابق نہیں ہے کیونکہ غیر مدفون کو مدفون قرار دینا اور محبوس التابوت فرض کر کے "حرمت نبش قبر" کا حکم لگانا یقیناً ایک ایسا نادر حکم ہے کہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔

۔ کچھ ہوش ہو تو داغ کو سمجھائیں نیک و بد
ڈوبا ہے وہ تو نشۂ جام شراب میں!

(۲) مفتی صاحب موصوف کی تارکین تدفین شرعی کے بارے میں دو متضاد رائیں ہیں۔ ایک فتوی میں تارکین تدفین شرعی کو توبہ و استغفار کی تلقین کرتے ہیں اور دوسرے فتوے میں انھیں گناہ سے بری قرار دیتے ہیں بلکہ گناہگار قرار دینے والوں پر فرد جرم لگا رہے ہیں۔ التحریر النادر ص۴ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"ان سنتوں کے چھوٹنے سے دفن بھی کالعدم نہیں ہوگا اور آٹھ سال سے وہ تمام مسلمان جن کو اس واقعہ (بلا تحفیر ارض سطح زمین پر رکھنے) کا علم ہے فرض کفایہ کے تارک بن کر گناہگار نہ ہوں گے اگر حفر و لحد فرض ہوتے تو سب کا گناہگار ہونا لازم آتا۔ انتہی ص۶ پر ارشاد ہے" آج تک کے آٹھ نو سال تک کے تمام مسلمانوں کو جنکو یہ علم ہو چکا فرض کفایہ کا تارک قرار دیکر گنہگار عظیم کہنا ہے جو بے اصل خلاف احکام شرع ہوتے کی وجہ سے ایک جرم بن سکتا ہے۔ انتہی

لیکن جناب نے خود ہی ایک جگہ استغفار کی تلقین فرما کر اپنے اوپر فرد جرم عائد کر لی اور خود ہی اپنے فیصلہ کی زد میں آگئے۔ ع

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

کیونکہ استغفار کی تلقین (غیر معصوم کے لئے) ان کے گناہگار ہونیکو مستلزم ہے ـــــ ہندو پاکستان کے علماء کرام کا فتویٰ مطبوعہ ص۲۶ پر ارشاد فرماتے ہیں:-

"مگر اب بعد تکمیل اس کو کھول کر اصلاح کرنا جائز نہیں جو ہو چکا ہو چکا کرنیوالے استغفار کریں۔" انتہی۔

(۳) حیرت ہے کہ مفتی صاحب کو آج تک دفن کے لغوی و شرعی معنی میں

[..]یں امتیاز بھی معلوم نہیں۔ دفن کے معنی لغوی چھپانے کو مدار حکم شرعی بنایا گیا ہے۔ دلیل میں فرماتے ہیں:- الدفینۃ الکنز۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دفن چھپانا ہے اسی لئے خزانہ کو دفینہ کہتے ہیں الخ

یہ دلیل ان کے لئے مفید مطلب نہیں بن سکتی اس لئے کہ دفینہ ہمیشہ زمین کھود کر زمین میں چھپانیکو کہتے ہیں۔ صندوق میں بند کرنیکو کوئی دفینہ نہیں کہتا یعنی گڑھا دفینہ کی [..] حقیقت میں داخل ہے۔

دفن کے لغوی معنی بے شک چھپانے کے ہیں مگر شرعی معنی کی حقیقت میں "بحث" داخل ہے جس کے معنی کھودنا ہے لہٰذا دفن کے اصطلاحی معنی یہ ہوئے زمین کھود کر میت کو زمین میں چھپانا۔

کتب فقہ میں جا بجا دفن کی تعریف "او یحفر القبر" سے کی گئی ہے چنانچہ فتح القدیر شرح الوجیز ص۴۲ پر دفن ہی کے سلسلہ میں یہ عبارت۔ القول فی الدفن۔ واقلہ حفرۃ تحرس المیت عن السباع وتکتم رائحتہ واکملہ قبر، مفتی صاحب ہی کی نقل کردہ ہے اس سے بھی تعریف دفن واضح ہے یعنی دفن میت میں کم از کم اتنا گڑھا ہونا ضروری ہے جو میت کو محفوظ کر دے اور اس کی بو کو بند کر دے مفتی صاحب گرچہ خود بھی اس کے معترف ہیں کہ نفس دفن تو فرض کفایہ ہے لیکن ص۴۳ پر دفن کی تعریف شرعی "ویحفر القبر" سے حفر کی فرضیت کے رد میں فرماتے ہیں کہ: ہدایہ و کنز وغیرہ کے لفظ "و یحفر القبر ویلحد" سے ممکن ہے کسی کو خیال ہو کہ زمین کھودنا اور لحد بنانا ہی ضروری ہے تو یہ اس لئے صحیح نہیں کہ وہاں وجوب کا کوئی لفظ نہیں ممکن ہے کہ سنت طریقہ بیان ہو اور بات بھی ہے، بدائع صنائع میں ہے واما سنۃ الحفر فالسنۃ فیہ اللحد عندنا۔ التحریر النادر ص۳ ہندو پاکستان کے علماء کا فتوی ص۲۴ پر فرماتے ہیں "حفر سنت ہے بدائع کے الفاظ "سنۃ الحفر" واضح کر رہے ہیں" الخ

(الف) تحفیر ارض کی فرضیت کے سلسلہ میں ہم آخر میں مستقلاً مضمون لکھیں گے اس لئے ہم یہاں اس سلسلہ میں کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتے محض خود ساختہ استدلال کا ہی رد کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب نے ایک طرف تو متعدد کتب فقہ سے "دفن المیت فرض علی الکفایۃ" کی عبارت نقل فرمائی ہے، واضح رہے کہ لفظ کفایہ کا تعلق مدفونین سے نہیں ہے بلکہ دفن کے ذمہ داروں سے ہے ممکن ہے کہ مفتی صاحب کو یہاں بھی سہو ہوا ہو اور خیال کیا ہو کہ کفایہ کا تعلق مدفونین سے ہے اس لئے اگر کوئی میت بغیر دفن کئے سطح ارض پر رکھ دی جائے تو فرض کفایہ ہونیکی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

مفتی صاحب نے دفن کی تعریف شرعی کو نظر انداز کرتے ہوئے حفر کو سنت ثابت کرنیکی سعی لاحاصل فرمائی ہے۔ اوّل تو حفر قبر اور لحد دونوں الگ الگ ہیں حفر قبر فرض ہے اور لحد سنت ہے انشاء اللہ ہم سب کو عنقریب ثابت کر کے دکھلائیں گے مگر مفتی صاحب کے قول کے مطابق حفر قبر و لحد کو اس لئے غیر ضروری کہنا کہ ہدایہ و کنز وغیرہ میں وجوب کا کوئی لفظ نہیں ہے باعث حیرت ہے جبکہ کتب فقہ میں کہیں بھی فرائض کی ادائگی کی تفصیل میں وجوب کا کوئی صیغہ نہیں ملیگا۔ غسل و کفن کیلئے بھی فقہ میں یغسل و یکفن کے صیغے آئے ہیں۔ عموماً مضارع مجہول ہی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں تو پھر بقول مفتی صاحب سارے احکام جو بغیر لفظ وجوب بیان ہونگے وہ سنت ہونگے؟

دوم یہ کہ فرض وواجب اور سنت ہونیکا اثبات کتاب اللہ وسنت رسول اللہ و اجماع امت سے ہوتا ہے فقہ تو ثابت شدہ احکام کا اظہار اور انکی عملی صورتوں کا بیان ہے۔

سوم اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بدائع کی عبارت "اما سنۃ الحفر" سے حفر کے سنت ہونے پر استدلال فرمانا ہے۔ علم نحو کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ "سنۃ الحفر" ترکیب میں مبتدا و خبر نہیں ہیں بلکہ مضاف مضاف الیہ واقع ہیں اور

"ترکیب اضافی" ہمیشہ جملہ کا جزو ہوتی ہے اس کو مرکب غیر مفید بھی کہتے ہیں اور وہ ترکیب اسناد و حکم سے خالی ہوتی ہے ورنہ مفتی صاحب کی رائے کے مطابق مندرجہ ذیل تراکیب کے ترجمے کیا اس طرح کرنے درست ہوں گے۔ غلام زید۔ زید غلام ہے۔ امیر المؤمنین۔ مؤمنین امیر ہیں سنۃ الوضوء میں وضو سنت ہے۔ سنۃ الصلوٰۃ میں نماز سنت ہے۔ اور عبد اللہ۔ رسول اللہ۔ کلام اللہ۔ بیت اللہ۔ وغیرہ وغیرہ جیسی تراکیب اضافی میں مفتی صاحب ہی بتائیں کیا ترجمے فرمائیں گے؟ واقعی مفتی صاحب کے اس استدلال نے تو "التحریر النادرۃ" کو اسم بامسمیٰ بنا دیا۔ نادر بھی ایسا کہ آج تک نہ اہل لسان نے ہی اس کا صحیح مفہوم سمجھا اور چودہ سو سال تک قرآن واحادیث میں اس ترکیب کی بنیاد پر صحیح مفہوم کے برعکس احکام سمجھے گئے۔ مفتی صاحب کی اس ندرت نے تو اسلام کے بہت سے احکام کو تہہ و بالا کر دیا۔ مفتی صاحب فرمائیں کہ یہ رسالہ کیا اس کا مصداق نہیں ہے ؎

برعکس نام نہند زنگی کا فور

واقعہ یہ ہے کہ حفر کی فرضیت بیان کرنے کے بعد "اما سنۃ الحفر" سے حفر کی مسنون صورت کا ذکر کیا گیا ہے صحیح ہے حبك الشیء یعمی و یصم۔

(ب) مفتی صاحب نے ایک ہی دلیل سے دو مختلف دعوے ثابت فرمائے ہیں جبکہ وہ حقیقت میں دلیل دعویٰ بھی نہیں ہے۔ ہند و پاکستان کے علماء کا فتویٰ ۲۱ پر ارشاد فرماتے ہیں "دفن کی کوئی خاص صورت فرض وواجب نہیں سنت ہے۔ ہاں لوگوں کی نظروں سے مستقل طور پر چھپا دینا یہ دفن ہے جو فرض ہے عینی شرح ہدایہ ج۲ ص۱۱۲ فصل فی الدفن المقصود منہ ستر سوءۃ المیّت والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوءۃ اخیہ۔ وھو واجب

اجماعًا۔

دوسرا دعوی۔ التحریر النادر ص۳ پر ارشاد فرماتے ہیں "دفن کا ادنیٰ درجہ ... فرض کفایہ ادا ہو سکے کیا ہے — ؟

عینی شرح ھدایہ فصل فی الدفن میں ہے۔ المقصود من الدفن ستر سوءۃ المیت والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ فبعث اللہ غرابًا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوءۃ اخیہ وھو واجب اجماعًا۔

دیکھئے ایک جگہ۔ ستر سوءۃ المیت۔ میت کے جسم کے چھپانے کو دفن قرار دیا ہے۔ دوسری جگہ اسی کو دفن کا ادنیٰ درجہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دفن کامل نہیں بلکہ اس کا جزء ہے۔ مفتی صاحب ہی فرمائیں اس کا کامل درجہ کیا ہے؟ حالانکہ عینی کی مذکورہ عبارت کے ذیل میں دفن کامل و ناقص کی تفریق اور صرف لوگوں کی نظروں سے بلا تحفیر ارض مستور کر دینا ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا۔

محترم مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی اس کا مختصر مگر بہت جامع مانع جواب دے چکے ہیں۔ حالانکہ اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے بصیرت کی چنداں ضرورت نہیں تھی صرف بصارت ہی کافی تھی۔ مگر افسوس کہ یہاں اس سے بھی کام نہیں لیا گیا۔ تعجب ہے کہ مفتی صاحب کو عبارت کے شروع میں ہی "منہ" کی مذکر غائب کی ضمیر نظر نہیں آئی اس کا مرجع دفن ہے جو عبارت میں مذکور ہے۔

فصل فی الدفن المقصود منہ الخ التحریر النادر ص۳ کے حاشیہ پر اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔ دفن کرنے سے مقصود تو میت کا جثہ چھپا دینا ہے" ظاہر ہے کہ عبارت کا مفہوم دفن شرعی کی حکمت اور اس کا مفاد بتلانا ہے مفتی صاحب کی "میزان" کی نقل کردہ عبارت" ان المقصود الاعظم من الدفن الوفاء

بحق المیت و اکرام جسمہ بعد الموت بتغییبہ عن العیون و عدم تاذی الناس برائحتہ و تعرضہم للوقوع فی سبہ اذا انتقوا النتن ... ملاحظہ میزان ج۱ ص۱۸۴ نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا ہے خیال کیجئے کیا یہ عبارت کے مفہوم میں تحریف و تلبیس نہیں ہے ؟

(۴) ترک فرض سے بالاتفاق عمل کالعدم ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا اور یہ سلفًا عن خلفٍ متفق علیہ و مجمع علیہ مسئلہ ہے لیکن مفتی صاحب یہاں بھی تضاد بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ التحریر النادر ص۹ پر ارشاد فرماتے ہیں "کیونکہ فرض ترک کرنے سے ہی عمل کالعدم ہو سکتا ہے۔" اور ص۸ پر اس طرح فرماتے ہیں:-

"لہٰذا ہر دفن کے بعد میت اللہ کی سپردگی میں پہنچ جاتی ہے خواہ ترک فرض سے ہو یا ترک سنت سے ہی ہو، یا صحیح ہو اور انسانی دسترس سے نکل جاتی ہے اور خدائی سپردگی پر دست درازی کرنا نبش حرام ہے۔ انتہی۔

گویا ترک فرض کے بعد بھی مفتی صاحب کے نزدیک دفن صحیح ہو جائیگا۔ اور عمل کالعدم نہیں ہوگا۔

ورنہ نبش کے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے؟ مفتی صاحب جیسی ذی علم شخصیت اور یہ بہکی بہکی باتیں۔ کیا غمتازی نہیں کر رہی ہیں کہ یہ کسی خارجی اثر کے تحت ہی قلم فرسائی فرمائی ہے جس میں علم و عقل نے یاری نہیں کی۔

(۵) حفر ارض (زمین کھودنے) کی فرضیت و وجوب کے انکار پر انتہائی نادر عجیب و غریب استدلال فرمایا ہے۔ ہندو پاکستان کے علماء کرام کا فتوے

مطبوعہ ص۲۷ پر ارشاد فرماتے ہیں :-

بلکہ لحد وشق نہ ہو گڑھا ہو اس میں ڈالنا بھی دفن ہے اور خلاف سنت ہے

نور الایضاح میں ہے۔ وان کان لکافر قریب مسلم غسلہ کغسل خرقۃ نجستہ کفنہ فی خرقۃ والقاہ فی حفرۃ

در مختار میں ہے :- یغسلہ غسل الثوب النجس ویلقہ فی حفرۃ۔ تو "القا فی الحفرۃ" کو دفن کہا گیا ہے مگر خلاف سنت ہے اور حدیث میں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ابو طالبؓ کی موت کی عرض کی تھی۔ حضور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا۔ "فواراہ" بخاری شریف۔ اس کو چھپا دو پھر اس کو فقہاء نے دفن کہا ہے۔ معلوم ہوا دفن چھپا دینا ہے۔ انتہی :

مفتی صاحب کی نقل کردہ حوالجات وعبارات میں کافر میت کا حکم بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی کا فر میت کا قریبی رشتہ دار مسلمان ہے اور اس پر اس کے کفن وغیرہ کی ذمہ داری آجائے تو اس کا غسل وکفن وغیرہ مسلم میت کی طرح نہیں ہوگا بلکہ اس کو اس طرح غسل دے جیسے ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں۔ اسی طرح کفن بھی کرے کہ اس کو کسی کپڑے میں لپیٹ دے۔ یہی معاملہ دفن کا بھی ہوگا کہ یوں ہی کسی گڑھے میں اس کو ڈال دے۔ یعنی وہ کفر کے باعث کسی اعزاز واحترام کا مستحق نہیں۔ اتنا بھی انسان ہونے کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

نیز ابو طالب کے بارے میں "فوارہ" یعنی اسکو چھپا دو۔ فرمانے کی علت بھی یہی ہے کہ ان کی موت ایمان پر نہیں ہوئی۔

اس استدلال پر مفتی صاحب کی فقہی بصیرت پر داد دیجئے۔ مزید برآں "خلاف

سنت" کی قید نے تو سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ جبکہ کافر کی میت میں کفن ودفن کی تعلیم وسنت "یہی ہے" مفتی صاحب ہی فرمائیں کافر کی میت میں تکفین وتدفین کا سنت طریقہ کیا ہے؟ کیا مفتی صاحب کو آج تک یہ بھی معلوم نہیں کہ اہل کفر اصول اسلام کے مخاطب ہوتے ہیں۔ فروع واحکام کے نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ کیف ما اتفق فقہی عبارت کو کثرت سے جمع کر دیا ہے۔ پورے رسالہ میں یہی روح کار فرما ہے۔ یہ چند اقتباسات ہی پورے رسالہ کی مکمل عکاسی کر رہے ہیں۔ اہل علم حضرات ہی خود فیصلہ فرمائیں کیا رسالہ تحریفات وتلبیسات ومتضاد بیانات کا مجموعہ نہیں ہے؟

خود مسیحا دشمن جاں ہو تو ہو کیونکر علاج!
کون رہبر ہو سکے جب خضر بہکانے لگے

"التحقیق النادر فی تدفین الشیخ عبد القادرؒ" کا تجزیہ

یہ رسالہ مولوی مشہود الحسن صاحب امروہوی پیش امام مسجد قصاب پورہ دہلی کا تصنیف کردہ ہے اس کے ناشر حاجی فتح محمد صاحب میواتی ہیں۔ معمولی لکھے پڑھے ہیں، وہ اس مسئلہ میں تذبذب کا شکار رہے ہیں۔ اپنی ناواقفیت کی بنا پر غریب آلہ کار بن گئے اور مسئلہ کی حقانیت اس درجہ واضح ہوئی کہ رسالہ کی اشاعت اور اسکی تصدیقات کے لئے جو تگ ودو کی وہ تو کی لیکن اپنے ہی سلسلے کی بڑی سے بڑی شخصیت

کو بھی اپنی مجالس میں انتہائی ناشائستہ و نازیبا الزامات و اتہامات سے محفوظ نہیں چھوڑا۔
اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد دسمبر ۷۲ء رائپور گئے اور جناب راؤ عطاء الرحمٰن صاحب اور جناب چودھری راؤ انعام خانصاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ میں نے رسالہ شائع کیا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی اس پر میں بہت ہی نادم ہوں۔ اور میں نے وہ رسالے محفوظ رکھے ہوئے ہیں تقسیم نہیں کرونگا۔ نہیں معلوم اس کے بعد آپ کیا گل کھلائیں گے؟ ـــــ اسی بہانہ غریب کو صفحۂ قرطاس پر جگہ مل گئی اور دیرینہ شوق و جذبہ پورا ہو گیا۔ جہاں تک امروہوی صاحب کے فتوے کی بات ہے وہ کسی حیثیت سے بھی قابل اعتنا نہیں ہے۔ ہم قطعاً اس کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن بعض ایسے حضرات کی جانب سے اس فتوے کی تحسین و توثیق ہوئی ہے جن کو مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ میں کسی نہ کسی درجہ میں پذیرائی حاصل ہے اسلئے اس فتوے کا تجزیہ کرنا مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ فاللّٰہ ھو المعین

ناشر صاحب لکھتے ہیں: مسودہ مزید توثیق کی غرض سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا جس کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مسودہ کے نعمانی صاحب کی سہارنپور موجودگی میں پہنچنے پر فرماتے ہیں آپکے جواب سے مجھ سے زیادہ وہ (نعمانی صاحب) مسرور ہوئے اسی وجہ سے پروگرام میں تبدیلی کر کے آپ سے ملاقات کے لئے دہلی آنیکا ارادہ فرما رہے ہیں الخ اور رسالہ کی تحسین و توثیق کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ کی مختصر تحریر بہت جامع بھی اور متین بھی ہے"

اس کے بعد ہمارے قابل احترام مفتیان عظام نے فتوی کے مضمون پر توجہ کی ضرورت ہی محسوس نہ کی مکتوب گرامی پڑھتے ہی "الجواب صحیح والمجیب مصیب"

لکھتے چلے گئے جس کی ایک طویل فہرست رسالہ کے ساتھ منسلک ہے ـــــ

ناشر صاحب کے بیان کے مطابق۔ ایک صاحب نے اس کی اشاعت میں آٹھ سو روپے صرف کئے جو دہلی کی ایک معزز شخصیت اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کے بہت معتقد ہیں۔ رسالہ منظر عام پر آیا جس میں ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوا کہ مؤیدین صاحبان علماء کرام نے امروہوی صاحب کے استدلال پر مطلقاً غور و فکر کی ادنیٰ زحمت بھی گوارا نہ فرمائی۔ کیا ہمارا یہ کردار غمازی نہیں کر رہا ہے۔ کہ اصول و دلائل کے مقابلہ میں شخصیت کو معیار قرار دینے کی بدعت ہم میں بھی چل پڑی ہے۔ اپنے حلقہ کی کسی با اثر مقتدی شخصیت کے کسی مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کر دینے کے بعد اسکے خلاف تحقیق و تنقید کو قبیح و منکر شرعی خیال کرتے ہیں اور کچھ ایسا مزاج بن گیا ہے کہ ع

ہر عیب کہ سلطاں بپسندد ہنر است

اب ہم امروہوی صاحب کے فتویٰ کے بعض ضروری حصوں کا تجزیہ کرتے ہیں جس سے اکابر کی موثق تحقیقی تحریر کا متین ہونا عیاں ہو جائیگا۔

(۱) امروہوی صاحب نے دنیا کو مغالطہ دینے کیلئے تدفین شرعی کے تقاضہ کرنیوالوں پر سوال میں تلبیس کا الزام لگایا ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ اور یگانۂ روزگار فاضل اجل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کو مغالطہ کا شکار قرار دیا ہے اور تلبیس کے ثبوت میں "فتاوی ہند و پاکستان۔ غیر مطبوعہ کا وہ سوال نقل کیا ہے جو دار العلوم دیوبند کے جواب کے ساتھ ہے جسمیں اس دفن کو صحیح قرار نہیں دیا گیا ہے سوال ۵۲۲ ہے جواب ۲۲۳ ہے جس پر مفتی مہدی حسن صاحب اور نائب مفتی صاحب کے دستخط ہیں تاریخ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ ہے ۱۳۸۲ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے سابقہ فتوی مولوی عبد الجلیل صاحب کے

ہی کے استفتاء کے جواب کی تصدیق میں دیا تھا جو مولوی عبدالجلیل صاحب کے
شائع کردہ "ہند و پاکستان کے علماء کرام کا فتوے ص۵" پر موجود ہے جس میں حضرت
مہتمم صاحب مدظلہ کی تصدیق کا بھی دعوے کیا گیا ہے۔ جمادی الاول ۱۳۹۱ھ میں
اپنے سابقہ فتوے سے رجوع کیا گیا ہے اس میں حضرت شیخ الحدیث صاحب
بنوری اور مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
اور نعمانی صاحب کی بیان کردہ صورت کو ہی صراحتہً بنیاد بنایا ہے۔ کشف الحقیقہ
بصائر و عبر ص۸ پر حضرت شیخ الحدیث بنوری فرماتے ہیں کہ:۔

"ان دو مستند تحریروں کا مدار بھی مولوی عبدالجلیل صاحب کی تحریر ہی پر ہے
اس سے بڑھ کر صورت حال کی وضاحت اور کیا ہو سکتی ہے"

جب کہ ان دونوں تحریروں اور امروہوی صاحب کی نقل کردہ صورت سوال کے
مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا امروہوی صاحب کے تلبیس کے اس الزام سے
حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی و نعمانی صاحبان بھی محفوظ نہ رہے۔ ان غیر مبہم و واضح
تفصیلی طور پر تحریری شہادتوں کی موجودگی میں عدل و انصاف کے معیار پر امروہوی صاحب
کیا خود ہی نہ صرف تلبیس کے بلکہ غلط بیانی کے بھی مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ وہ غالباً
تلبیس کی تعریف سے بھی واقف معلوم نہیں ہوتے ؎

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

امروہوی صاحب! ہند و پاکستان کے علماء کرام کا فتویٰ ص۱ پر یہ استفتاء بھی
نظر سے گذرا ہو گا جو اسی صورت واقعیہ کے بارے میں کیا گیا ہے:۔

"کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ میت کو قبر سے نکالنا
دفن کے بعد جبکہ قبر بن چکی ہے جائز ہے؟"

کیا یہ استفتاء واقع کے مطابق ہے؟ یا تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔ مگر امروہوی

صاحب کو یہاں تلبیس کیوں نظر آنے لگی۔

درجہاں بال و پر خویش کشودن آموز
کہ پریدن نتواں با پر و بال دگراں

(۲) امروہوی صاحب نے یہ ثابت کرنیکے لئے کہ حضرت رحمۃ اللہ
علیہ کے جسد اطہر کو مقید و محبوس کرنے کے لئے جو صورت اختیار کی گئی وہ اگرچہ
ابتداءً تو نامشروع تھی مگر بقاءً و انتہاءً اب اس کو مشروع کا حکم دیدیا جائیگا، یہ
استدلال پیش کیا ہے

"شریعت مقدسہ میں بہت سے ایسے احکام ہیں کہ ابتداءً
اگرچہ وہ نامشروع ہوتے ہیں مگر بقاءً اور انتہاءً ان کو مشروعیت
کا حکم دیدیا جاتا ہے جیسا کہ اصول فقہ کی مشہور کتاب نورالانوار ص۶۳
میں موجود ہے۔ و مال المسلم بالاستیلاء تفریع رابع
للشافعی"

امروہوی صاحب بے شک گمنام و غیر معروف شخص ہیں مگر اتنا ہم ضرور
جانتے ہیں کہ وہ عالم آدمی ہیں۔ مگر نہیں معلوم یہ مضمون کونسی ساعت
اور کیسی کیفیات میں لکھا ہے۔ مختلف فیہ مسئلہ کے لئے نورالانوار کا یہ
جزیہ نہ بطور دلیل کے پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ بطور نظیر کے۔

(الف) زیر بحث "مسئلہ تدفین" کی جملہ کیفیات اور اس کے جملہ احکام
منصوص ہیں جس کی تفصیلی صورت کتب فقہ میں موجود ہے۔ لہٰذا۔
اس میں اجتہاد و استنباط کی کیا مجال اور کیا احتیاج؟

(ب) اور نورالانوار کا جزیہ استنباطی و قیاسی ہے۔ منصوص نہیں اور
اصول فقہ کا متفق علیہ ضابطہ ہے کہ مقیس علیہ کا منصوص ہونا

ہونا شرط ہے اس لئے یہ جزیہ مقیس علیہ بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔

(ج) بقاءً وانتہاءً نامشروع پر مشروع ہونے کا حکم بطور کلیہ وضابطے کے نورالانوار کی عبارت سے ثابت نہیں ہو رہا ہے بلکہ حقیقت میں حکم احناف وشوافع کے درمیان ایک اجتہادی مختلف فیہ جزئیہ ہے، شوافع اس پر ابتداءً وبقاءً وانتہاءً نامشروعیت ہی کا حکم لگاتے ہیں لہٰذا یہ حکم فریقین کے نزدیک اسی جزیہ تک محدود ہوگا۔ عام نہیں۔

(د) احناف کے نزدیک بھی ابتداءً وانتہاءً کی یہ تفریق دارالحرب کی صورت تک محدود ہے یہ کوئی عام قاعدہ یا کلیہ نہیں ہے دارالاسلام کی صورت میں یہ تفریق حکم میں قائم نہیں رہتی بلکہ ابتداءً وانتہاءً نامشروعیت ہی کا ایک حکم رہیگا۔ چونکہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام الگ الگ ہیں۔

(ھ) اس مختلف فیہ مسئلہ میں جہاں حفر ارض (زمین کھودنے) کے ساقط ہونیکی وجہ سے جو کہ فرض ہے۔ تدفین ہی نہیں ہوئی ہے اس لئے یہاں ابتداءً وانتہاءً مشروع ونامشروع کی تقسیم کرنا سراسر اصول فقہ کے خلاف ہے۔ نورالانوار کے جزئیہ سے استدلال کرنا یا اس کو بطور نظیر پیش کرنا انتہائی مضحکہ خیز اور اصول فقہ سے ناواقف ہونیکی دلیل ہے۔"

یہ حال ہے اس متین تحریر کا ایسے ہی دوسرے استدلالات واہیہ ہیں جن کی تحلیل کی چنداں ضرورت نہیں اسی قدر کافی ہے امروہوی صاحب ان عنکبوتی دلائل کی بنیاد پر اپنے مدعا میں کامیابی کا اظہار بڑے طمطراق سے اس انداز میں کرتے ہیں۔

"بہرحال خلاصہ عرض کرنے کا یہ ہے کہ مسئلہ زیربحث میں اصول فقہیہ کی رو سے تدفین تو متحقق ہوچکی ہے اس لئے اب نبش ناجائز ہوگا۔ البتہ ابتداءً مسنون

واجبات ترک کر دیگا کفارہ توبہ واستغفار کے سوا کچھ نہیں۔ (فاستغفرہ انہ ہو الغفور الرحیم)

عجیب بات ہے کیا انھیں جزئیات فقہیہ کا نام امروہوی صاحب کی اصطلاح میں اصول فقہیہ ہے؟؟

تارکین تدفین شرعی کے فتاوی میں کوئی بھی اب تک اصول فقہ کے مطابق دلیل پیش نہ کر سکا بلکہ اپنے اثبات مدعا میں اسی طرح فقہی جزئیات ہی کا سہارا لیا ہے لیکن کسی نے بھی ان کو اصول فقہ کا نام نہیں دیا ہے امروہوی صاحب تو اس معاملہ میں سابقین اولین پر بھی سبقت لے گئے۔ یہ ہے حقیقت امروہوی صاحب کے فتوے کی، انتہائی غور و فکر کے باوجود وہ حقائق ہم پر مخفی ہے جن کی بنیاد پر ہمارے علماء کرام ومفتیان عظام اور مشائخ طریقت نے تحسین و توثیق، تائید وتصدیق فرمائی ہیں۔

(۳) امروہوی صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری پر تنقید کی جسارت بھی کی۔ حضرت مولانا موصوف نے اپنے مقام ومنصب کے مطابق ان فتاوی پر تنبیہات فرمائی ہیں جن میں اصول افتاء واصول فقہ کو نظر انداز کر کے کھلی جانبداری سے کام لیا گیا تھا جیسا کہ ہماری گذارشات بالا سے واضح ہے۔ امروہوی صاحب کے خیال میں اس سے علماء کرام کی توہین وبے حرمتی ہوئی ہے۔ ہم انشاء اللہ آئندہ چل کر شیخ الحدیث مولانا بنوری صاحب مدظلہ کے منصب اور آپ کی تنبیہات کی وضاحت کریں گے ملاحظہ فرمالیں!! امروہوی صاحب کا فتوی بھی انہیں فتاوی کی ایک کڑی ہے۔ ایسی صورت میں تحفظ دین اہم مقصد ہے مداہنت کرنیوالے گنہگار ہوں گے۔

امروہوی صاحب مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی پر ایک سنگین الزام لگا کر تفریق

بنن المسلمین جیسے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لکھتے ہیں :۔

"مولانا ولی حسن صاحب ٹونکی نے مفتیٔ اعظم ہند مفتی سید مہدی حسن صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کے فتویٰ کے رد لکھنے سے پہلے ـــ وان ھٰذا صراطی مستقیماً فاتّبعوہ الآیۃ کو بطور تمہید تحریر فرما کر ان بزرگوں پر ضلالت و گمراہی کی تعریض کی ہے"

تعریض کی تعریف یہ ہے :۔

ھو دلالۃ الکلام علی معنی لیس اس لئے وہ اعتبار معتبر پر موقوف ہے۔ لہٗ فی الکلام ذکر۔

کس قدر غیر معقول الزام ہے اول تو تعریض جب ہوتی ہے جب کہ متکلم نے اس کا لحاظ کیا ہو ـــ قرائن خارجیہ اس کی تردید کرتے ہیں کہ یہاں ایسا لحاظ کیا گیا ہے بلکہ تبرکاً و تیمناً آیت لکھ دی اگر کھینچ تان کی جائے تو ترجیحی تعریض ہوگی نہ کہ گمراہانہ ایک مختلف فیہ مسئلہ میں ترجیح سے بڑھ کر ضلالت و گمراہی کی تعریض کا تصور فہم و خرد کو نہیں لگتا ـــ اور امروہوی صاحب کو اسی مختلف فیہ مسئلہ میں مظاہر علوم کے فتویٰ میں اس آیۃ کا استعمال نظر نہیں آیا ھٰذا ھو الحق فما ذا بعد الحق الا الضلال الخ جہاں فریق مخالف پر ضلالت و گمراہی کی تعریض نہیں تصریح ہے۔

یہ فتویٰ، جیسا کہ پہلے گذر چکا حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں مزید توثیق کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اسے حسن اتفاق کہئے کہ جب یہ فتویٰ سہارنپور پہنچا تو وہاں مولانا منظور صاحب نعمانی بھی موجود تھے انہیں اس فتویٰ سے جو مسرت ہوئی اور جو روحانی بسط و انشراح اور کیف و نشاط حاصل ہوا اس نے ان کے طے شدہ پروگرام کو ملتوی اور ایک گمنام و غیر معروف مگر ہمنوا شخص کی ملاقات پر مجبور کر دیا۔ یا تو وہ حضرت

مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کو راہ راست پر لانے کے لئے برسوں رہے تھے یا اچانک دہلی صاحب فتویٰ سے ملاقات کو پہنچ رہے ہیں۔ الفرقان جیسے موقر رسالے کے مدیر مسئول کا اس طرح بے ضابطہ ہو جانا بے معنی نہیں ہے ... ؏

معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید

حضرت شیخ الحدیث صاحب کا مکتوب گرامی بھی اپنے جلو میں تحسینی مسرت و توثیقی ندرت لئے ہوئے سوالیہ نشان بن گیا ہے ـــ ؟

"ایسی لغویات میں پڑنا بھی نہیں چاہئے۔ اور پھر انہی لغویات سے دلچسپی کا یہ عالم ؟؟ یہ دونوں رجحانات پہلو بہ پہلو رواں دواں ہیں۔

ارباب علم و فضل ہی فیصلہ فرمائیں کہ ایک طرف یہ فتویٰ ہے دوسری طرف اس کی تصدیقات و تائیدات میں علماء کی ایک جماعت موجود ہے ہم تو پریشان ہیں رسالہ کے مندرجات میں ان کی تائید کا مصداق کس کو قرار دیں ؟

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کے مکتوبِ گرامی کا تجزیہ

فتویٰ سے پہلے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کا مکتوب گرامی ہے۔ اگرچہ آپ ابتدا ہی میں اپنی رائے کا اظہار کر چکے تھے مگر آپکے بیان کے مطابق آٹھ نو مہینے سے آپ پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ دوبارہ اپنی رائے کا اعلان کر دیں آپ گریز فرماتے رہے بالآخر اکابر اصحاب کے شدید اصرار پر آپ نے مکتوب گرامی تحریر فرمایا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے تازہ مکتوب میں بھی مولوی عبد الجلیل صاحب کی غلط بیانی کا بڑی وضاحت سے اعادہ فرمایا ہے :۔

"حضرت قدس سرہٗ کو ڈھڈیاں دفن کرنے کے سلسلے میں اس ناکارہ نے عزیز جلیل سلمہٗ کو کتنے سخت خطوط لکھے جو اس کے پاس محفوظ ہیں اور اس نے اپنی سخت مجبوریاں اور معذوریاں، جن کو میں نے بھی اس وقت

قابلِ لحاظ سمجھا تھا، لکھیں۔ مگر عزیزم مولانا یوسف رح کے انتقال تابوت پر وہ سب غلط ثابت ہوئیں چنانچہ اس موقعہ پر پھر میں نے عزیز جلیل کو ڈانٹ کر خطوط لکھے تھے کہ تم نے جو اعذار باردہ اس وقت مجھے بتلائے تھے وہ سب عزیزم مولانا محمد یوسف صاحب رح کے نقل تابوت نے ھَبَاءً منثورًا کر دیئے الخ (التحقیق النادر ص۴۔۵)

جیساکہ ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی تحریر سے مولوی عبدالجلیل صاحب کی شخصیت مجروح ثابت ہوتی ہے اور تازہ مکتوب گرامی نے اس میں مزید تاکد پیدا کر دیا ہے —

لیکن نعمانی صاحب الفرقان کے صفحات میں اس شخصیت کو علم و تقوے اور حضرت سے قرب و منزلت کے اعلیٰ و ارفع مقام پر پیش کرتے ہیں۔ اک موقف کی دو شخصیتوں کی متضاد رائیں۔ بتائیے کس کو غلط بیانی یا افسوس ناک غلط فہمی کا شکار قرار دیا جائے؟ اس میں شک نہیں کہ مولوی عبدالجلیل صاحب ہیں۔ بڑے خوش نصیب کہ اس درجہ مکرر سہ کرر ڈانٹ ڈپٹ کے بعد بھی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کی کرم فرمائیوں و مہربانیوں سے محروم نہیں ہیں بلکہ ہزار بار ملزم قرار دیئے جانے کے باوجود اپنے مدعا میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہیں۔ چنانچہ اس مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے اپنے مکتوب میں حضرت اقدس رح کو تدفین شرعی سے محروم اور اس صورت غیر شرعی بلکہ غیر اسلامی کو برقرار رکھنے کے لئے عجیب و غریب استدلال فرمایا ہے:۔

"آٹھ دس برس اس حادثۂ عظیم کو گذر چکے ہیں۔ احادیث میں انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہ وارد ہے کہ ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ کہ اللہ نے زمین پر یہ حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھا سکے۔ مگر اولیاء عظام نور اللہ مرقدہم

کے متعلق احادیث میں کوئی نص نہیں ہے۔ جہاں تک اعتقاد و حسن عقیدت کا تعلق ہے امید یہی ہے کہ انشاء اللہ کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا ہوگا۔ لیکن یہ کوئی قطعی چیز نہیں ص۴" اول تو اس سے واقعہ پر استدلال ہی غلط ہے، یہاں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں زمین کو کیا حکم ہے۔ اور اولیاء عظام کے بارے میں کیا —؟؟ یہاں تو سوال یہ ہے کہ جو صورت حضرت اقدس کے ساتھ خلاف شریعت، اختیار کی گئی ہے اس سے فریضۂ تدفین ادا ہوا کہ نہیں۔ آٹھ نو سال یا اس سے زیادہ کی تو کیا بحث اگر فریضۂ تدفین کی ادائیگی کے فوراً بعد بھی جبکہ جنازہ بالیقین صحیح و سالم ہے تب ہی سوائے بعض صورتوں کے نبش قبر کی اجازت نہیں ہاں اگر فریضہ تدفین ادا ہی نہوا ہو تو جب تک بھی تدفین شرعی نہیں ہوتی میت غیر مدفون ہی رہیگی، آٹھ نو سال کی کیا قید قیامت تک یہی حکم رہیگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء و شہداء و موذنین کو بھی یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں۔ علامہ عینی رح شارح صحیح بخاری "باب ذکر ما یستفاد منہ" کے تحت فرماتے ہیں:۔ وفیہ ان الشھداء لا تاکل الارض لحومھم۔ وقیل اربعۃ لا تعدو علیھم الارض ولا ھوامھا۔ الانبیاء، والعلماء، والشھداء، والموذنون۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص۱۸۱ ج۴۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیاء کرام کو بحکم شہداء ذکر فرمایا ہے — ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ اولیاء کرام بھی بحکم شہداء

ہیں اور مشمول آیت ۔ بل احیاء عند ربہم کے ہیں ۔ اور سوال قبر نہ ہونا شہداء سے بندہ کو معلوم نہیں ۔ مگر حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہید کو عذاب قبر سے امن دیجاتی ہے اور یہ فضیلت اولیاء عظام کے واسطے بھی ہے فقط واللہ اعلم ۔ فتاوی رشیدیہ کامل ص۲۸۳ ۔

ان دو موقر و قابل اعتماد شخصیات کے بیان سے اجساد اولیاء کے محفوظ ہونے کا رجحان راجح ہے ۔ خود شیخ الحدیث بھی اسی رجحان کے معترف معلوم ہوتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :-

" امید یہی ہے کہ انشاء اللہ کوئی تغیر نہیں ہوا ہوگا "

قرآن کریم میں مُنعَمْ عَلَیْہِمْ کا دو جگہ ذکر کیا گیا ہے ایک سورۂ مریم میں جو کہ عام ہے دوسرے سورۂ نساء میں کہ چار طبقات کو خاص کیا ہے انبیاء ۔ صدیقین ۔ شہداء ۔ صالحین ۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞ (النساء)

ہم اس آیت سے اس جزئی پر کوئی استنباط نہیں کر رہے ہیں ہاں البتہ اشارۃ النص کے طور پر یہ حقیقت محتاج وضاحت نہیں کہ آیت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان تین طبقات کا تذکرہ خالی از حکمت نہیں ہے بلکہ یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے قرب کی دلیل ہے ۔ تو جہاں انبیاء علیہم السلام کے صدقہ میں انکو بلند ترین مقامات و درجات و خصوصیات سے رب العزت نوازیں گے وہاں

ان کے مقابلہ میں اجساد کا محفوظ ہونا تو بہت ادنیٰ درجہ کی چیز ہے چنانچہ واقعات و شواہد کی کثرت نے ان اجساد کے محفوظ ہونے کو حقائق کے درجہ میں ثابت کر دیا ہے مولانا حکیم عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی کی " نزھۃ الخواطر " اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز کی " بستان المحدثین " میں بکثرت ایسے واقعات موجود ہیں جو ہر وقت دیکھی جا سکتی ہیں ۔ جناب حضرت حمیدی و حضرت جمال الدین افغانی قدس سرہم کے اجساد باوجود امتداد زمانہ کے محفوظ ہی رہے ۔ دور صحابہؓ سے لیکر آج تک ایسی مستند و ناقابل انکار بے شمار شہادتیں موجود ہیں کہ برسہا برس کے بعد قبریں کھولی گئیں اور اجساد کو محفوظ و مصئون پایا گیا ۔

علامہ عینی اور حضرت گنگوہی قدس سرہم کی تحریرات ، کثرت شواہد و واقعات ، اور آیہ کریمہ میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تخصیص بعض طبقات وغیرہ سے محفوظیت اجساد اولیاء ، وعلماء و شہداء وصلحاء کے رجحان کی تائید ہوتی ہے ۔

بایں ہمہ شیخ الحدیث صاحب کی یہ بات جو آپ نے حضرت اقدس کے بدن اطہر کو تغیر سے محفوظ ہونیکی امید کرتے ہوئے فرمائی " لیکن یہ کوئی قطعی چیز نہیں " تسلیم ۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خواہ تدفین شرعی نہ ہوئی ہو مگر اب تدفین اس لئے نہ کی جائے کہ جسم کا اب تک صحیح و سالم رہنا قطعی و یقینی نہیں ہے ناقابل قبول ہے اسے کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔ اس کے کئی وجوہ ہیں ملاحظہ فرمائیے ۔

(۱) زیر بحث مسئلہ میں اجساد اولیاء کے محفوظ یا غیر محفوظ ہونے سے اصل مسئلہ پر

کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اس کا اس سے کوئی تعلق ہی ہے

(ب) اجساد کا محفوظ ہونا ولایت وتقرب عند اللہ کا معیار نہیں اگر جسم مٹی بھی ہو جائے تب بھی کسی ولی وقطب کی ولایت وقطبیت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔ عوام ناواقف جو اس کو معیار ولایت خیال کر کے جسم کے غیر محفوظ ہونے سے بدگمان ہوتے ہیں۔ ضرورت بھی کہ شدت کے ساتھ اس خیال کا رد کیا جاتا چہ جائیکہ خود اہل علم حضرات کا اس انداز سے اجساد اولیاء کے محفوظ و غیر محفوظ ہونے کو زیر بحث لانا یا امر موجب حیرت و باعث استعجاب ہے۔

(ج) اجساد کا محفوظ ہونا ہمیشہ اکرام و اعزاز کے باعث ہی نہیں ہوتا بلکہ اہانت و رسوائی بھی کبھی اس کا سبب بن جاتی ہے۔ جیساکہ فرعون اعظم (رعمسیس ثانی) کے جسم کو محفوظ رکھنے کی وجہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ، چنانچہ ایک عیسائی مبلغ جس کا انتقال ۱۵۱۰ء میں ہوا تھا لیکن جب ۱۹۳۱ء میں اس کی قبر کھودی گئی تو چار سو اکیس سال ہوئے تھے اس کی نعش بالکل محفوظ پائی گئی تھی جس کو اخبار ٹائمز آف انڈیا نے مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۳۱ء کے پرچہ میں شائع کیا تھا جس پر بڑا شور و شر ہوا۔ اسی سلسلہ میں دار الافتاء دیوبند سے کسی نے استفسار کیا جس کا حسب ذیل جواب دیا گیا۔

الجواب

کسی بدن کا مع خون کے بعد الموت باقی رہنا محال نہیں اور نہ کوئی اعزاز و اکرام کی دلیل بلکہ بہت سے کفار و فجار کے بدن کا عذاب قبر میں مبتلا ہو کر بعینہ باقی رہنا اور تمام حرکتیں زندہ آدمیوں کی سی بعد الموت کرنا ٹائمز آف انڈیا اخبار کی روایت سے نہیں بلکہ سینکڑوں ایسی شہادات سے، کہ جنکو جھٹلانا آفتاب سے آنکھیں چرانا ہے ثابت ہو چکا ہے۔

اور خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں دو شخصوں کا اپنی اپنی قبروں سے زنجیروں میں جکڑے ہوئے نکلنا اور آواز دینا اور قبروں میں لوٹ جانا سند متصل کے ساتھ حضرت عروہؓ سے منقول ہے جس کو حافظ ابن قیم نے کتاب الروح ص۱۰۶ ____ اور امام شعبی کا خود چشم دید واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اس جگہ گذرے تھے جس جگہ جنگ بدر واقع ہوئی تھی۔ بس وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی قبر سے نکلتا ہے تمام بدن صحیح و سالم و زندہ نظر آتا ہے اور جب وہ نکل چکتا ہے تو کوئی شخص اس کے سر پر چوٹ مار کر پھر اندر داخل کر دیتا ہے۔ ایضاً ص۱۰۶۔

خلیفہ ابو جعفر نے جب کوفی کی خندق کھدوائی تو لوگوں نے اپنے اپنے مُردوں کی ہڈیوں کو دوسری جگہ منتقل کرنا چاہا اسی سلسلہ میں ایک شخص کو دیکھا گیا کہ اس کا بدن بالکل صحیح و سالم ہے اور نوجوان معلوم ہوتا ہے اور اپنے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹ رہا ہے۔ کتاب الروح ص۱۰۶

اس قسم کے بہت سے واقعات کتاب الروح میں حافظ حدیث ابن قیم نے سند کے ساتھ نقل کرنیکے بعد فرمایا ہے

وهذه الاخبار واضعافها واضعاف اضعافها مما لا يسع لها الكتاب مما اراده الله تعالى لبعض عباده من عذاب القبر او نعيمه عبادنا۔ کتاب الروح ص۱۱۲۔

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں اس قسم کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ بعد الموت کسی نفس کے جسم کا بدستور سالم رہنا اور بشکل زندہ اس کے بدن میں خون ہونا بلکہ چلنا پھرنا اور بولنا اور بعض کام کرنا یہ سب چیزیں اس کی مقبولیت و افضلیت کی دلیل نہیں ہو سکتیں بلکہ فساق و فجار اور کفار مبتلائے عذاب کو بھی یہ صورتیں پیش آسکتی ہیں۔

بلکہ عالم برزخ کے حالات ومعاملات ہر شخص کے ساتھ بالکل جدا جدا ہیں کہ حق تعالیٰ نے کسی حال میں رکھا ہے اور کسی کو کسی حال میں، امام العارفین الحارث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی مضمون کو بہت ... انداز میں تحریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل قبور خواہ عذاب میں ہوں یا راحت میں ان کے احوال بالکل جدا جدا ہیں سب کے لئے کوئی ایک خاص قاعدہ نہیں کہ سب کا جسم باقی رہے یا سب کا مٹی ہوجائے۔ الخ۔

فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۱۵۳ ج ۱ رم ۱۵۱ ۱۲۵۷

اس مفصل وسیر حاصل بحث کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا یہ ارشاد " بہر حال اس ناکارہ کے نزدیک آٹھ سال گذر جانے کے بعد کسی طرح بھی اب نبش مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ محض رائے کا درجہ رکھتا ہے دلائل وشواہد اسکی تائید میں نہیں تردید میں ہیں۔

محترم مدیر رسالہ "خدام الدین" لاہور کی خدمت میں چند گذارشات

حضرت اقدس رائپوریؒ کے قضیے کے سلسلہ میں رسالہ خدام الدین لاہور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے "بینات کراچی" کے مضامین کا تجزیہ جولائی ... کی دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

اگرچہ اس کی حیثیت فتوٰی کی نہیں ہے کہ جس کا تجزیہ ضروری ہی ہوتا۔ مگر یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ "رسالہ خدام الدین لاہور" کے ساتھ امت کی دینی واصلاحی

وتعلیم وتربیت کی ایک تاریخ وابستہ ہے۔ اس لئے ہمیں اس کے سابقہ معیار کے پیش نظر اور یہی توقع تھی کہ محترم مدیر صاحب لاہوری مسئلہ کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے اصول و دلائل کی روشنی میں غیر جانبدارانہ حیثیت سے اس پر قلم اٹھائیں گے۔ یا کم از کم جانبین کے دلائل کا موازنہ فرماکر دلائل ہی سے کسی جانب کو ترجیح دیکر امت کی رہنمائی فرمائینگے۔

لیکن افسوس صد افسوس اس توقع کے برخلاف نفس مسئلہ پر تحقیقی بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے" رسالہ بینات "کے مندرجات پر تنقید اور جانب مخالف کی حمایت کو شرعی نقطہ نظر سے واجب وضروری قرار دیتے ہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ رسالہ "بینات "کے مستند و دینی ہونیکا اعتراف کرتے ہوئے حضرت مولانا موصوف کی شخصی عظمت اور آپ کے علم وفضل وآپ کی تحقیق پر علماء اسلام کے اعتماد و اعتراف کا اعلان بھی کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ مولانا موصوف پر جانبداری اور پوری امت مسلمہ کو ایک خطرناک گمراہی میں مبتلا کرنیکے سنگین الزامات سے بھی احتراز نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل چند اقتباسات مدیر لاہوری کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

ماہنامہ بینات:۔ پاکستان کا مستند دینی رسالہ ہے جسے شیخ الحدیث حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری مدظلہ جیسی نابغۂ روزگار اور محقق وممتاز عالم دین شخصیت کی ادارت ونظامت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مولانا بنوری کے علم وفضل اور آپ کی تحقیق وتجسس کا علماء اسلام کے حلقے میں ہمیشہ اعتراف رہا ہے اور خدا کے فضل وکرم سے آپ کو یہ شرف و اعزاز آج بھی حاصل ہے۔

وہ کونسے اسباب ومحرکات ہیں جو حضرت بنوری جیسی غیر جانبدار اور عافیت کوش شخصیت کو ایک فریق کی حیثیت سے سامنے لانیکا موجب بنے ہیں اور جن سے

مجبور ہوکر حضرت بنوری ایک وقیع دینی جریدہ کے صفحات کو اس مسئلہ کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوئے۔

معاملہ رفع دفع ہوجانے اور مدت مدید خاموشی سے گذر جانے کے بعد "ماہنامہ 'بینات' کے ذریعہ اس مسئلہ کو دوبارہ زندہ کرنے سے دیوبندی مسلک فکر سے تعلق رکھنے والوں کے دل و دماغ پر شکوک و شبہات کی ایسی تہیں جم جائیں گی اور ایسے نقوش مرتسم ہوجائیں گے کہ آسانی کے ساتھ ان کا ازالہ ممکن نہ ہوگا اسی قسم کے سنگین اثرات اور خطرناک نتائج و عواقب کے پیش نظر ہم نے "خدام الدین" کے صاف و شفاف دامن صفحات پر اس دلخراش موضوع کے چھینٹے صرف اسی لئے برداشت کئے ہیں کہ اپنے بزرگان دین اور اپنے اسلاف کی ذوات گرامی کے ساتھ عقیدت و محبت کی جو سکون افزا اور روح پرور فضا موجود ہے وہ ہر قسم کی آلودگیوں اور کبیدہ خاطریوں سے محفوظ و مامون رہنی چاہیئے۔ انتہیٰ۔ خدام الدین جولائی ۱۹۷۱ء

محترم مدیر لاہوری صاحب نے بڑے استعجاب و حیرت کے انداز میں استفہام فرمایا ہے کہ "وہ کونسے اسباب و محرکات الخ"

یہی استفہام مدیر محترم سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور جواب میں جن خطرناک نتائج و عواقب کے پیش نظر خدام الدین" کے صاف و شفاف دامن کو داغدار کیا گیا ہے۔ بعینہٖ انہی اسباب و محرکات نے یک عافیت کوش شخصیت کو دینی جریدہ کے صفحات اس مسئلے کے لئے وقف کرنے پر مجبور کردیا۔

بیشک احوال، و واقعات اور فتوی نویسی کے محرکات سے جو شخص ناواقف ہوگا۔ یقیناً اس کو حضرت بنوری مدظلہ کی زبان سخت معلوم ہوگی۔ مدیر محترم بھی ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ اصولی طور پر کوئی چیز بھی صفحۂ قرطاس پر لانے سے قبل حتی الامکان تحقیق و تجسس کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالخصوص ایسے مسئلہ میں

جہاں اختلاف انتشار کی حدود میں داخل ہوچکا ہے۔ مدیر محترم نے حضرت مولانا موصوف کے علم و فضل اور تحقیق و تجسس کے بارے میں جن بلند خیالات اور اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا ہے اسکا تقاضا تھا کہ مولانا موصوف کی طرف رجوع فرماتے اور براہ راست انھیں سے دریافت کرتے کہ آپ نے کیوں رجوع فرمایا؟ اور فتاوی کے بارے میں یہ انداز تحریر کیوں اختیار کیا؟ — یہ انتہائی احسن و اصوب طریقہ ہوتا۔

مدیر محترم نے ان علماء کرام و مفتیان عظام کے بارے میں جن کا وقار حضرت مولینا موصوف کی تحریر سے مجروح ہوگیا ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے

خدانخواستہ ہم اس بدگمانی کا تصور بھی نہیں لا سکتے کہ مذکورہ بالا شخصیات نے سنہ ۱۹۶۳ء میں وہ فتوی خارجی تاثرات و ذاتی رجحانات و میلانات یا کسی قسم کے دباؤ اور مجبوری کے تحت تحریر فرمائے تھے العیاذ باللہ انتہی۔

مدیر محترم نے جانبین کے دلائل کے موازنہ و مقابلہ سے صرف نظر کر کے "تارکین تدفین شرعی" علماء کی ایک لمبی فہرست نقل فرمائی جسکے بعد مذکورہ بالا تاثرات کا اظہار فرمایا۔

بے شک علماء کرام کے بارے میں یہی حسن ظن ہونا چاہئے اور اب بھی ہے لیکن جب ظن کا تقابل یقین سے ہو تو اصول یہی ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۵ (النجم)

حضرت مولنا موصوف نے "بصائر و عبر" میں فتاوی کے سلسلہ میں جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے حقائق و واقعات و فتاوی کے تجزیے کی روشنی میں وہ بروقت اور ضروری انتباہ تھا۔ یہ مسلّم ہے کہ تمام ہی علماء کرام یا مفتیان عظام دانستہ اس منصوبہ میں ملوث قرار نہیں دیئے جا سکتے لیکن غیر شعوری طور پر متاثر ہونے سے بچ بھی نہیں سکے ہیں۔

مدیر محترم سے ایک سوال

مدیر محترم نے حضرت مولانا موصوف کے "بصائر و عبر" کے جواب میں تو یہ فرمایا کہ ان علماء کرام پر خارجی تاثرات وغیرہ وغیرہ الخ کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن اسباب و محرکات سے استفہام کے پس منظر میں حضرت مولانا موصوف کو انہیں خارجی تاثرات وغیرہ وغیرہ الخ جیسے الزامات میں ملوث قرار دیرہے ہیں۔ جبکہ جن بلند الفاظ میں حضرت مولانا موصوف کا ذکر کیا ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے) جانب مخالف کی کسی شخصیت کیلئے بھی مدیر محترم نے ایسے بلند خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے باوجود ایک طرف دفاع ہے دوسری طرف یہ اقدام یہ تفریق کیوں ؟ مدیر محترم حضرت مولانا موصوف کی عبارت " اقدام سے اغراض تک" پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> ہماری نگاہ میں یہ جملے ان جلیل القدر مفتیان اور دینی شخصیات کی عظمتوں کے خلاف ہی نہیں ان کی سخت توہین اور اتہام کے زمرہ میں آتے ہیں۔ انتہی

مدیر محترم خود ہی غور فرمائیں جب حقائق و واقعات نے حضرت مولانا موصوف کی حرف بحرف تائید کردی ہے ایسی صورت میں تحفظ دین کی کسقدر اہمیت ہوگی وہ علماء کرام و مفتیان عظام جنہوں نے خارجی تاثرات یا ذاتی رجحانات و میلانات یا کسی بھی قسم کے دباؤ و مجبوری کے تحت فتاویٰ صادر فرمائے ہوں یا آلہ کار بنے ہوں کیا وہ کسی اعزاز و رعایت کے مستحق قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ہاں بے شک وہ علماء کرام جنہوں نے نفس مسئلہ پر جو اپنی تحقیق میں آیا دیانۃً لکھ دیا وہ قطعاً حضرت مولانا موصوف کے مخاطب نہیں ہیں۔ اور جو واقعۃً مخاطب ہیں وہ مستحق دفاع نہیں۔

محترم مدیر لاہوری صاحب کا اعتراف حقیقت

یہ ایک عجیب و غریب بات ہے کہ ایک طرف تو حضرت مولانا موصوف کی تحریر کے

بارے میں وہ تاثرات ہیں جو آپ اوپر پڑھ چکے لیکن دوسری طرف اسی تحریر کے متعلق محترم مدیر صاحب کے یہ تاثرات ہیں

> " یہ تحقیقی معلومات اپنی جگہ بڑی اہم اور درست ہیں لیکن در پیش مسئلہ یہ ہے کہ صحیح یا غلط جو بھی ہو تدفین ہو چکی ہے کیا اب اسکا نبش جائز ہے یا نہیں ؟ انتہیٰ۔

کیا ہم محترم مدیر موصوف سے دریافت کرسکتے ہیں کہ یہ بہکی بہکی باتیں کیوں؟ جب آپ اس کو تحقیقی معلومات قرار دیتے ہوئے بڑی اہم و درست بھی فرمارہے ہیں تو یہ تحریر قابل اعتراض کہاں رہی ؟

نیز محترم مدیر موصوف کا " لیکن در پیش مسئلہ یہ ھے " فرمانیکا یہاں کیا موقع تھا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اسی "مختلف فیہ مسئلہ" میں حضرت مولانا موصوف نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کرکے ہی یہ فرمایا ہے :-

> " فرضیہ تدفین ادا نہیں ہوا اسلئے تدفین کی جائے اور اس پر نبش کا اطلاق نہیں ہوگا "

اس وضاحت کے بعد "لیکن" کا اضافہ کیسا ؟

محترم مدیر موصوف کی پیشکش

محترم مدیر موصوف اس ساری ردّ و قدح کے بعد اسی قضیہ پر غور و فکر کے لئے علماء کا ایک بورڈ قائم کرنے کی تجویز پیش فرماتے ہیں :-

" پاکستان کے جلیل القدر علماء کرام اور مفتیان عظام پر مشتمل ایک مجلس (بورڈ) قائم

کرنا از بس ضروری ہے۔ اس مجلس (بورڈ) کے قیام کی ذمہ داری اور اس کی نظامت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ العالی کے سپرد ہونی چاہئے الخ۔ انتہی۔

ایک ہی سانس میں دو متضاد موقف۔ وہی حضرت مولانا بنوری جن کی تحریر کے باعث مدیر موصوف کے خیال میں علماء کرام و مفتیان عظام کے وقار، مسلک دیوبند و ملت اسلامیہ میں ایسا زلزلہ آگیا تھا جس نے ان کی چولیں ہلاکر رکھدیں تھیں۔ مدیر موصوف کی حمیّت اسلامی جوش میں آئی تو شکوک و شبہات، سنگین اثرات و خطرناک نتائج کی آلودگیوں سے فضاء کو صاف کیا۔ اہل علم و ارباب فتویٰ کا وقار اور مسلک دیوبند کا بمشکل تحفظ کیا گیا۔ بے شک ان سب کو موصوف کا ممنون احسان ہونا چاہئے۔ ملت اسلامیہ کس طرح اس احسان عظیم سے عہدہ برآ ہوسکتی ہے؟ لیکن ہمارے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ بایں ہمہ انھیں کو نظامت کی پیشکش کر کے مجلس کا سربراہ ہونے کی تلقین کی جارہی ہے۔ یا للعجب!

غیر جانبداری کا اعلان

ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد منتہائے مسافت انتہائی دلچسپ و حیرت انگیز یہ آخری اعلان ہے۔

"ہم اپنے قابل صد احترام اکابر حضرت شیخ مولانا حافظ عبد العزیز صاحب مدظلہ جانشین حضرت رائپوری۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ۔ حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب۔ حضرت مولانا عبد الوحید صاحب (ڈھڈیاں) اور دیگر متعلقین حضرات کی خدمت میں نہایت ادب و عقیدت کے ساتھ عرض گزار ہیں کہ "خدام الدین" اس مسئلہ میں قطعی غیر جانبدار ہے"

۳۱ جولائی ۱۹۶۱ء

قارئین کرام خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ مدیر موصوف کا یہ "غیر جانبداری" کا اعلان اور وہ بھی قطعی صداقت و حقیقت سے کس قدر قریب ہے؟ کیا رسالے کے یہ اقتباسات مدیر موصوف کے اضطراب و تذبذب کے عکاس نہیں ہیں؟ ؎

رہ اصلاح میں گو تیز گامی خوب ہے لیکن
قدم کو لغزشیں جب ہوں ٹھہر جانا ہی بہتر ہے

اکبر

...(•)...

سنّت کے معنی کی تحقیق

"تارکین تدفین شرعی، علماء کرام و مفتیان عظام نے اس صورت واقعیہ کو خلاف سنّت" کہا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں لفظ سنّت کے معنی کی تحقیق کرکے ان علماء کرام سے دریافت کریں کہ یہاں خلاف سنّت کا مصداق کیا ہے؟

"لفظ سنّت" خصلت، عادت، طریقہ۔ وغیرہ وغیرہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح فقہاء میں سنّت۔ فرض و واجب کے مقابلہ میں مستعمل ہے۔

سورۂ فاطر پ۲۲ میں فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ان تینوں جگہ سنت کے معنی حضرت تھانوی نے "دستور" کے لئے ہیں۔

سورۂ مومن پ۲۴ میں سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ پر حضرت تھانوی نے سنّت کے معنی "معمول" کے لئے ہیں۔

حدیث شریف من سنّ سنّۃ حسنۃ الخ الحدیث میں سنّت طریقہ کے معنی میں ہے۔ جب یہ لفظ "سنّت" طریقہ و معمول کے معنی میں ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اس وقت اس کا اطلاق فرائض و واجبات پر بھی ہوتا ہے وہ عبادات جو سلفاً عن خلفٍ امّت کا معمول بہا ہیں اسی معنی کی بنا پر ان پر "سنّت متوارثہ" کا . . . . . . اطلاق کر دیتے ہیں خواہ وہ فرائض و واجبات ہی ہوں خلاف سنّت" کہنے والے علماء کرام وضاحت فرمائیں کہ ان کے کلام میں سنّت سے کیا مراد ہے؟ اصطلاحی سنّت جو فرض و واجب کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے۔ اگر یہ مراد ہے تو معنی یہ ہوئے کہ "حفر ارض" (قبر کے لئے زمین کھودنا) فرض و واجب نہیں سنّت ہے۔ حالانکہ وہ فرض ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس کو ثابت کریں گے۔

اور اگر "خلاف سنت" میں سنت سے مراد طریقہ و معمول ہے تو اس صورت میں "حفر ارض" کی شرعی حیثیت متعین نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ طریقہ و معمول خواہ فرض و واجب ہو یا سنّت اس پر خلاف سنّت' کا اطلاق درست ہوگا۔ لیکن ترک فرض کی صورت میں وہ عمل باطل ہو جائے گا۔

لہذا خلاف سنّت" کے قائلین اسکی تشریح و توضیح فرماکر اس صورت واقعیہ پر" خلاف سنّت" کا انطباق فرمائیں:

ے نہ قافلے کی خبر ہے نہ ہوش منزل کا
تباہ کر کے رہے گی ہمیں یہ بے خبری

*

تحفیرِ ارض کی فرضیت کا اثبات اور استدلالات

فاسدہ کا جواب

فتاویٰ کے تجزیئے میں آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ کس کس انداز سے قبر کے لئے زمین کھودنے کی فرضیت کا انکار کیا گیا ہے۔ اور اس کو سنت ثابت کرنے کے لئے تلبیس و تحریف سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔ اس لئے مستقلاً یہ مضمون تحفیر ارض (زمین کھودنے کی) فرضیت پر لکھا ہے جس میں ہم نے آیات و روایات و احادیث اور اہل علم کی تشریحات پر اکتفا کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ استدلالات فاسدہ رد بھی کیا ہے۔ یہ صحیح ہے جو علماء کرام و مفتیان عظام نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ اگر بت کو قبلہ رخ لٹایا جائے یا بغیر نماز پڑھے۔ یا بغیر غسل دئے دفن کر دیا جائے وغیرہ تو ان

وجوہ کی وجہ سے میت کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم پر جو قبر تیار کرنیکا فرض ہے اس کو ہم عمداً چھوڑ دیتے ہیں اور اس فرض کو ادا کرنے کے لئے زمین کے اوپر میت رکھ کر جسد کو چھپا دیا گیا۔ جو غلط ہے۔ لہذا اب اس کو کھول کر قبر میں پہنچانے کا فرض ادا کرنا چاہتے ہیں تو ان حضرات کی طرف سے ممانعت کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ اس لئے یہ امور اس موقع پر بطور نظیر کیسے پیش کئے جا سکتے ہیں؟

شریعت کے اعمال دو قسم کے ہیں۔ مقصود۔ دوسرے وہ اعمال جو ان اعمال کے شرائط میں سے ہیں۔ مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج وغیرہ عبادات مقصودہ ہیں۔ لیکن وضو۔ نماز۔ روزہ میں کھانے پینے وغیرہ کا ترک اور مفسدات نماز روزہ سے بچنا۔ اور حج کے لئے طول طویل مسافت اور اخراجات امور غیر مقصودہ ہیں یعنی وسائل ہیں۔ یہ وسائل گو مقصود نہ سہی لیکن حصول مقصود ان پر موقوف ہے۔ یعنی ان کے بغیر ان عبادات کا انجام دینا ممکن نہیں ہے۔ ایسی صورت میں دفن کے فرض سے ہم کب معذور قرار دیئے جا سکتے ہیں فقہاء کی شرط "عند امکان الحفر" کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب تک زمین کھود کر دفن کرنا ممکن ہے دوسرا طریقہ جائز نہیں ہے۔ اس مقام پر دفن کی یہ شکل ممکن ہے کہ زمین کھودی جائے اور اس میں میت کو چھپایا جائے۔ اور صورت واقعیہ میں نہ ہم نے قبر کھودی اور نہ قبر میں میت کو پہنچایا تو عمداً تارک فرض ہوئے۔ اس تمام بحث کے نتیجہ میں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ تحفیر ارض (زمین کھودنا) اور تعمیق (گہرا کرنا) گو مقصود لغیرہ ہیں لیکن مقصود لعینہ (میت کا چھپانے) کے لئے موقوف علیہ ہے اور یہ بجائے خود فرض ہے جیسے کہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔ اور وضو باوجود مقصود لغیرہ ہونے کے فرض بھی ہے

اور جبتک وضو ممکن ہے دوسری صورت (تیمّم) کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی طرح جبتک امکان حفر ہے اور کسی صورت کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی دوسری صورت اختیار کرے گا بھی تو وہ کالعدم قرار دیجائیگی۔

عینی شرح ھدایہ ج۱ ص۱۱۳۰ فصل فی الدفن۔ المقصود منہ ستر سوأة المیت والیہ الاشارہ فی قولہ تعالیٰ "فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوأة اخیہ۔ وھو واجب اجماعًا۔ [۱]

دفن کے سلسلہ میں یہ آیت عبارت النص اور اصل کلی ہے اور اس آیت سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے جو مفسرین نظم قرآن کی روشنی میں قرآن کے مطالب پر بحث کرتے ہیں۔

ترکیب آیۃ یہ ھے:۔ والمستکن فی ـ لیریہ ـ للہ تعالیٰ او للغراب واللام علی الاول متعلقہ ببعث حتما ـ وعلی الثانی یبحث ویجوز تعلقھا ببعث ایضاً۔ و (کیف) حال من الضمیر فی ـ یواری۔ تقدم علیہ لان لہ الصدر۔ وجملۃ (کیف یواری) فی محل نصب مفعول ثان ـ لیری۔ قیل ان یریہ بمعنی یعلمہ والبحث فی الاصل التفتیش عن الشیٔ مطلقاً، أوفی التراب والمراد ھھنا الحفر ـ وبعثۃ الغراب کانت من باب الالھام ان کان المراد منہ المتبادر۔ وبعثہ حقیقۃ ان کان

---

[۱] آیت کا ترجمہ:۔ اس کے بعد خدا نے ایک کوا بھیجا اور زمین کریدنے لگا تا کہ اسے دکھا دے کہ اپنے بھائی کی نعش کس طرح (زمین میں) چھپانی چاہئے (کوّے کو زمین کریدتا ہوا دیکھ کر) وہ بول اٹھا، افسوس مجھ پر کہ مجھ میں اتنی بھی سمجھ نہیں جو اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی نعش (زمین کھود کر) چھپا دیتا۔

المراد منه، ملكا ظهر على صورته. وعلى التقديرين ذهب اكثر العلماء الى ان الباحث وارى جثته وتعلّم قابيل ففعل مثل ذلك باخيه وروى ذالك عن ابن عباس وابن مسعود وغيرهما رضى الله عنهم وذهب الاصم الى ان الله تعالى بعث من بعثه فبحث فى الارض ووارى هابيل۔ روح المعانى مصرى صـ۱۱۶۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ قابیل اپنے بھائی کو قتل کر کے میت کو اٹھائے ہوئے پریشان پھر رہا تھا یہ دنیا کا سب سے پہلا قتل تھا۔ انسانی عزت بچانے کے لئے درندوں پرندوں سے نعش کی حفاظت کس طرح کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی تعلیم کا طریقہ کوے سے انسان کو سکھلایا کہ نعش کو زمین کھود کر چھپا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی ناسمجھی و بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے گڑھا کھود کر اپنے بھائی ہابیل کو دفن کردیا۔

لیریہ "میں لام تعلیم کی وجہ بتلانے آیا ہے کہ کوا بھیجنے کی غرض زمین کھود کر زیر زمین نعش کو چھپانا تھا۔ ترکیب میں لام کا جوڑ خواہ "بعث" سے ملائیں یا "یبحث" سے یہ کلام سابق کی علت ہے واضح ہوا کہ تعلیم محض "مواراۃ" (چھپانا) کی نہیں ہے کہ خواہ کسی طرح ہو۔ بلکہ "مواراۃ" (چھپانا) زمین کھود کر ہونا چاہیے کیونکہ یہاں دفن اسی طرح سکھلایا گیا ہے۔ "کیف" کا لفظ اسے ہی بتلا رہا ہے "کیف یواری" کی ضمیر سے حال واقع ہے اور حال ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا۔ شرح جامی میں ہے۔ والغرض من الحال وهو تقييد الحدث المنسوب لـ[illegible] صاحبها صـ۱۳۲۔

اور پھر یہ پورا جملہ حال ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ کیف کے بعد فعل واقع ہو تو وہ جملہ فعلیہ حال و منصوب ہوتا ہے۔

شرح جامی میں ہے۔ كيف للحال استفهاما۔ اى حال شئ وصفته فان كان بعده اسم فهو فى محل الرفع بالخبرية عنه وان كان بعده فعل مثل كيف جئت؟ فهو فى محل النصب على الحالية اى على اى حال جئت راكبا او ماشيا صـ۲۷۲

اب آیت کے معنی اس طرح ہونگے لیریہ کیف۔ اى على اى صفته جس کا ترجمہ یہ ہوگا۔ تاکہ دکھلائے قابیل کو کس طریقہ پر اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ اور وہ طریقہ وصفت "یبحث فی الارض" (زمین کھود کر چھپانا) ہے۔ اس نص قطعی سے مراد زمین کھودنا ہے۔ سب مفسرین یہی کہتے ہیں۔ آیت سے میت کا زمین کھود کر چھپانا فرض ہوا۔ بس جو نفس "مواراۃ" صرف چھپانے) کو فرض قرار دیتے ہیں۔ یعنی "مواراۃ" (چھپانے) کے لئے زمین کھود کر میت کو دفن کرنا ضروری نہیں۔ بغیر مجبوری بھی باختیار خود زمین نہ کھودی جائے صرف مٹی ڈال کر نعش کو چھپا دیا جائے یعنی اس کو ترک کرنے سے فریضہ دفن ادا ہو جائیگا۔ وہ اسکا جواب دیں کہ بیان واقعہ "یبحث فی الارض" (زمین کھودنے) سے . . . . اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم دی ہے کہ اس کے بعد "یواری" (چھپانے) کا عمل کیا جائے۔ تو "کیف" سے جو کیفیت بیان کی گئی ہے تو اس کیفیت کی قید کا مفاد کیا ہے؟ "بحث فی الارض" (زمین کھودنے) سے اگر ہم صرف نظر کرتے ہیں تو بتائیے کہ عملی صورت کی تعلیم بلا ضرورت دی گئی؟ شریعت میں جہاں عمل کی اہمیت ہے کیفیت عمل کی بھی اسی قدر اہمیت ہے کہ اس کیفیت کے تارک کو تارک فرض قرار دیتے ہیں

جہاں نماز فرض ہے اس کی ہیئت کذائی بھی فرض ہے۔ یہاں نیز آیت کا ایک

جزء "مواراۃ" (چھپانا) تو فرض قرار پائے۔ اس کا دوسرا جزء "مواراۃ" (چھپانے) کی صفت "بحث فی الارض (زمین کھودنا)، فرض نہ ہو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا یہ تخصیص تقسیم محتاج دلیل ہے۔ جو اس کا مدعی ہے اس پر واجب کہ وہ اس پر دلیل پیش کرے۔

"بحثاً" سے "سوأۃ اخیہ" تک ترکیب نحوی کے اعتبار سے آیت ایک ہی ترکیب میں مربوط ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کتاب اللہ سے میت کے لئے زمین کا کھودنا صراحۃً عبارۃ النص سے فرض ثابت ہوا ہے۔

نیز ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم احفروا وأوسعوا واعمقوا الیٰ آخرہ رواہ ابو داؤد واحمد والترمذی والنسائی۔ جس کی تشریح میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔

اعمقوا ای احفروا القبر عمیقا۔ فھذا یدل علیٰ انہ لابدّ من تعمیق القبر فانّہ صلی اللہ علیہ وسلم امرھم بتعمیقہ مع حالۃ الشدۃ و الجروح والمشقۃ والتّعب ولھذا قالت الحنفیۃ أن یعمق القبر الی الصدر والا فالی السّرۃ۔ بذل المجھود ص ۲۱۳/ج ۴

جنگ احد کے موقعہ پر جب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعب مشقت کے سبب تخفیف کی رخصت چاہی تھی باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخموں کی خونچکانی اور سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی کی شہادت اور ان پر کفار کی طرف سے کی گئی زیادتیوں کے سبب نڈھال تھے اور صحابۂ کرام رض کی شہدا کی کثرت کی وجہ سے پریشان تھے ایسے موقع پر آسانی کا

طلب کرنا اور سہل طریقۂ تدفین نکالنا گو عقلاً محمود معلوم ہوتا ہے بظاہر کوئی برائی نہیں معلوم ہوتی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول اور امر دونوں ہی میں تیسیر و تسہیل پسندی کا تھا۔ ایسی صورت میں قبر کھودنے اور گہری کھودنے کی تعب سے بچانا اور حضور صلے اللہ وآلہ وسلم کو پسند ہوتا مگر باوجود اسکے ادائے فرض کے لئے تحفیر و توسیع اور تعمیق کا حکم فرمانا مواراۃ پر اکتفا کرنے کی نفی کرتا ہے اور واضح طور پر بتلاتا ہے کہ تدفین میں صرف تحفیر ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطمح نظر نہ تھی بلکہ اس تحفیر کے ساتھ ساتھ توسیع و تعمیق بھی مطلوب تھے اسی لئے اس کی یہ رخصت نہ ملی۔

بہرحال ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی زمین کھود کر میت کو دفن کرنے کا وجوب ثابت ہے کیونکہ حدیث میں سب صیغے امر کے ہیں اور صیغۂ امر کے بارے میں علماء اصول فقہ کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ امر کے معنی حقیقی وجوب کے ہیں۔ باقی معانی حقیقی نہیں مجازی ہیں۔ تلویح توضیح میں احکام امر پر چالیس یا پینتالیس صفحات میں بحث کی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ امر مطلق وجوب کے لئے ہے۔ توضیح کے جملے وعند العامۃ موجبہ واحد اذالاشتراک خلاف الاصل کی تشریح میں صاحب تلویح فرماتے ہیں۔

ای اکثر العلماء ان موجب الأمر واحد لان الغرض من وضع الکلام ھو الافھام والاشتراک مخل بہ فلا یرتکب الا عند قیام الدلیل۔ وھذا ینفی القول باشتراکہ لفظا بین الوجوب والندب۔

تلویح توضیح ص ۲۱۸

خلاصہ یہ کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کتاب اللہ کی تائید میں وجوب

ثابت ہوتا ہے۔

دوسری آیت

اس نص قرآنی اور امر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید دوسری آیت
ثم اماته فاقبره سے بھی ہوتی ہے

مفسرین کرامؒ کی تشریحات

(عبس) ای جعل له قبرا یواری فیه یقال قبرت المیت اذا دفنته واقبره الله ای صیره بحیث یقبر وجعل له قبرا۔ (تفسیر القرطبی ج۱۹ ص۲۱۹)

ای جعله ذا قبر تواری فیه جیفته تکرمة له۔ و المراد من جعله ذا قبرا امره عزوجل بدفنه یقال قبر المیت اذا دفنه بیده واقبره اذا امر بدفنه او مکن منه ففی الآیة اشارة الی مشروعیة دفن الانسان وهی مما لا خلاف فیه۔ (روح المعانی ج۳۰ ص۴۳)

ای أمر الناس بجعل المیت فی القبر صیانة عن السباع۔ (تفسیر مظہری ج۱۰ ص۲۰۱)

جعل له قبرا یواری فیه (تفسیر خازن)

ای جعل له قبرا یواری فیه او اقبره معناه بحیث یقبر و جعله ذا قبر یدفن فیه وهذه تکرمة لبنی آدم علی سائر الحیوانات۔ (تفسیر بیضاوی)

جعله ذا قبر یواری فیه لا کالبهائم کرامة له۔

قبر المیت دفنه وأقبره المیت أمره بان یقبره ومکنه منه۔ (مدارک)

فامر به فقبر (تنویر المقباس تفسیر ابن عباسؓ)۔ مجموعہ تفاسیر اربعہ ص۵۰۵ ج۴

اسی مقصد کو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ترجمہ میں بیان کرتے ہیں کہ
پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا (ف) یعنی مرنے کے بعد اس کی لاش قبر میں رکھوانے کی تاکید کر دی۔ تاکہ زندوں کے سامنے یونہی بے حرمتی نہ ہو ص۷۶۲۔

ای دفنه فی قبره۔ تفسیر الالفاظ۔ واسکنه القبر الی حین یدعی للبعث (تفسیر المعانی) المصحف المفسر ص۷۷۴

احکام القرآن (للشیخ ابو بکر احمد ابن علی الرازی الجصاص) باب دفن الموتی میں ہے۔ قال الله تعالیٰ۔ فبعث الله غرابا یبحث فی الارض لیریه کیف یواری سوأة اخیه۔ قال ابن عباسؓ وابن مسعودؓ ومجاهدؒ والسدیؒ وقتادةؒ والضحاکؒ لم یدر کیف یصنع به حتی رأی غرابا جاء یدفن غرابا میتا۔ وهو الاصل فی سنة دفن الموتی وقال تعالیٰ (ثم اماته فاقبره)

(احکام القرآن ص۳۹۱ ج۲)

ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ۔ وعلم ان هذه المرتبة الثالثة مشتملة ایضا علی ثلاث مراتب الاماتة والاقبار والانشار۔ اما الاماتة فقد ذکرنا منافعها فی هذا الکتاب ولا شك انها هی الواسطه

بین حال التکلیف والمجازاۃ۔ واما الاقبار فقال الفراء جعلہ اللہ مقبورًا ولم یجعلہ ممن یلقی للطیور والسباع لان القبر مما اکرم بہ المسلم قال ولم یقل فقبرہ لان القابر ھو الدافن بیدہ والمقبر ھو اللہ تعالیٰ یقال قبر المیت اذا دفنہ واقبر المیت اذا امر غیرہ بان یجعلہ فی القبر "تفسیر کبیر" تفسیر فخر الدین رازی ج ۸ ص ۴۷۵۔

وبہامشہ قال ابو السعود فی الآیۃ۔

ای جعلہ ذا قبر یواری فیہ تکرمۃ لہ ولم یدعہ مطروحا علی وجہ الارض جزرا للسباع والطیر کسائر الحیوان۔ یقال قبر المیت اذا دفنہ واقبرہ اذا امر بدفنہ او مکّن منہ۔ (علی حاشیہ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۷۴)

پھر ان امور کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ (الف) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قبر بنا کر میت کو اس میں دفن کیا جائے۔ (ب) قبر کے معنی ہیں زمین کھود کر میت کو چھپا دینا اسی کا نام دفن ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ (ج) تدفین میت یعنی زمین کھود کر میت کو چھپا دینا) یہ شریعت کا وہ حکم ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (د) نص قطعی طریقۂ تدفین میت میں یہ آیت ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس میں تدفین میت کا طریقہ زمین کھود کر میت کو چھپانا ہے یہ حکم استنباط نہیں ہے بلکہ آیت ہی کا ترجمہ ہے۔

〰〰〰

تیسری آیت

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا (مرسلت)

یہ تیسری آیت بھی ملاحظہ ہو جس سے سابقہ دونوں آیات کی تائید ہوتی ہے۔ یہ صرف میں ہی نہیں سمجھ رہا ہوں دوسرے مفسرین کا بیان بھی آپ پڑھ لیجئے۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں:-

ای الم نجعلہا کفاتا تکفت وتجمع احیاء کثیرۃ علی ظہرہا وامواتا غیر محصور فی بطنہا واستدل الکبار بالآیۃ علی وجوب مواراۃ المیت ودفنہ۔ (روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۷۵)

علامہ قرطبی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

ای ضامۃ تضم الاحیاء والاموات فی بطنہ وھذا یدل علی وجوب مواراۃ المیت ودفنہ ودفن شعرہ وسائر ما یزیلہ عنہ۔ (قرطبی ج ۲۹ ص ۱۶۱)

صوفی خازن فرماتے ہیں:-

یعنی تکفتھم احیاء علی ظہرہا بمعنی تضمھم فی دورھم ومنازلھم وتکفتھم امواتا فی بطنہا فی قبورھم (خازن)

علامہ ابو البرکات رح فرماتے ہیں:-

ای تکفت احیاء علی ظہرہا وامواتا فی بطنہا۔ (مدارک) مجموعہ تفاسیر اربعہ ج ۴ ص ۴۳۳، تفسیر المظہری ج ۲۹ ص ۱۶۷

بیان القرآن میں حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں:-

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا کہ زندگی
اسی پر بسر ہوتی مر کر بعد دفن یا بعد غرق یا بعد حرق آخر اجزاء ارضیہ ہوکر
اسی میں کھپ جاتے ہیں ۔ ص ۶۸ / ج ۲
وکذا فی فوائد عثمانی ـــــ ترجمہ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہما ص ۷۵۵
شیخ ابو بکر جصاص فرماتے ہیں ۔
قال اللہ تعالیٰ ۔ الم نجعل الارض الخ قال الشعبی یعنی
انہ جعل ظهرها للاحیاء وبطنها للاموات وهکذا روی
عن قتادۃ ۔ قال ابوبکر ۔ وھذا دلیل علی وجوب
مواراۃ المیت ودفنه ودفن شعرہ وسائر ما یزیله
لان اللہ تعالیٰ قد اوجب دفنه وهذه الایہ نظیر
قوله تعالیٰ (ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ) یعنی انه جعل له
قبرا ۔ احکام القرآن ج ۳ ص ۴۳۸ وکذا فی مواهب الرحمن
صفحہ ۳۳۲ / ج ۲
پھر اس آیت سے بھی زمین کھود کر میت کے دفن کرنے کی فرضیت ثابت
ہورہی ہے ۔

چوتھی آیت

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝ (طٰہٰ)

اس کا تیسرا حصہ اسی وقت صحیح ہوگا جب زمین میں دفن کیا جائے اسکو
اشارۃ النص کہتے ہیں

واما قوله تعالیٰ وفیها نعیدکم ۔ فلا شبهة فی ان
المراد الاعادۃ الی القبور حتی تکون الارض مکانا و
ظرفا لکل من مات ۔ تفسیر کبیر ص ۶۵ / ج ۲

پانچویں آیت

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ (الاعراف)

آیت میں تمام مؤنث کی ضمائر کا مرجع "ارض" ہے ۔
آدمؑ و اولاد آدم کو روئے زمین پر قدم رکھنے سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ زمین
ہی تمہارا اوڑھنا بچھونا ہے ۔ یعنی تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور اسی میں تم کو
مرنا ہے (یعنی مرکر اسی میں جانا ہے) اور اسی میں سے تم کو نکالا جانا ہے ۔
اس سے بھی بطور اشارۃ النص کے سابقہ آیات کی تائید مزید ہوتی ہے

دفن اور قبر کی تحقیق

دَفَنَ یَدْفُنُ کے لغوی معنی چھپانے کے آئے ہیں اور جب اس کا فاعل
میت واقع ہو تو اس کے معنے میت کے زمین میں چھپانے کے ہیں (دفن ۔ یدفن)
المیت واراہ فی التراب ۔ المدفن ۔ موضع المیت ۔ المنجد ص ۲۱۶ ۔
شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ دفن کے معنی چھپانے
کے ہیں لیکن میت کو زمین میں چھپانے کے معنی میں زیادہ مستعمل ہے اور قبر بھی دفن
کے معنے میں رائج ہے ۔ شیخ کی عبارت ملاحظہ ہو ۔
"کہ دفن بمعنی ستر است غالب آمدہ در ستر میت در زمین و قبر نیز

بمعنی دفن است غالب آمده در موضع دفن ۔ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۹۱

قبر یقبر ۔ کے معنی بھی دفن یدفن کے آتے ہیں جیساکہ ابھی اشعۃ اللمعات کی عبارت اوپر گذر چکی ہے (قبرہ قبراً و مقبراً) المیت ۔ دفنہ ۔ المنجد جیساکہ پہلے تفصیل سے گذر چکا کہ "قبر" "دفن" کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابتدائی تحفیر و تعمیق یعنی کھودنے اور گہرے کھودنے کو تدفین کہتے ہیں اور جب یہ عمل ختم ہو جاتا ہے تو اس کی انتہائی صورت کا نام تقبیر ہو جاتا ہے ۔ فتح العزیز شرح الوجیز (للرافعی الکبیر الشافعی) کی عبارت کا مفہوم بھی یہی ہے القول فی الدفن ۔ واقلہ حفرۃ تحرس المیت عن السباع وتکتم رائحتہ واکملہ قبر ۔ فتح العزیز شرح الوجیز تحت شرح ...

گذشتہ حوالوں سے (دفن) کے لغوی معنی چھپانا معلوم ہو چکے ہیں مع ...

تعریف شرعی: تمام فقہاء باب الدفن یا دفن المیت میں کثرت سے یہ الفاظ درج کرتے ہیں ۔ ویحفر القبر ویلحد الخ کمافی الھدایہ والکنز وغیرھا ۔

فقہاء کی دفن کے بیان میں ان عبارات کا مطلب یہی ہے کہ میت کے چھپانے کے لئے زمین کھودنے کا نام دفن ہے یعنی تحفیر و تعمیق دفن کی ذاتیات میں داخل ہے اس لئے یہ اسکی تعریف حقیقی ہوئی ۔ اب اسکی تعریف یوں کی جائیگی ۔

دفن کیا ہے؟ قبر کھود کر میت کو اس میں رکھ دیا جائے ۔ البتہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ وہ حفرۃ (گڑھا) بصورت لحد ہو جو افضل ہے یا بصورت شق ۔ لہٰذا دفن کی شرعی تعریف کی وضاحت کے بعد یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ فقہا کی عبارت "دفن المیت فرض علی الکفایۃ" سے دفن شرعی ۔ زمین کھود کر میت کو دفن کرنا مراد ہے نہ کہ صرف چھپانا جو کہ محض معنی لغوی ہیں نہ کہ شرعی ۔۔۔ قاعدہ ہے کہ اذا ثبت الشیئ ثبت بلوازمہ

تو جب بھی میت کے لئے دفن کا اطلاق ہوگا تو اس کی حقیقت شرعیہ میں تحفیر ارض زمین کھودنا، جزء لازم ہوگا ۔ اس کے بغیر دفن شرعی متحقق نہ ہوگا ۔۔۔ اور یہ کفایہ بالفاظ جو ہے اس کا تعلق مدفونین سے نہیں ہے بلکہ دفن کرنے والوں سے ہے یعنی بعض مسلمان بھی اگر فرض تدفین ادا کر دیں تو سب کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا ۔ ورنہ سب کے سب گنہگار رہوں گے ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور تصریحات کتب فقہ سے صراحتاً میت کے لئے زمین کھودنے کی فرضیت بالکل ثابت ہو چکی ہے ۔ پھر بھی اگر کوئی ان تمام دلائل و براہین کے باوجود میت کے لئے تحفیر ارض و زمین کھودنا کی فرضیت کا انکار کرتا ہے تو اسے بتانا چاہیے کہ **دفن شرعی کی تعریف کیا ہے؟** یا مستند علماء سے کتاب و سنت کی روشنی میں دفن کی ایسی تعریف پیش کریں جس کے اجزاء ترکیبی میں تحفیر ارض (زمین کھودنا) شامل نہ ہو ۔ مگر لغت و اصطلاح شرعی میں تحریف و تلبیس کئے بغیر ایسی تعریف پیش نہیں کی جا سکتی ورنہ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۞

ایک اشکال اور اسکا جواب

تارکین تدفین شرعی ۔ تحفیر ارض کی فرضیت کا انکار کرنے والے ایک مغالطے کے شکار ہیں ۔ وہ یہ ہے کہ جو آیات بھی تحفیر ارض کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں وہ اخبار ہیں ۔ انشاءات نہیں ہیں ان سے وجوب و فرضیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے ۔ نیز حدیث شریف میں احفروا واوسعوا الخ خبر واحد ہے وہ بھی وجوب کا فائدہ نہیں دے سکتی یہ کہنا صحیح نہیں ہے ۔

(۱) علماء اصول نے اس مسئلہ پر کافی شرح وبسط سے بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر شارع کے لئے تو بے شک یہی اصول ہے کہ اس کے کلام میں امر کے بغیر وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ لا یثبت الوجوب الا من الامر نور الانوار ص۲۶ مگر شارع اس کا پابند نہیں ہے۔ بلکہ شارع کی وہ اخبار جن میں احکام کا بیان ہے مثل انشا، ان کے موجب وجوب ہیں۔ بلکہ انشاء سے بھی زیادہ آکد۔ صاحب تلویح توضیح فرماتے ہیں۔

الباب الثانی فی افادته الحکم الشرعی۔ ای فی افادته اللفظ الحکم الشرعی کالوجوب والحرمة ونحوهما. اللفظ المفید له۔ اما خبر ان احتمل الصدق والکذب. من حیث هو ای مع قطع النظر عن العوارض ککونه خبر مخبر صادق او انشاء۔ ان لم یحتمل واخبار الشارع کقوله تعالیٰ۔ والوالدات یرضعن اولادهن آکد ای من الانشاء لانه ادل علی الوجوب تنقیح توضیح ص۲۹۲ علی هامش التلویح

اس کے بعد صاحب تلویح نے بڑی تفصیل سے اس کی تشریح فرمائی ہے کہ کیوں اخبار شارع انشاء کے مقابلہ میں آکد وادل علی الوجوب ہیں۔

(۲) اور خبر واحد کا معاملہ یہ ہے کہ حدیث صحیح ہو متصل ہو مرفوع ہو تو احکام کے لئے کافی ہے۔ عبادات کی ہیئت اسی قسم کی حدیثوں سے ثابت ہے جو واجب العمل ہیں۔ کیا ہم امید کریں کہ تحفیر ارض کی فرضیت کا انکار کرنے والے اپنے نتیجہ معلومات کی تصحیح فرما کر صدق دلی سے اعتراف فرمائیں گے کہ تحفیر ارض کے بغیر تدفین شرعی متحقق نہیں ہوتی۔ لہذا جو صورت حضرت اقدس رائپوری

کے سامنے پیش آئی ہے وہ ان متذکرہ بالا تحقیقات وتصریحات کی روشنی میں قطعاً تدفین شرعی نہیں ہے اس کی اصلاح ضروری ہے جس طریقہ سے نعش مبارک کو رکھا گیا ہے اس کو دفن کی نیت سے نکالنے پر نبش قبر کا اطلاق نہ ہوگا۔

استدلالات فاسدہ کا جواب

تارکین تدفین شرعی کا حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے معاملہ میں جہاں اس غیر شرعی صورت میں دفن شرعی اور قبر شرعی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اس کی اصلاح کو نبش قبر قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ محترم مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے لکھا ہے کہ :۔

یہاں تک کہ اگر میت کو بلا غسل یا بلا کفن یا بلا نماز جنازہ یا مستدبراً الی القبلہ دفن کر دیا گیا ہو تو غسل دینے کفن دینے نماز جنازہ پڑھنے اور میت کو قبلہ رُخ کرنے جیسی اہم ضرورتوں کے لئے بھی قبر کھولنا ناجائز اور حرام ہے۔ انتہیٰ۔

تو اس کا تعلق قبر مدفون سے ہے یہاں نہ قبر ہے نہ ہی دفن کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ مفتی صاحب کا فرمانا کہ :۔

"دفن کی تکمیل کے بعد نکالنا خواہ دفن بطریق سنت ہو یا بغیر سنت حتیٰ کہ بلا غسل، بلا نماز۔ بلا کفن دفن کرنے پر بھی بعد تکمیل دفن کرنے پر بھی جائز نہیں"

صحیح ہے مگر یہاں تو دفن بھی متحقق نہیں چہ جائیکہ تکمیل دفن۔؟ یہی مفتی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

"ذاتِ میت میں کسی ترک سنت کو کہ قبلہ رُخ نہ ہونے، داہنی

سروٹ پر نہ ہونے بلکہ ترک فرض کفایہ عدم غسل و عدم صلوٰۃ کو بھی ترک
حرمت میت قرار دے کر کسی نے نکالنے کی اجازت نہیں دی تو جو
ذات میت سے خارج ہو یعنی قبر اس کے خلاف ہونیکو کیسے اس کا
ذریعہ بنایا جاسکتا ہے " انتہیٰ -

یہ بھی بعد دفن کا مسئلہ ہے یہاں دفن ہی نہیں ہے -

اسی طرح بعض دوسرے مفتیوں نے بھی استدلال میں انہیں امور مندرجہ بالا کو پیش
کیا ہے - ہم اس کا تجزیہ کرکے واضح کریں گے کہ زیر بحث صورت میں فریضہ تدفین
جواب تک متروک ہے اس لئے فرض کے انجام دینے کے لئے تابوت کا نکالنا نبش
نہیں ہے اور اس بیان امور سے استدلال کس درجہ غلط اور بے تکی بات ہے
زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ بلا عذر دفن کے فرض کو اپنے اوپر باقی رکھا
گیا ہے جو بغیر تحفیر ارض ادا نہیں ہوسکتا - اب وہ فرض ادا کیا جائے یا نہیں ؟؟

تارکین تدفین شرعی بلا تحفیر ارض سطح زمین پر تابوت و نعش کے محبوس
و مقید کرنے کو دفن کا نام دیتے ہیں اور ادائے فرض کے لئے تابوت نکالنے کو نبش قبر
قرار دیتے ہیں - یہ بے دلیل بات ہے اور استدلال میں بلا غسل وغیرہ میت کو
نکالنے کی ممانعت کو یہاں بطور نظیر پیش کرنا غلط نظیر ہے کیونکہ غسل، کفن، نماز
مقدمات و مبادیات تدفین ہیں - تدفین کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہیں اور
تحفیر ارض تدفین کی ماہیت اور اس کی حقیقت میں داخل ہے - مبادیات مقصد
کے متروک ہونے سے اصل مقصد یا اس کے بعض اجزاء کے فوت ہونے پر
استدلال روایۃً و درایۃً کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ یہاں ممثّل اور ممثّل
لہٗ کے مابین کوئی امر بھی قدر مشترک اور مناسبت من وجہ کے طور پر موجود نہیں ہے
اس لئے یہ نظائر مفید ثبوت و دلیل نہیں بن سکتے ـــــ نیز فقہاء کرام نے بلا

غسل و کفن اور بغیر نماز والی میت کو نکالنے سے اس وقت روکا ہے جبکہ تکمیل
تدفین ہو چکی ہو کیونکہ ان امور کے پورا کرنے کا وقت قبل التدفین ہے -
نیز مسئلہ کہ بلا کفن وغیرہا میّت کو نکالنے کی ممانعت، مسائل مستنبطہ میں
سے ہے احکام منصوصہ میں سے نہیں ہے اور تحفیر ارض منصوص ہے گو تارکین کے نزدیک
اس کا منصوص ہونا مسلم نہیں - مگر بلا تحفیر ارض تکمیل تدفین کے ثبوت پر ان کے
پاس نہ کوئی حکم منصوص ہے اور نہ ہی کوئی فقہی جزئیہ ظاہر کہ ایسی صورت میں انکا
فیصلہ تدفین بلا تحفیر استنباط و اجتہاد ہوگا جو صحیح نہیں - کیونکہ مسائل مستنبطہ منصوص
احکام کے لئے مقیس علیہ نہیں بن سکتے -

علماء امت نے مجتہد و مفتی کی صفات اور ان کی شرائط کو مرتب و مدوّن
فرما دیا ہے، جیسا کہ عنقریب آپ کے مطالعہ میں آرہا ہے بہرحال ہم اس بحث سے
صرف نظر کرتے ہوئے یہ چند معروضات تارکین تدفین شرعی کی خدمت میں ضرور
پیش کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کا جواب سمجھ بوجھ اور احساس ذمہ داری
کے ساتھ مرحمت فرمائیں -

(الف) بلا تحفیر ارض تحقق تدفین کا قول کرنا قرآن کریم کی کس آیت اور احادیث
رسول اللہ کی کس حدیث سے مستنبط ہے ؟

(ب) اگر بلا غسل و بلا کفن و بلا نماز والی صورت کو نظیر بنا کر بلا تحفیر ارض -
تدفین کو کامل قرار دیا گیا ہے تو واضح رہے کہ اتحاد حکم موقوف ہے اتحاد علت پر
اس لئے پہلے اتحاد علت ثابت فرمائیں -

(ج) اگر بلا تحفیر ارض - اور بلا کفن و غسل اور بلا نماز تدفین کے بعد نبش قبر
کی حرمت کا حکم تمام صورتوں میں یکساں ہے تو فقہاء کرامؒ نے بلا کفن وغیرہ صورتوں
کا حکم تو بتلا دیا مگر بلا تحفیر والی صورت کو کیوں نظر انداز کیا - ؟ یہ فقہاء کرام رحمہم اللہ

تعالیٰ اجمعین کی (خاکم بدہن لغزش تھی۔ سہو تھا۔ ؟ اسے کیا قرار دیا جائے ؟ بالتغائر حکم کا باعث السکوت فی معرض البیان بیان کے ضابطہ کے مطابق بلا تحفیر والی صورت میں نغیر کا کرنا کا سکوت اختیار کرنا تغایر حکم کی دلیل ہے (د) بلا کفن بلا غسل بلا نماز والی صورت سے اس مختلف فیہ مسئلہ میں اس لئے بھی استدلال صحیح نہیں کہ اگرچہ کفن غسل، نماز عام موتیٰ کے لئے مشروع ہیں مگر شہید کے باب میں بلا غسل و کفن و نماز بھی مشروع ہے گو احناف بلا نماز تدفین جائز نہیں سمجھتے مگر شوافع کا مسلک ہے۔ بلا کفن و بلا غسل میں سب متفق ہیں۔ امام بخاری اپنی جامع میں ایسی حدیث نقل فرماتے ہیں جسمیں بلا نماز پڑھائے عمل تدفین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ۔ الخ۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۹ کتاب الجنائز۔ باب الصلوٰۃ علی الشہید۔

اس لئے ایک ایسی چیز سے استدلال جس میں فعل و عدم فعل اپنے اپنے مواقع پر دونوں مشروع ہوں۔ غیر جائز ہے اسی وجہ سے ان امور کے ترک ہونے پر بھی تدفین کے بعد نبش قبر کی اجازت نہیں دیگئی لیکن زیر بحث مختلف فیہ مسئلہ اس سے الگ ہے اس پر اُسے کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

بہرحال تحفیر ارض کی فرضیت اور اس کے متعلقات پر سیر حاصل بحث ہوچکی اور یہ بطور واقعہ کے سمجھئے کہ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ درحقیقت یگانۂ روزگار۔ فاضل عصر شیخ الحدیث علامہ محمد یوسف صاحب بنوری متعنا اللہ بفیوضہ کے اجمال کی تفصیل ہے۔ جو امام العصر محدث شہیر علامہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس سرہ کے علوم و اسرار کے امین ہیں اپنی ژرف نگاہی علمی پختگی حدیث میں مہارت فقہی درایت۔ جودت ذہن و دماغ و سرعت فہم و ادراک اور جرأت گفتار و حق گوئی میں مشہور ہیں۔ مصر کی۔ مجمع البحوث الاسلامیہ کے باحوصلہ ممبر۔ دمشق کی۔ المجمع العلمی کے منتخب ارکان میں سے

[پاک]ستان ہیں اپنی علمی و دینی خدمات اور قرآن وحدیث کے اہم مسائل میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عربی دنیا میں جنکا چیلنج ہے کہ قرآن کے معانی و بیان اور اس کے معانی اسرار و نکات حدیث فقہ و اصول فقہ کے مسائل میں کوئی بھی ان کا مقابلہ کرلے ماہری فضلاء جن کے وقیع استدلالات و متین ایرادات اور فصاحت بیان سے بے انتہا مرعوب ہیں۔

بہرحال آپ نے جس محققانہ و بصیرت افروز انداز میں تارکین تدفین شرعی کے استدلالات فاسدہ کی کمزوری ظاہر فرمائی ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے اور آپ ہی کا حق ہے اور یہ ناممکن ہے کہ جب تک قرآن وحدیث کی ماہرانہ فہم میسر نہ ہو اور فقہ و اصول فقہ کے مسائل و مباحث کا استحضار نہ ہو۔ بینات اسکے۔ بصائر و عبر اسکے ثبوت میں پیش کئے جاسکتے ہیں اور پھر سنن امام ترمذی کی مشہور شرح بھی معارف السنن آپ کی علمیت پر شاہد عدل ہے۔ صداقت شعار آدمی سب کچھ برداشت کرسکتا ہے۔ مگر غلط بیانی اس کے لئے ناقابل ضبط و تحمل ہوتی ہے۔ مسائل و حوادث میں حکم اور فیصل ہمیشہ اصول و ضوابط ہوتے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ اگر کوئی شخصیت اس کی زد میں آتی ہے تو یہ اکرام مسلم کے خلاف نہیں ہے بلکہ عین اکرام ہے کہ غلطی کے گرداب بلا سے اسے نکال لیا۔

اس لئے اگر مولانا موصوف نے افتاء کے شروع میں بطور تمہید ارباب افتاء کو کچھ نصائح اور کچھ تنبیہات فرمادیں تو قیامت برپا نہیں ہوئی۔ اگر غلط روی پر روک ٹوک بھی غلطی سے تعبیر کی جانے لگے تو پھر علوم و معارف کا خدا ہی حافظ۔ کیا یہ چیں بجبیں ہونے والے حدیث کی تنقیح و تحقیق کے سلسلے میں رجال کی بحثوں کو بھول گئے جہاں ہر دم یہ معرکہ آرائیاں گرم رہتی ہیں۔" البتہ یہ خاص تاثر کہ حضرت مولانا موصوف نے نامزد کرکے تحریر فرمایا۔

Scanned by CamScanner

"کراچی سے لاہور۔ ڈھڈیاں۔ لائل پور سے لے کر سہارن پور، لکھنؤ
بجنور۔ مئو۔ شاہجہاں پور تک فتاوی کا اور فتوی نویسی بلکہ فتوی سازی
کا جو جال بچھایا گیا سب کو غور سے دیکھا۔ اقلام سے قلوب تک اور
افکار سے اغراض تک جو حقائق ہیں وہ سامنے آئے۔ بجز حیرت وافسوس
کیا کہا جاسکتا ہے۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

بعض مفتیوں کے خیال میں اس سے مفتیوں کا وقار مجروح ہوا ہے
اور اس عبارت سے ان کی تجہیل وتحمیق کی گئی ہے۔"

شعر مرا بمدرسہ کہ برد والا معاملہ ہے۔ اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ سرین
کے زخم کے لئے اوباً چہرے کا اپریشن نہیں کیا جاسکتا۔ فساد کے جراثیم جہاں جہاں بھی
ہوں گے ان کی نشان دہی ضرور کرنی چاہئے۔ نیز عبارت بالا سے یہ مفہوم اخذ کرنا بھی
غیر شعوری طور پر اقرار جرم کے مرادف ہے۔ ورنہ سیاق وسباق اس کی نفی کرتے ہیں۔
محترم موصوف اس عبارت کے بعد متصل ہی اس دل خراش موضوع پر بحث
کو بادلِ ناخواستہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"لیکن صورت حال نے مجبور کیا کہ اس فتوی نویسی کی وجہ سے
جو فضاء پیدا ہوگئی ہے اس کا کچھ تدارک کیا جاوے اور حضرات مفتین
صاحبان کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے! اس عبارت کی
موجودگی میں اس مفہوم کی کوئی گنجائش بظاہر نہیں رہتی۔" ۱

اس لئے مولانا موصوف کی عبارت سے تنقیص کا مفہوم نکالنا صحیح نہیں۔ اسکا
منشاء تحقیق وتنقیح اور تنبیہ ہے جو اصل مقصد ہے جیسا کہ رواۃ کے سلسلہ میں عموماً
ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن سے واضح طور پر رواۃ کی تنقیص ہوتی ہوئی معلوم ہوتی

ہے اور بعض احوال کے اظہار سے کشف عیوب و ہتک ستر کا گمان ہوتا ہے جو شرعاً
حرام ہے مگر مقصد توضیح روایت اور تنقیح ہوتی ہے۔ تذلیل رواۃ (عیاذاً باللہ) نہیں
وہ موہوم نہیں محمود ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے حدیث "من ستر مسلما ستره
اللہ یوم القیامۃ" کے ذیل میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے جس کا خلاصہ
یہ ہے کہ "راویوں، گواہوں، حاکموں وغیرہم کے احوال پر جرح وتنقید حقوق العباد
اور دین کے تحفظ کے باعث واجب اور ضروری امر ہے۔ یہ پردہ دری وافشائے عیوب
سے نہیں ہے۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص ۱۱۷ ج ۴
محترم موصوف کی جرح بھی اسی پر محمول کرنی چاہیے

کتب فقہ کی ایسی عبارات سے مختلف فیہ مسئلہ میں استدلال جس سے
نفس دعویٰ ثابت ہو ہر خالی الذہن کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے ایسی صورت
میں ضروری تھا کہ امت کو فتاویٰ کی اس حقیقت سے آگاہ کیا جائے اور صحیح و
شرعی صورت حال واضح کی جائے۔ حضرت مولانا موصوف پہلے خود بھی مفتی زین العابدین
صاحب کے فتوی کی تصدیق فرما چکے تھے۔ مگر حقیقت حال منکشف ہونے پر
رجوع بھی فرمالیا اور اس کا اعلان بھی کردیا۔ یہ بھی جہاں موصوف کے تبحر علمی کی بیّن شہادت
ہے وہاں آپ کی بے نفسی وخدا ترسی کو بھی آشکارا کررہی ہے۔ نیز حضرت مولانا
مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی مدظلہٗ (مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی) نے
نہایت مختصر مگر جامع انداز میں انھیں فتاویٰ کی بے ضابطہ وغیر اصولی تعبیرات
وتشریحات کی تردید اور اصل مسئلہ کی تنقیح وتحقیق فرمائی ہے۔ اور ثبوت
میں نصوص قطعیہ اور جزئیات فقیہہ سے استدلال فرمایا ہے جو مفتی صاحب
موصوف کی وسعت نظر۔ اصابت فکر اور فقہی درایت وبصیرت پر شاہد عدل

ہے۔ حضرت مولانا بنوری اور حضرت مفتی صاحبان دامت برکاتہم کی تحریر کے بعد ہی علی وجہ البصیرت ہم کو قلمدان سنبھالنے کی جرأت ہوئی۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ امت کا ایک اچھا خاصا طبقہ انھیں فتاوی کی بدولت غلط فہمیوں کا شکار ہو چکا تھا۔ کس کو جرأت تھی کہ لب کشائی کرے۔ ان اللہ کے بندوں نے بالخصوص حضرت قاری صاحب مدظلہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند نے جرأت رندانہ سے کام لے کر بلا خوف لومۃ لائم دنیا کو بتادیا کہ ابھی دنیا اہل حق اور حق گو بندگانِ خدا سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ ملت اسلامیہ ان تمام حضرات کی ممنون احسان و کرم ہے کہ ایسے نازک موڑ پر جادۂ حق کی طرف رہنمائی فرمائی۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء عنا وعن جمیع المسلمین۔ (انتہی)

بہرحال ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ آخرت کی مسئولیت کے پیش نظر کیا ہے۔ انسان خطا و نسیان سے خالی نہیں اور گو ہم نے ذاتیات سے حذر کیا ہے پھر بھی دانستہ یا نادانستہ اگر کسی کی شان میں کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو ہم معافی چاہتے ہیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبولٌ۔

اور اس مختلف فیہ مسئلہ میں اگر کوئی۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری غلطی ظاہر کریگا تو ہم ہر وقت اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنیکو تیار ہیں گو ہم نے منقولات ہی کو موضوع بنایا ہے ... مگر بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اسلام بعد یہ مسئلہ اٹھایا گیا ہے تو واضح رہے کہ امتداد زمانہ کا اثر ہر مسئلہ پر نہیں پڑتا۔ آخر میں ہم علامۃ العصر امام المنطق محدث یگانہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نور اللہ مرقدہ، سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند کا ایک بیان جو اس مختلف فیہ مسئلہ پر موصوف نے دیا پیش کرتے ہیں اور اس تمہید کو ختم کرتے ہیں تاکہ آپ اصل فتوی سے متمتع ہوں۔

حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فیصلہ کن بیان

راقم (عطاء الرحمن صاحب (حضرت اقدس رائپوری کے خادم خاص) فرماتے ہیں جس وقت یہ مسئلہ تدفین زوروں پر تھا اور فتوئی سازی کا جال بچھایا جارہا تھا اس وقت ایک افواہ یہ اڑادی گئی کہ علامہ محمد ابراہیم صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند نے حضرت کی تدفین کے حق میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ خبر سن کر راقم (عطاء الرحمن) اور مولانا حبیب الرحمن صاحب رائپوری رائپور سے حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:-

"کیا حضرت نے تدفین کے حق میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے؟

اس پر علامہ موصوف نے فرمایا:-

"کون کہتا ہے اس مسئلہ پر تمام علماء کو رائپور یا دیوبند اکٹھا کرو اور اسمیں شیخ الحدیث صاحب کو بھی بلاؤ پھر میں پوچھوں گا۔ تدفین کس طرح صحیح ہوگئی؟ اور بھئی میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اگر کسی ایسی بڑی شخصیت کی تمنّا کو پورا کرنے میں مکروہ (مکروہ) تحریمی بھی حائل ہو تو اس کی بھی پرواہ نہ کرو اور تمنا کو پورا کیا جائے: انتہی

———(۵)———

حضرت علامہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے بعد ہم فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
کا ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ بعد تکمیل دفن جس کو تین سال گذر گئے حسب وصیت
میت اس کو اپنے وطن منتقل کرنا مفتی محمد شفیع صاحب کی تحقیق میں محض
مکروہ ونامناسب ہے۔ لہٰذا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قضیہ میں جہاں دفن سرے
سے ہوا ہی نہیں ہے۔ یا یوں کہیے کہ یقینی نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ ہے۔ پھر بھلا
حرمت کا فتویٰ دینے کی کیا بنیاد ہے؟ جب کہ عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
و دورِ خلفاء راشدین و ما بعد میں تعدد و کثرت کے ساتھ بعد دفن مدت مدید گزرنے
کے بعد انتقال اموات کے واقعات صفحۂ قرطاس پر تاریخ کا جز بن چکے ہیں۔ جنکی
تفصیل اس کے بعد ہی "کشف الحقیقہ" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ ونامناسب ہے

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کا فتویٰ

سوال: ۱۶۱/۲۱۶ ایک شخص لاہور میں ملازم ہیں۔ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا جس کو عرصہ
تین سال کا ہو گیا ہے۔ بیوی نے وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے وطن ضلع جالندھر
میں بعد مرگ دفن کیا جائے۔ لیکن علماء کی رائے سے مرحومہ کو لاہور ہی میں دفن کیا
گیا تھا۔ اب اس شخص کی یہ خواہش ہے کہ اس مرحومہ کی خاک استخوان کو جمع کر کے
اور کسی صندوق وغیرہ میں رکھ کر اسے اپنے وطن اصلی میں لیجا کر دفن کیا جائے کیا یہ
شرعاً جائز ہے۔

الجواب

قال فی العالمگیریہ۔ ویستحب للقتیل والمیت دفنه فی
المکان الذی مات فی مقابر اولٓئک القوم وان نقل قبل الدفن

الی قدر میل او میلین فلا باس کذا فی الخلاصہ۔ وکذا لو مات فی
غیر بلدہ یستحب ترکہ فان نقل الی مصر آخر فلا باس به
ولا ینبغی اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا کانت الارض
مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ کذا فی فتاوی قاضی خاں۔ جنائز عالمگیری
مصری ج ۱ ص ۱۵۶

قاضی خاں کے الفاظ مذکورہ "لا ینبغی" سے معلوم ہوا کہ میت اگر کسی غیر وطن
میں مر جائے اور دفن کر دیا جائے تو وہاں سے نکالنا مکروہ ہے۔ اور پھر عبارت کے خلاصہ
سے ثابت ہوا کہ مسافت طویلہ پر لیجانا دوسری کراہت ہے اس لئے ایسا کرنا مناسب
نہیں۔ فقط

کتبہ
محمد شفیع غفرلہ

الجواب صحیح
محمد اعزاز علی غفرلہ

فتاوی دارالعلوم دیوبند
امداد المفتین ج ۱-۲ ص ۳۶۶

رائپور ہی میں متوازی خانقاہ کی جدوجہد
شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کا آخری افسوسناک اقدام

اِس شہر کے قاتل کو دیکھا تو نہیں لیکن
مقتل سے جھلکتا ہے قاتل کی جوانی ہے

واقعہ یہ ہے کہ ہماری کتاب "الحرف الآخر" کی کتابت پوری ہو چکی تھی اور ہم آخری وقت تک اس نازک ترین موضوع کو چھیڑنا نہیں چاہتے تھے جب کہ ہمیں معلوم تھا کہ ۲۳ رجب المرجب ۱۳۹۰ھ کی رائپور کی ناکام گفتگو کے بعد حضرت شیخ تقریباً ایک سال سے رائپور ہی میں ایک متوازی خانقاہ قائم کرنیکی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ یہ تو آپ حضرات تفصیل سے پڑھ ہی چکے ہیں کہ مسئلہ تدفین میں اختلاف و انتشار کی شدت درحقیقت حضرت شیخ الحدیث صاحب کی مداخلت کا نتیجہ ہے اس معاملہ میں حضرت شیخ اپنے مقام و منصب کو بھی ملحوظ نہ رکھ سکے۔ دنیا سخت حیران ہے کہ محترم موصوف کو اس قدر دلچسپی کیوں؟ کہ اپنے اہم ترین مشاغل و مصروفیات کو نظرانداز کر کے سفر و حضر میں انتہا یہ کہ حرمین شریفین میں بھی دل و دماغ پر اسی جدوجہد کا تسلط ہے ہم بہت سے واقعات میں بخوبی جانتے ہیں کہ محترم موصوف کبھی خود میدان میں نہیں آتے لیکن پس پردہ خود کمان کرتے ہیں۔ انتہائی فطانت و ذہانت اور حسن سلیقہ کی بات ہے کہ گرفت سے بھی آزاد اور غیر جانبداری بھی برقرار۔

اس قضیہ میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے لیکن قدرتی بات ہے ہم تو اس کو حضرت

اقدسؒ کا باطنی تصرف سمجھتے ہیں کہ اس ظلم و ستم کی جس نے بھی حمایت کی ہے ٹھوکر کھائی ہے۔

محترم موصوف کی اس سلسلہ کی جدوجہد بھی دستاربندی شہادتوں کے ساتھ طشت از بام ہوگئی۔

محترم موصوف نے حضرت الحاج الحافظ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب متعنا اللہ بحیاتہ جانشین حضرت اقدسؒ کے قیام رائپور پر گفتگو کے عنوان سے رائپور میں ۲۲ رجب ۱۳۹۰ھ کو ایک اجتماع کیا جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

بعد کے آنیوالے واقعات نے اس اجتماع کے دواعی و محرکات اور اس کے پس منظر کو بے نقاب کر دیا ہے اور اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ یہ ان خواص و عوام کے منتخب اجتماع میں جانشین حضرتؒ کو سبکدوش کرنیکی اسکیم تھی جس کا محترم موصوف کے لئے کوئی حق و اختیار نہ تھا تاکہ بیک وقت ہندو پاکستان میں مشہور ہو جائے کہ بالاجماع یہ فیصلہ ہوا ہے۔ جبکہ ایسے ہی اندیشوں کی بنا پر حضرت اقدسؒ نے انتہائی دوراندیشی و فراست سے اپنے جانشین کے انتخاب کے معاملہ میں ہر ممکن فتنہ و انتشار کی راہیں مسدود فرمادی تھیں۔ ممکن ہے کہ محترم موصوف کو پیش پیش رکھنا بھی اسی مصلحت سے ہو۔ محترم موصوف سے اس انتخاب کے سلسلے میں کن الفاظ میں مشورہ ہوا۔ محترم موصوف کے ہی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔[1]

"میں حاضر ہوا تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرات (رائپوری

---

[1] یہ مکتوب حال ہی میں سفر حجاز سے قبل ۱۲ صفر ۱۳۹۳ھ کو .... کے نام لکھا گیا ہے جس کے مندرجات جا بجا آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرات مراد ہیں) یوں کہتے ہیں کہ ہم نے حافظ صاحب کو یہاں مستقل
قیام پر راضی کر لیا ہے اس میں تیری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا
حضرت بہت مناسب اور بہت ضروری ہے۔ انتہی۔
مکتوب صفر ۱۳۹۳ھ

چنانچہ اس مشورہ کے بعد حضرت اقدس نے محترم موصوف ہی کی زبانی اس انتخاب
کے اعلان کو بہت ہی پسند فرمایا۔ بعد کے احوال سے اس پسندیدگی کی مصلحت بھی
واضح ہو گئی۔ اسی مکتوب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس تجویز کا کھانے پر اعلان
کر دوں؟

حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا ہے آپ ہی کی زبانی اس کا اعلان
ہو جائے۔ انتہی مکتوب صفر ۹۳ھ

رائپوری حضرات کا انتخاب درحقیقت حضرت کے دل کی آواز تھی۔ جو محترم
موصوف کے اشکالات کے باوجود متاثر نہ ہو سکی۔ فرماتے ہیں:۔

"مگر حافظ صاحب کے ساتھ اتنے قصے پاکستان کے لگ رہے
ہیں کہ امید نہیں کہ حافظ صاحب یہاں مستقل قیام فرما سکیں۔
حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے مگر یہ دوست یوں کہہ
رہے ہیں کہ ہم نے تیار کر لیا ہے اور وعدہ کرا لیا ہے۔ انتہی مکتوب صفر ۹۳ھ

حضرت کے جواب سے واضح ہے کہ اشکال کے باوجود وہی رائے ہے۔ محترم موصوف
ہی کے مکتوب کے مندرجات سے واضح ہے کہ نہ انتخاب ہی آپ کی رائے پر موقوف
تھا۔ اور نہ آئندہ ہی کے لئے آپ کو حضرت نے محاسب و نگراں مقرر فرمایا۔ اور نہ
مستقل رائے پور قیام نہ ہونے کی صورت میں آپ کو سبکدوش و معزول کرنے کا ہی

مختار و مجاز بنایا۔ اور نہ تقاضۂ شرعی ہی ہے کہ آخرت کی مسئولیت کے خوف سے
...ہیں۔ نہ ولی ہیں، نہ وصی پھر یہ تمام اقدامات کیوں؟

جہاں تک حضرت کے یا حضرت سے تعلق کا مسئلہ ہے تو تعلقات کے
بیان کرنے میں محترم موصوف نے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے جس سے یہی معلوم
ہوتا ہے کہ کوئی معاملہ بھی آپ کی شرکت کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔
جبکہ محترم موصوف کو حضرت سہارنپوری نے حضرت اقدس کے ارشاد پر
ان شرائط کے ساتھ اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ آپ نگرانی فرمائیں۔ اس لئے آپ کا
تعلق ایک مسترشد کی حیثیت سے تھا لیکن حضرت اقدس نے بقول محترم موصوف کے
اس درجہ اعزاز بخشا۔

ہم محترم موصوف سے انتہائی ادب کے ساتھ دریافت کرتے ہیں کہ کیا اس
قریب ترین تعلق کا تقاضا یہی ہے کہ جن کو حضرت اقدس نے اپنا جانشین منتخب
کیا ہر ہر قدم پر ان کے لئے مشکلات پیدا کی جائیں۔ اور محض اس بنا پر وہ کیوں آپ کے
زندو مرتی کی وصیت اور تدفین شرعی کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے شیخ و
مرشد کے قائم مقام ہیں۔

اور جن لوگوں نے حضرت اقدس کی وصیت کو علی الرغم دانستہ نظر انداز کیا،
تدفین شرعی سے محروم کیا، اور آج تک اسی پر مصر ہیں کیا وہ آپ کی حمایت کے
مستحق ہیں؟

بے شک حضرت اقدس نے جو معاملہ فرمایا وہ ان کے بلند مقام کے شایانِ شان
تھا مگر محترم موصوف ذرا اپنے معاملہ کا بھی جائزہ لیں۔ کیا ہَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ
کی یہی تفسیر ہے!

حضرت اقدس کے تعلق کے بعد اس کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ محترم موصوف

کو حضرتؒ سے کس درجہ تعلق تھا۔ تو یہ حضرت اقدسؒ کے ایک تحریری جواب بھی
ملاحظہ فرمائیں جو محتاج وضاحت نہیں۔

محترم جناب شاہ مسعود صاحب (ساکن بہٹ ہاؤس سہارنپور) حضرت
کے جاں نثار محب صادق اور عزیز ترین محبوب تھے ان سے اور ان کے خاندان
سے حضرتینؒ کو جس درجہ تعلق تھا۔ غلامانِ رائپور پر مخفی نہیں ہے۔ بار ہا حضرت
اقدسؒ کا قیام بہٹ ہاؤس میں ہوتا تھا۔ ایک ملاقات میں فرمایا کہ

"اس آخری سفر پاکستان سے کئی سال پہلے کی بات ہے کہ حضرتؒ
کا قیام پاکستان میں بہت طویل ہو گیا تھا اور میں بار بار
تشریف آوری کے لئے تقاضا کر رہا تھا۔ لیکن حضرتؒ کی واپسی
میں تاخیر ہی ہوتی رہی تو میں نے مزاحًا یہ لکھ دیا کہ

آپ ہمارے بلانے پر کیوں تشریف لائیں گے حضرت
شیخ الحدیث صاحب تشریف آوری کو لکھیں گے تب
ہی آپ تشریف لائیں گے۔

جس کے جواب میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ

"آپ کے بلانے پر آؤں گا۔ اور اب حضرت شیخ الحدیث صاحب
کو میری کیا ضرورت ہے؟"

ممکن ہے کہ الفاظ کی نقل میں کچھ تغیر ہو گیا ہو مگر مفہوم یہی ہے۔"
مکتوب گرامی محترم شاہ صاحب کے پاس اب تک محفوظ ہے۔

حضرتؒ سے قریب رہنے والے اصحاب آپ کے تحمل اور آپ کی وسعت ظرف
سے خوب واقف ہیں کہ اپنے حلقہ بگوش غلاموں کے بارے میں بھی اشارۃً کنایۃً
کبھی بھی کوئی ایسی بات نہیں فرماتے تھے انتہائی شاذ و نادر ہی کسی کے بارے میں کچھ

فرمایا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ محترم موصوف کو خانقاہ کی آبادی اور تعمیر و ترقی کے عنوان
سے از سرِ نو متوازی خانقاہ کے قیام کا داعیہ کیوں پیدا ہوا؟ جو منتسلین و
منتسبین میں شدید انتشار و اختلاف کا سبب بن سکتا ہے۔ کیا ایسے اقدامات جذبۂ
خیرسگالی و ہمدردی پر محمول کئے جا سکتے ہیں؟ محترم موصوف رائپوری خانقاہ کے متعلق ارشاد
فرماتے ہیں: رائے پور شریف کی خانقاہ شریف کی (خاکم بدہن) بربادی کا جتنا قلق
و رنج ہے وہ قابل برداشت نہیں اگرچہ عادت اللہ یہی ہے جو ہو رہا ہے۔
پہلوں کا حال تو معلوم نہیں۔ لیکن اپنے اکابرین گنگوہ شریف کی خانقاہ شریف
کو دیکھا۔ جھنجانہ شریف کی خانقاہ شریف کو دیکھا۔ تھانہ بھون کی خانقاہ کو دیکھا
یہ سب کیوں ہوتا ہے اس کی وجہ تو خوب ذہن میں ہے اور مالک کی بے نیازی
کے کرشمے ہیں۔ مگر تمنا یہ تھی کہ یہ منظر رائپور کے متعلق یہ روسیاہ نہ دیکھتا! اس
لئے کہ میرے حضرت شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ اعلی اللہ مراتبہٗ
کو اس کی آبادی کی بہت ہی تمنا و فکر تھی۔ انتہی۔ مکتوب صفر ۹۳ھ

کیا یہ اتفاق ہی ہے کہ تھانہ بھون اور اس کی خانقاہ دونوں ہی جگہ سے لفظ
"شریف" غائب؟ نیز مدنی خانقاہ اس فہرست سے کیوں خارج کر دی گئی؟ کیا اسکی
آبادی کے لئے بھی کسی جد و جہد کا امکان ہے؟ کیونکہ مولینا اسعد میاں صاحب کو تو
ملت کی تعمیر و ترقی جیسے مشاغل سے ہی فرصت نہیں ہے۔ اس لئے بہت بہتر ہوگا
کہ مدنی خانقاہ کی آبادی کے لئے بھی کوئی نامزدگی ہو جائے۔ اور مولینا مفتی عزیز الرحمن صاحب
بجنوری کو آپ کے ارشاد کے بعد اس سعادت کے قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہوگا۔

عرصہ ہوا کہ خانقاہ تھانہ بھون کی آبادی کے لئے بھی زور باندھے گئے اور محترم
موصوف نے اس کی آبادی کا عزم بالجزم فرما لیا تھا اس دوران مولٰنا مفتی جمیل احمد

صاحب تھانوی (ساکن حال نیلا گنبد لاہور) تھانہ بھون آئے ہوئے تھے ان کی اور دوسرے احباب کی جانب سے اس مداخلت بیجا پر شدید ردِعمل ہوا تو معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

"دیکھئے آئندہ پھر کب اقدام ہوتا ہے۔"

آمدم برسر مطلب۔ ہم محترم موصوف سے رائپوری خانقاہ کی (خاکم بدہن) بربادی کے ادّعا کی تشریح چاہتے ہیں کہ وہ کیا ہے؟

(۱) کسی خانقاہ کے سربراہ و شیخ کی غیر حاضری کی بنیاد پر اگر یہ دعویٰ کیا گیا ہے تو یہ بتائیے کہ غیر حاضری کی میعاد کیا ہے؟ اور سنہ ۴۷ء کے بعد حضرت اقدسؒ کے رائپور کے قیام کے مقابلہ میں زیادہ وقت خانقاہ سے باہر ہی گزرا ہے

اگر اس وقت خانقاہ باوجود غیر حاضری کے آباد تھی تو آج کیوں (خاکم بدہن) برباد ہوگئی؟

(۲) اور اگر وطنیت کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جانشین حضرت اقدسؒ ابھی تک کیوں ہندوستان مستقل نہیں ہوئے۔ تو اس بنیاد پر کم از کم محترم موصوف کو یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ ۱۲ خلفاء حضرت اقدسؒ کے جو اس قضیہ میں آپ ہی کے ہم خیال ہیں حضرتؒ کی ہندوستانی وطنیت کو عارضی کہتے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور آپکا اصل وطن پاکستان کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا اب اس بنیاد پر اس دعویٰ کی کیا گنجائش رہتی ہے؟ ورنہ آپ یہ اعلان فرمائیے کہ ان بارہ خلفاء نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

(۳) محترم موصوف اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرتؒ نے تخلیہ میں مجھ سے فرمایا کہ آپکو اس تجویز پر اطمینان ہے۔
میں نے عرض کیا کہ حضرت! اگر عمل ہوجائے تو بہت ہی ان شاء اللہ مفید ہوگا۔ مگر ...... مگر کے بعد میں نے سکوت کیا۔ حضرتؒ

نے فرمایا کہ صحیح فرمایا مگر .... مگر کے بعد حضرتؒ نے بھی کچھ نہ فرمایا .... میں سمجھتا رہا کہ دونوں کی مگر ایک ہی ہے اور وہ قیام سے نا امیدی۔ انتہیٰ

جب آپ خود یہ فرماتے ہیں کہ حضرت اقدسؒ بھی اپنے جانشین کے مستقل قیام کرنے سے نا امید تھے اور ہمارے خیال میں یقیناً محترم موصوف سے زیادہ ہی خانقاہ کی آبادی کی تمنا و فکر حضرت اقدسؒ کو تھی۔ لیکن اس کے باوجود حضرتؒ نے ایسی صورت میں نہ کسی دوسرے شخص کو ہی نامزد فرمایا اور نہ ہی کسی اور کو نامزدگی کا اختیار دیا تو پھر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ نئی متوازی خانقاہ قائم فرمائیں اور ایک شخص کو نامزد بھی فرمادیں۔ یعنی اپنے مرشد کی منشا کے علی الرغم آپ کی یہ جسارت گستاخی و بے ادبی ہے اور اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے جو کسی طرح بھی مستحق تحسین نہیں ہوسکتا۔

(۴) اصول یہ ہے کہ شیخ جس کو اپنا قائم مقام منتخب کرتا ہے اس کی مرکزی حیثیت ہوتی ہے اور وہ اپنے تمام حلقہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کے متوازی خانقاہ قائم کرکے اس حلقہ کے کسی شخص کو نامزد کرنا خانقاہ اور اس کے سربراہ کی مرکزیت کا استحکام نہیں بلکہ استیصال کرنا ہے۔

کیا یہی وہ خانقاہ کی آبادی ہے جس نے محترم موصوف کو مرغ بسمل بنا رکھا ہے؟

یہ ہے (خاکم بدہن) اس دعوائے بربادی کی حقیقت۔ ان حقائق کی روشنی میں قارئین کرام کو صداقت و دیانت کا واسطہ دے کر دریافت کرتے ہیں کہ خانقاہ کی آبادی اور تعمیر و ترقی کے خوشنما عنوانات کے تحت ان اقدامات کا پس منظر کیا ابھی محتاج وضاحت ہے؟

یہ ہنگامہ خیز اقدامات کیوں ؟

کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کا ارشاد

ضابطہ و اصول کے مطابق محترم موصوف ان اقدامات کے لئے شرعاً و اخلاقاً مکلف و مجبور نہیں ہیں جس پر ہم شرح و بسط کے ساتھ بہت کچھ عرض کر آئے ہیں۔ لیکن محترم موصوف نے اپنے اقدامات کے لئے جواز پیش کرنیکی سعی لاحاصل فرمائی ہے۔ اس ارشاد عالی سے پیشتر ایک سابقہ اجتماع کی کارروائی اور گوش گذار کرنا چاہئے ہیں اس کے بعد آنجناب کا ارشاد اور اسکا جائزہ پیش کرینگے۔

ان اقدامات میں سب سے اہم رائپور کے دو۲ اجتماعات ہیں۔ جو محترم ...... نے "قیام رائپور پر گفتگو" کے عنوان کے تحت منعقد کئے۔

پہلا اجتماع ۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء کو کیا تھا جس میں محترم ...... ہی کے ارشاد کے مطابق:۔

"تقریباً تین سو کا مجمع ہو گیا تھا۔ انتہی۔ مکتوب صفر ۹۳ھ"

جانشین حضرت اقدسؒ کے نومبر ۱۹۶۲ء میں ہندوستان تشریف لاتے ہی اور محترم ...... نے ۸ر دسمبر ۶۲ء کا اجتماع طے فرما دیا جو اس تحریک کا حرف آغاز تھا جس کا انجام شاید یہ آخری اقدام ہے۔

محترم موصوف نے ان دونوں اجتماعات میں باستثنائے چند انھیں لوگوں کا انتخاب کیا جو مسئلہ تدفین میں جانشین حضرت اقدسؒ کے شدید مخالف اور آنجناب کے ہمنوا تھے ــ اور ان کے جمع کرنے میں اسقدر اہتمام کیا کہ گویا وہ اس معاملہ میں

انفرادی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"حافظ صاحب کی تشریف آوری کے بعد اس ناکارہ نے اپنا نظام موجودہ اکابر کے ساتھ رائپور حاضری کا بنایا اور مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا انعام الحسن صاحب سلمہٗ مشرقی پاکستان کے طویل دورہ کو تجویز کر چکے تھے بندہ نے لکھا کہ آپ اپنے دورہ کو مختصر کیجئے کہ رائپور میں ۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء کو جانا ضروری ہے .... انھوں نے اپنا سارا نظام گڑبڑ کیا اور شروع دسمبر میں دہلی واپس آگئے عزیز مولانا اسعد سلمہٗ کو بھی شروع دسمبر میں کئی جگہ کا وعدہ تھا میری درخواست پر انھوں نے بھی اپنے نظام میں تبدیلی فرمائی اور ۸ر دسمبر خالی کی ...... علی میاں سے ایک شادی کو ترک یا مؤخر کرنے کو کہہ دیا تھا۔ انتہی مکتوب۔

اوّل تو اس معاملہ میں خود محترم موصوف کو ہی مداخلت کرنے کا کوئی حق و اختیار نہیں تھا چہ جائیکہ وہ اصحاب جو جانشین حضرتؒ کے مقابلہ میں دوسرے و تیسرے درجہ کی شخصیات ہیں۔ ان کا حضرت موصوف سے کیا موازنہ۔ جانشین حضرت اقدسؒ نے سالہا سال تک تصوّف کے دشوار گذار مراحل طے کئے ہیں۔ اور یہ "موجودہ اکابر" و خود محترم موصوف کیا بتا سکتے ہیں کہ کتنے عرصہ گھر سے باہر رہے ہیں؟

اکابر و اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کے صدقہ میں مجاہدات کا زمانہ صاحبزادگیت و ناز و نعم میں گذر رہا ہے۔ اس درمیانی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد پر آیئے کہ اس اجتماع میں پاکستان سے صوفی صاحب جیسے ذمہ دار حضرات تک تشریف لے آئے انتہا تو یہ ہے کہ مولوی عبد الجلیل و مولوی عبد الوحید صاحبان جو اس ہمہ گیر انتشار و اختلاف کے بانی مبانی ہیں وہ بھی اجتماع میں شرکت کے لئے آتے ہیں لیکن اس تمام جد و جہد

کے باوجود محترم موصوف کس سادہ لوحی سے اپنا پہلو بچاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور اس اجتماع کی شہرت کچھ ایسی زیادہ ہوئی کہ سہارنپور کے قرب وجوار میں بہت پھیل گئی اور پاکستان میں بھی۔ وہاں سے صوفی عبدالحمید صاحب، عزیزان مولوی عبدالجلیل صاحب و مولوی عبدالوحید صاحب و دیگر حضرات یکے بعد دیگرے پہنچتے رہے اور میں رائپور بار بار اطلاع کرتا رہا کہ میں موجود اکابر کو لے کر انشاء اللہ شنبہ کی صبح کو حاضر ہونگا۔ انتہی مکتوب صفحہ ۹۳۔

چنانچہ ۸ دسمبر ۱۹۶۲ء کا اجتماع ناکام رہا اور گفتگو کی نوبت ہی نہ آئی۔ لیکن اس وقت مصلحتاً و سیاستاً یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا گیا۔ مگر اس آخری اقدام کی طرف برابر پیش قدمی جاری رہی۔ اور اتمام حجت کے طور پر مندرجہ ذیل جدوجہد بھی کی جاتی رہی۔ فرماتے رہے۔

"اسکے بعد سے ہمیشہ زکریا حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں پاکستان سے تشریف آوری پر تقاضا بھی کرتا رہا خطوط بھی لکھے، تشریف پر اصرار کیا۔ قیام پر بھی تحریراً اور زبانی عرض و معروض کرتا رہا! اسکے بعد اخیر اگست میں جب اس کو اپنی آنکھ کے علاج کے سلسلے میں جب علی گڈھ جانا ہوا تو وہاں کے قیام کے دوران میں حافظ صاحب کا رائپور تشریف لیجانا معلوم ہوا تو متعدد عرائض حافظ صاحب کی خدمت میں لکھے اور جواب نہ آنے پر ایک رجسٹری خط بھی علی گڈھ سے بھیجا کہ ہم لوگ جناب کے قیام رائپور کے سلسلہ میں دوبارہ گفتگو کے لئے حاضری کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ قیام رائپور کب تک ہے سفر تو نہیں۔ تو میں اپنے احباب کو اپنی آمد کی تاریخ سے مطلع کروں۔ انتہی۔ مکتوب صفحہ۔

یہ دوسرا اجتماع ہے جس کی تفصیلی روئیداد گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے۔ لیکن اس دوسرے اجتماع میں دوران گفتگو محترم موصوف نے اپنے اقدامات کے جواز کی ایک بنیاد کا اظہار فرمایا ہے نہ معلوم کیسے آنجناب نے اس کو بنیاد تصور کر لیا۔ حالانکہ واقعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت شیخ کا ارشاد اور اس کا تجزیہ

چنانچہ محترم موصوف بغیر پیشگی تاریخ کے تعین کی اطلاع کے ۲۶ ستمبر ۱۹۷۰ء کو رائپور تشریف لے گئے۔ قیام رائپور پر گفتگو کی کہانی آپ ہی کی زبانی سنئے اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

میں نے عرض کیا کہ اس لئے تکلیف دی گئی ہے کہ آپ کے رائپور کے قیام کا مسئلہ میرے لئے بہت ہی سوہان روح بن رہا ہے اس بارے میں حضرت رحؒ کے وصال کے بعد سے برابر کوشش میں ہوں۔ اور چونکہ جناب کا مجھ سے براہ راست" وعدہ تھا۔ اس لئے مجھے اور بھی اہمیت ہو رہی ہے۔ اس پر حضرت حافظ صاحب نے بہت زور سے فرمایا کہ میں نے آپ سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ میرے حضرتؒ سے جو گفتگو ہوئی ہو وہ علیحدہ ہے۔ مگر آپ سے کوئی وعدہ نہیں۔

(شیخ) ...... میرا اب تک کا اصرار اور تقاضا اسی بنا پر تھا کہ آپ نے حضرت نور اللہ مرقدہٗ اور مجھ سے خود براہ راست وعدہ فرمایا تھا مگر اب آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ کا مجھ سے کوئی وعدہ نہیں تھا...... میں یہ کہہ کر میری تو اب تک کی ساری بنیاد

صرف وعدہ تھی۔ اور جب آپ اس کا انکار فرماتے ہیں تو میری آج کے بعد سے انشاءاللہ کوئی درخواست تحریری یا تقریری آپ نہیں سنیں گے۔ میری بات تو ختم ہوگئی۔ انتہیٰ۔ مکتوب صفر ۱۴۰۳ھ۔

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ حضرت موصوف کے انکار کے بعد مباری ختم ہو جاتی ہے اور اس پر کسی گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر براہ راست وعدہ تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی یہ بنیاد نہیں بن سکتا۔ کیونکہ شیخ کی حیثیت وکیل کی تھی خود صاحب معاملہ نہیں تھے اگرچہ وکیل بعض معاملات کو اپنی ذات کی طرف نسبت کرنیکا مجاز ہوتا ہے جیسے خرید و فروخت میں ـــــ لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس کا بھی مجاز نہیں ہوتا جیسے نکاح وطلاق وغیرہ۔ اور یہ معاملہ از قسم دوم ہے۔ قسم اول میں بھی صرف اپنی ذات کی طرف معاملات کی نسبت ہی تک کی بات ہے ورنہ تمام حقوق مؤکل کی ذات ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔

ہمیں سخت حیرانی ہے کہ اس درجہ واضح اور بدیہی معاملہ میں حضرت شیخ مدظلہٗ صاحب جیسی شخصیت کیسے مغالطہ کا شکار ہوگئی اور اس بے بنیاد وعدہ کو بنیاد بنا کر اسقدر سنگین اقدامات کر ڈالے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ اگر خدانخواستہ اشارۃً کنایتہً حضرت اقدسؒ کی جانب سے خفیف سے خفیف سہارا ملجاتا تو کیا قیامت برپا کی جاتی۔

محترم موصوف کو قابل صد تحسین و لائق تقلید نمونۂ سلف کردار کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ باوجود آنجناب کے زیر تربیت و نگرانی ہونیکے حضرت اقدسؒ جیسا معاملہ فرماتے تھے۔ ایک آپ ہیں کہ اپنے مربی و محسن کے چہیتے جانشین سے بند نہیں کب کب کے بدلے چکا رہے ہیں۔

جتنا کچھ کیا جا چکا تھا وہی کیا کچھ کم تھا لیکن صد افسوس کہ اس آخری و ہونے کی اقدام سے بھی گریز نہیں کیا گیا جس کی کسی ہمدرد و بہی خواہ سے قطعاً توقع نہیں ہو سکتی ہے اور یہ متوازی خانقاہ ایک ایسے وقت میں قائم کرنے کی کوشش کیجارہی ہے کہ جانشین حضرتؒ کی ہندوستان سے واپسی کے بعد سے آجتک آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہے اور اب تو مراسلت و مکاتبت بھی بند ہے۔ ایسی صورت میں جانشین حضرتؒ کی تشریف آوری کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ صرف حضرت مولانا مدظلہٗ ہی کیا خدا جانے کتنے ضرورتمند اور دکھی دل مملکتین میں پریشان حال ہونگے۔

لیکن بایںہمہ محترم موصوف کی نظر میں جانشین حضرتؒ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ بایوں کہیئے کہ اس سے بہتر اور سنہری موقع پھر کب مل سکتا ہے۔

زندگی کے آخری مرحلہ میں جبکہ حرمین شریفین کے سفر کی تیاریوں میں ہیں۔ مگر ایسے وقت میں بھی اپنے اس آخری اقدام کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اس مکتوب کا یہ آخری اقتباس ملاحظہ کیجئے جس سے واضح ہے کہ اسکیم اپنے مراحل سے گذر کر تکمیل کی آخری منزل میں ہے لیکن انشاءاللہ تعالیٰ یہ خواب قیامت تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔ اگرچہ محترم موصوف نے خلاف عادت انتہائی لجاجت و منت و سماجت کے ساتھ اپنی اسکیم میں تعاون کی درخواست کی ہے۔ انھیں کی زبانی سنئے:۔

"لیکن یہ ناکارہ حضرت حافظ صاحب زادمجدہم پر اصرار چھوڑ کر اب تک رائے پوری خانقاہ اور مدرسہ کی بقا اور تعمیر کی کوشش میں برابر ہی مشغول ہے۔ اب چونکہ یہ ناکارہ لب گور ہے اور اس وقت حجاز کا سفر بھی سر پر ہے۔ تقریباً ایک سال سے اس کوشش میں ہوں کہ جدید خانقاہ قادریہ جو بالکل اجڑ اور گر گئی ہے آپ حضرات اللہ کے واسطے میری درخواست کو قبول فرماتے ہوئے عالی جناب چودھری شریف صاحب سے اس کی مرمت کی اجازت

دلوادیں میرے بار بار کے اصرار و درخواست پر جناب الحاج حافظ عبدالرشید صاحب
اس پر راضی ہو گئے ہیں کہ وہاں مستقل قیام کریں اور اپنے خرچہ سے اس کی مرمت
کے لئے بھی آمادہ ہیں۔ مگر آپ حضرات کی منظوری اور چودھری صاحب کی اجازت
کے متمنی ہیں اگر اس میں آپ حضرات کچھ میری اور حافظ صاحب کی مدد فرما سکیں تو آپ
کا مجھ پر احسان ہوگا۔ ورنہ یہ ناکارہ تو حضرتین کی خدمت میں سرخرو و معذور ہونے کا
امیدوار ہے۔ انتہی مکتوب صفر ۹۳ھ

خیال فرمائیے اگر یہ چودھری صاحب کی ملکیت نہ ہوتی اور دوسرے بزرگ
حضرات کی مخالفت کا اندیشہ و خوف بھی نہ ہوتا تو اب تک یہ متوازی خانقاہ عالم
وجود میں آچکی ہوتی۔ لیکن یہی وہ دشوار گذار گھاٹی ہے جسکا سر ہونا مشکل ترین امر
ہے۔

کیا محترم موصوف نے سب ہی کو حافظ عبدالرشید صاحب کے درجہ میں سمجھ لیا ہے؟ یہ
موقعہ حافظ عبدالرشید صاحب کیلئے ابتلاء و آزمائش کا تھا مگر افسوس وہ اس
امتحان میں کامیاب نہ نکلے۔ جو متوسلین و منتسبین مسئلہ تدفین میں محترم موصوف
کے ہمنوا ہیں۔ حافظ صاحب کا یہ عملی اقدام ان پر بھی سبقت لے گیا ہے حافظ صاحب کا
اس کے لئے راضی ہو جانا خانقاہ کی مرکزیت کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر خود
حافظ صاحب کے لئے روحانی طور پر کس درجہ نقصان دہ ہے اس کا محاسبہ خود
حافظ صاحب کریں۔ جملہ متوسلین و منتسبین جو محترم موصوف کے ایما پر رائپوری نسبت
کے تحفظ کو بھی نظر انداز کر رہے ہیں کیا وہ بھی محترم موصوف کی سرپرستی میں سرخرو
ہونے کے امیدوار ہیں؟

ہم اس دوسرے عالم کے سلسلے میں تو کوئی لب کشائی نہیں کر سکتے لیکن اتنا
ضرور عرض کرینگے کہ محترم موصوف اور ان کے ہمنوا خود ہی محاسبہ فرمائیں کہ سرخرو

ہونے کے کیا یہی آثار ہیں؟

محترم موصوف کی خانقاہ کی آبادی کے سلسلے کی پوری جد و جہد تو ہم سب کے
سامنے آگئی۔ لیکن محترم نے مدرسہ کی بقا و ترقی کے لئے کیا کیا؟ جو اس سے بھی زیادہ اہم
ضروری تھا۔ سال میں کتنے بار معائنہ فرمایا۔ یا کسی اور کو معائنہ کے لئے بھیجا؟
مدرسہ کو نظر انداز کر کے خانقاہ کی طرف التفات کیا کیا غمازی کرتا ہے محتاج
بیان نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنی تحریرات کے آئینہ میں

۶:- سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بیخبر

محترم موصوف نے اپنی سوانح حیات جو "آپ بیتی" کے نام سے قلم بند فرمائی
ہے وہ اور دیگر مکتوبات ہم نے دیکھے ہیں جس کا معتدبہ حصہ مختلف عنوانات کے تحت
اپنی اور اپنے اہل بیت و اہل خاندان کی منقبت و خصوصیات و امتیازات میں
مملو ہے۔ کہیں خطوط و مہمانوں کی کثرت کے تذکرے ہیں۔ اور جہاں "میرے
اکابر" کے عنوان کے تحت ان کے احوال و واقعات زیر بحث آئے ہیں ان میں
محترم موصوف مساویانہ حیثیت میں نظر آتے ہیں بلکہ بعض مواقع پر تو شیخ المشائخ
میر مجلس آپ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ سوانح میں بعض واقعات نہ صرف یہ کہ
مفید نہیں بلکہ شرعاً و اخلاقاً ان کا اخفاء ہی واجب تھا یہی روح ملفوظات
میں کارفرما ہے۔

بے شک اس سے ترفع و تعلّی اور معاصرین پر اپنا تفوق و خاندانی عظمت
تشہیر وغیرہ جیسے امور ظاہر ہو رہے ہیں جن کی موجودگی میں محترم موصوف کے ناکارہ
بلکہ سیہ کار جیسے الفاظ بے معنی سے نظر آتے ہیں جو اپنے مصداق و حقیقت

نسے محروم ہیں۔

لیکن ہم ارشادِ نبوی کے تحت اچھا گمان کرتے ہیں۔ اور ان کو اظہارِ تشکر و تحدیثِ نعمت پر محمول کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کثرت سے اظہارِ تشکر و تحدیثِ نعمت اور کبر کی سرحدیں اس قدر قریب ہیں کہ ان کے مابین امتیاز کرنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ہے۔

ہمارے اکابر و اسلافؒ

حضرت رائپوریؒ و حضرت مدنی قدس سرہم کے دیکھنے والے موجود ہیں اور یہ تمام چیزیں ان حضراتؒ کے بعد ہی منصۂ شہود پر آئی ہیں۔

بڑے حضرت رائپوری قدس سرہٗ کا مشہور واقعہ ہے کہ معلوم ہونے پر وہ تمام کاپیاں جلادیں جن میں حضرت کے ملفوظات و ارشادات جمع کئے گئے تھے۔ اور حضرتؒ نے فرمایا کہ بس قرآن و حدیث کافی ہے۔

حضرت مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ جی چاہتا ہے کہ اپنے حضرت کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ مگر یوں خاموش ہو جاتا ہوں کہ اس میں بھی اپنی تعریف ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ تو ایک جملہ بھی اپنی تعریف میں سننا گوارا نہیں فرماتے تھے بلکہ انتہائی شدت سے منع فرمادیا کرتے تھے۔

نیز دیکھنے والوں نے خوب دیکھا ہے کہ ان اکابر کی مجالس میں دیہاتی، غریب، غیر معروف سب ہی کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ ہوتا تھا۔ یہ لوگ ان اکابر کے یہاں آکر اجنبیت و وحشت نہیں محسوس کرتے تھے۔ لیکن محترم موصوف کے یہاں طبقاتی امتیاز کیوں؟ ایک طبقہ تو ہمیشہ جلال کا شکار رہے

دوسرا طبقہ استقبال و دعوتوں سے ہم کنار۔ یہ جلال بھی بڑا مردم شناس ہے کہ بھی بھولے سے بھی یہاں نہیں آتا۔ کیا یہ اسلاف و اکابر کا اتباع ہے یا ان کے طریقہ سے انحراف؟

یہ کیا معمّہ ہے؟

مَاشَآءَ اللہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے متعلقین و منتسبین کا حلقہ پہلے ہی کچھ کم نہیں تھا اور اب تو گجرات و افریقہ کی زرخیز سرزمین بھی حلقہ بگوش ہے اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور قابلِ اعتراض بات ہے کہ تبلیغی جماعت ہند و بیرونِ ہند ساری دنیا کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑی شخصیت اور سب سے بڑے بزرگ حضرت شیخ الحدیث صاحب ہیں۔

اگرچہ ایک مسترشد کو اپنے شیخ کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنے کی تو اجازت ہے لیکن پروپیگنڈہ کی اجازت قطعاً نہیں ہے۔

سطحی قسم کے لوگ عموماً اُمرا، و رؤسا اور صاحبِ حیثیت اصحاب کے رجوع کو دیکھ کر کسی کی افضلیت و قطبیت کے فیصلے کر ڈالتے ہیں جو اہل حق کا معیار نہیں ہے۔ بلکہ اہل تصوف نے ایسے رجوع کو اچھی علامت قرار نہیں دیا ہے۔

قرآن و احادیث میں بکثرت ایسے مضامین موجود ہیں کہ شرعاً کوئی شخص بھی کسی ایسے فیصلہ کا مجاز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں صرف دو احادیث ذکر کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو جائیگا کہ یہ ظاہری کرّ و فر عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں ہوتی ہے بلکہ بعض لوگ جن کو معاشرہ میں کوئی مقام و درجہ بھی حاصل نہیں ہوتا لیکن عند اللہ وہ مقبول ترین بندوں میں شمار ہوتے ہیں۔

وعن ابی هریرة رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی الله لابره۔ رواه مسلم۔ مشکوٰة۔

ارشاد گرامی ہے۔ بہت سے پراگندہ بال جن کو خواص و باحیثیت لوگ اپنی محافل ومجالس میں داخلہ کی اجازت بھی نہ دیں (لیکن عند اللہ ان کا یہ مقام ہے کہ) اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو خدا ان کی قسم کو پورا کرے۔ انتہٰی۔

وعن سهل ابن سعد رض قال مر رجل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لرجل عنده جالس ما رایک فی هذا۔ فقال رجل من اشراف الناس هذا والله حری ان خطب ان ینکح وان شفع ان یشفع۔ قال فسکت رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ثم مر رجل فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم ما رایک فی هذا فقال یا رسول الله هذا رجل من فقراء المسلمین هذا حری ان خطب ان لا ینکح وان شفع ان لا یشفع وان

ارشاد گرامی ہے! سہل ابن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص گذرا، آپ نے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے فرمایا کہ اس (گذرنے والے) کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ شخص باعزت لوگوں میں سے ہے۔ خدا کی قسم یہ اس درجہ کا شخص ہے کہ اگر پیام نکاح دے تو نکاح کر دیا جائے۔ اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے اسکے بعد ایک دوسرے شخص کا گذر ہوا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ جواب دیا کہ یہ مفلس وغریب شخص ہے اور اس درجہ کا ہے کہ اگر پیغام نکاح دے تو نکاح نہ کیا جائے اور اگر سفارش

قال ان لا یسمع لقوله۔ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هذا خیر من ملاء الارض مثل هذا۔ متفق علیه۔ مشکوٰة

کرے تو وہ قبول نہ کی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص عند اللہ تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہے۔ انتہٰی۔

اس لئے تبلیغی جماعت کے لوگوں کو اس سے باز رہنا چاہئے۔ بے شک محترم موصوف اس معاملہ میں بے قصور ہیں۔ لیکن علم میں آنے کے بعد خود بھی روکنا چاہئے۔ ایک طرف تو تبلیغی جماعت اس غلو کا شکار ہے۔ دوسری طرف محترم موصوف مدارس وخانقاہ کے مقابلہ میں تبلیغی جماعت کو اہم واتم قرار دینے میں خود بھی غلو کا شکار ہیں۔ محترم موصوف حال ہی کی اپنی تصنیف "دہلی کی تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات" میں ص۱۵ پر ارشاد فرماتے ہیں:-

"تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اور مدارس وخانقاہ کا فائدہ خصوصی ہے...... اس حیثیت سے اس کا فائدہ ان دونوں سے زیادہ اہم واتم ہے۔ انتہٰی۔

کیفیت کو نظر انداز کرنا اور کمیت کو معیار قرار دیکر "اہم واتم" کا فیصلہ کرنا۔ دیکھئے کہاں کہاں اثر انداز ہوگا۔ یہ ایک تفصیل طلب معاملہ ہے۔ ہم مستقبل قریب میں انشاء اللہ تعالیٰ محترم موصوف کی تصنیف کا تفصیلی جواب دیں گے۔ اس وقت تو ہم مولینا محمد منظور صاحب نعمانی کے انداز میں صرف اتنا ہی عرض کرتے ہیں "یہ تحریر محترم موصوف کے مقام وشان سے مطابقت نہیں رکھتی"۔ بہرحال جانبین سے حمایت ودفاع میں یہ غلو ایک معمہ بنا ہوا ہے۔

سہارنپوری خانقاہ شریف کی بقا و ترقی کیلئے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں ایک تجویز

محترم موصوف نے دوسری خانقاہوں کی آبادی و ترقی کے سلسلے میں جو اقدامات فرمائے ہیں سب کو ہی آپ کا ممنون کرم ہونا چاہئے۔ بالخصوص ہم خدام سہارنپور کو اس لئے اخلاقاً ہم پر بھی واجب ہے کہ جو صحیح و مناسب مشورہ ہو آپ کی خدمت میں عرض کردیں۔ آپ نے اس آخری سفر حجاز کو روانگی سے بیشتر صاجزادہ عزیز مولوی طلحہ سلمہٗ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا دستار بندی بھی کرائی۔ اور کچھ مستورات بھی بیعت کرائیں گئیں۔ قطع نظر عزیز سلمہٗ کی حدود اربع و مبلغ علم سے۔ آپ کے حلقے میں جلیل القدر علماء و فضلاء موجود ہیں ان کو نظر انداز کر کے صاجزادہ کو اپنا قائمقام نامزد کرنا محل نظر ہے۔ ان میں سے بعض تو نمایاں مقام و حیثیت کے مالک ہیں۔

(۱) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب۔ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

(۲) حضرت مولانا عبیداللہ صاحب۔ مرکز تبلیغ بستی نظام الدین نئی دہلی

(۳) حضرت مولانا منور حسین صاحب۔ پورنیہ۔ صوبہ بہار

(۴) حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب۔ گجراتی۔

(۵) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب۔ شیخ الحدیث صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد

(۶) حضرت مولانا معین الدین صاحب۔ ″ ″ امدادیہ مرادآباد

(۷) مولانا عبدالرحیم صاحب سورتی۔ جو آپ کی تصانیف کے سلسلہ میں قاہرہ مقیم ہیں۔ کیا ہم امید کریں کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی فرماکر خانقاہ کی بقا و ترقی کے پیش نظر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا انتخاب فرمائیں گے؟ اور اگر حافظ عبدالرشید صاحب کو سہارنپور

خانقاہ شریف کے لئے منتخب و نامزد فرمادیں تو ہمیں انتہائی خوشی و مسرت ہوگی۔

یہ اعتکاف کا اجتماع کیسا ہے؟

محترم موصوف کی سرپرستی میں مظاہر علوم کی دار جدید کی مسجد میں ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف کے لئے ایک اجتماع ہوتا ہے۔ متعدد وجوہ سے اسکے بدعت ہونیکا شبہ ہے۔

(۱) بغرض اعتکاف سفر کرنا (۲) مسجد میں اعتکاف کی اجازت لینا (۳) بغیر اجازت کسی کا اعتکاف نہ کرسکنا (۴) اعتکاف کی جگہ نامزد کرنا۔ ان وجوہ کی بنا پر اس کے بدعت ہونیکا شبہ ہے۔ علماء کرام غور فرمائیں۔

اخیر میں منتسبین و متوسلین حضرت شیخ الحدیث صاحب سے معافی کے خواستگار ہیں ممکن ہے کہ ان کے جذبات ہماری تحریر کے باعث مجروح ہوں۔ کیونکہ ان کے نزدیک محترم موصوف کا معصوم ہونا اعتقاد کی حیثیت اختیار کرتا جارہا ہے مرشد و مسترشد دونوں ہی اس کا محاسبہ فرماکر اس سے اشتباہ و اجتناب فرمائیں۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست
حافظ

ترجمہ: شنوے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جھگڑے رندیں لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانہ میں

اظہار معذرت

ہمارے احباب کو یقیناً یہ شکایت ہوگی کہ ہم انتہائی تاخیر سے جواب دے رہے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ دوران تصنیف دو حادثے ایسے جانکاہ و روح فرسا پیش آئے جن نے ہمارے دل و دماغ کی چولیں ہلاکر رکھ دیں۔

پہلا حادثہ ۱۳ نومبر ۱۹۷۲ء کو والدہ مرحومہ کے انتقال کا تھا۔ دوسرا حادثہ

ہم چھ بھائیوں میں ایک ہی ہمشیرہ تھیں جو ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء کو اس دار فانی سے شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) میں کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علاوہ ازیں درس و تدریس رات دن کے اکثر سفر اور دیگر مشاغل کی وجہ سے بھی فرصت کم ہی ملی اس لئے تاخیر ہی ہوتی رہی۔ ہم اپنے احباب سے اس کی معذرت چاہتے ہیں۔ اور مرحومین کے لئے دعائے مغفرت اور اپنے لئے ایمان پر خاتمہ کی دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

اور ہم اپنی کتاب کا اختتام علامہ سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر کرتے ہیں

۱؎ اذا مت کان الناس صنفان شامت
و آخر مثن بالذی کنت اصنع

علامہ سیبویہؒ

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

سید عبدالرحیم دہلوی غفرلہٗ
مدرس مدرسہ دعائیہ مسجد کوٹھے والی
صدر بازار۔ بارہ ٹوٹی دہلی ۶

یکم رجب المرجب ۱۳۹۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۷۳ء بروز چہار شنبہ

۱؎ میری موت پر لوگ دو طبقوں میں تقسیم ہو جائیں گے ایک طبقہ میری موت پر خوش ہوگا دوسرا طبقہ میرے کارناموں پر میری مدح سرائی کریگا۔

مکتوب ۱

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مد ظلہٗ

مہتمم دار العلوم دیوبند

بسلسلہ منتقلی تابوت

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری

رحمۃ اللہ علیہ

اس وقت حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ارشد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کی مختصر سوانح وفات اور نوعیت تجہیز و تدفین اور اس سے متعلق متعدد فتاوی جن پر تقریباً تیس چالیس علمائے ہند و پاک کے دستخط ثبت ہیں۔ احقر کے سامنے ہیں جن میں چار فتوے دار العلوم دیوبند کے ہیں جو مختلف اوقات میں یہاں سے صادر ہوئے ہیں۔

اس مجموعی ذخیرہ سوانح اور فتوی اور متعلقہ واقعات سے جو بطور پس منظر رونما ہوئے حسب ذیل امور سامنے آتے ہیں

(۱) حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ

کی تمنا تھی کہ ان کے خلیفۂ ارشد مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے پور میں ان کے پہلو میں دفن ہوں جس کا حضرتؒ نے واضح الفاظ میں اظہار فرمایا

(۲) خود حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں آرام فرما ہوں۔

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ اس آخری مرضِ شدید میں رائے پور چھوڑ کر پاکستان جانا نہیں چاہتے تھے لیکن پاکستانی متوسلین کے اصرارِ شدید پر بادلِ ناخواستہ تشریف لے جانے پر مجبور ہوئے، مگر اس شرط پر کہ انھیں جلد ہی رائے پور واپس پہنچا دیا جائے اور اس کی ذمہ داری انھوں نے اپنے معتمد ترین خلیفہ ارشد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب پر عائد فرمائی کہ وہ انھیں رائے پور پہنچائیں۔

(۴) جوں جوں مرض شدید ہوتا گیا، بشدت اس واپسی کا تقاضہ فرماتے رہے۔ مگر وقتِ مقررہ آپہنچا، اور ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء کو واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۵) بعد وفات تدفین کی جو نوعیت اختیار کی گئی اس کے بارے میں تمام مفتیانِ کرام کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ یہ تدفین شرعی نہیں ہوئی بلکہ قطعاً ناجائز طریق پر ہوئی۔

تابوت

زمین پر رکھ کر تابوت سے ملحق اس پر ڈاٹ لگا دینا اور مٹی سے چھپا دینا قطعاً ناجائز طریقہ تھا اور شرعاً ضروری ہے کہ اسے کالعدم کر کے صحیح تدفین کی جائے۔ قبر کھود کر اس یعنی طریقہ سنت کے مطابق جو امت کا سلف سے لے کر خلف تک متفقہ معمول دفن کیا جائے۔ ورنہ یہ حضرات جو اس ناجائز طریقہ کے مرتکب ہونے کی وجہ سے گناہ گار ہوئے گنہ گار رہیں گے۔

(۶) موجودہ صورتِ قبر ہرگز شرعی قبر نہیں۔ اس سے تابوت کا منتقل کیا جانا نبش (قبر کا کھودنا) ہے کیونکہ وہ قبر ہی نہیں اور نہ ہی میت کی ہتکِ حرمت ہے کیونکہ ہتکِ حرمت خود یہ بدنما طریقہ ہے جو اختیار کیا گیا نہ کہ اس کا بدلنا کہ وہ حفظِ حرمت ہے نہ کہ ہتکِ حرمت۔

(۷) ان ہر دو مقدس بزرگانِ مرحومین کی تمنا و وصیت اور ساتھ ہی شرعی طریقۂ تدفین کو چھوڑ کر اس ناجائز طریقہ کے اختیار کرنے کے جو اعذار رسم وغیرہ کے بیان کیے گئے ہیں فتاویٰ میں انھیں ناقابلِ التفات قرار دیا ہے اس ناجائز تدفین کو، جو تدفین ہی نہیں ہے کالعدم کر کے جائز تدفین کے لئے میت کو ایک بلدہ سے دوسرے بلدہ کی طرف منتقل کرنے کی اجازت بھی فتاویٰ میں موجود ہے۔

(۸) صحیح اور جائز تدفین ہو جانے کے بعد بھی ممتاز اور مقدس

علماء وصلحاء کی میت کی منتقلی میں تامل نہیں کیا گیا (جس کی نظیریں سلف وخلف میں ملتی ہیں) چہ جائیکہ ناجائز تدفین کی صورت میں انتقالِ میت قابلِ تامل ہو۔

(۹) فتویٰ صادر فرمانے والے ہند و پاک کے تیس چالیس علماء و مفتیانِ کرام کی دلی آواز بھی (علاوہ حکمِ شرعی کے) فتاویٰ کے اسلوبِ بیان سے یہی ہے کہ موجودہ صورت کو ختم کیا جائے جس سے ان کے ہی نہیں بلکہ دوسرے متوسلین اور ہزاروں عقیدت مندانِ حضرتِ اقدسؒ کے قلوب مجروح اور غمزدہ ہیں کہ جس مقدس شخصیت نے عمر بھر موت وحیات کے تمام مرحلوں میں دنیا کو اتباعِ سنت کی دعوت و تعلیم دی ہو۔ آج خود ان کی میت کی آخری رسوم خالص بدعتِ سیئہ کا شکار ہو کر رہ جائیں اور باوجود حکمِ شرعی اور ہزاروں مخلص اور دردمندوں کے اندرونی جذبات کے، ان کا کوئی تدارک نہ ہو۔

(۱۰) کتنے ہی سچے خواب اور مناماتِ صادقہ اور کتنے ہی غیبی اشارات جو اس افسوسناک طرزِ تدفین اور محلِ تدفین کے بارہ میں اب تک سامنے آچکے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرتِ اقدسؒ کی روح اس حبس بے جا سے جو اس غلط اور ناجائز طریقۂ تدفین سے تابوت کو زمین پر رکھ کر اور اوپر سے سیمنٹ کی ڈاٹ لگا کر اور اس کے اوپر مٹی چڑھا کر عمل میں لایا

گیا ہے جس سے ایک طرف انھیں ایک طرح بدعت کے خلاف لپیٹ دیا گیا ہے اور دوسری طرف انکی عمر بھر کی آرزو کو پامال کرکے انہیں ان کے پیر و مرشد کے مرقد سے دور لے جا کر ڈال دیا گیا ہے انتہائی طور پر بے چین ہے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

فتاویٰ، سوانح اور واقعات سے حاصل شدہ ان دہ گانہ نتائج کے پیشِ نظر سب سے پہلے

(۱۱) حکومتِ پاکستان سے ہماری مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ اس ناجائز صورتِ دفن کو ختم کرکے اور جائز بلکہ واجب صورتِ تدفین کو عمل میں لانے کے لیے اپنا اثر و رسوخ سے کام لے۔

(۱۲) شرعی گنجائشوں کے تحت جو فتاویٰ میں موجود ہیں اور ہمارے دونوں مقدس مقتدیٰ حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ اور حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ کی تمناؤں اور وصیتوں کے تحت حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ کے تابوتِ مبارکہ کو رائے پور (انڈیا) پہنچا کر پیر و مرید در اصل وناتب کو پہلو بہ پہلو چین سے آرام کرنے کا موقع عنایت فرمائے جو ان کی عمر بھر کی تمنا اور آخری وصیت تھی

(۱۳) ثانیاً حکومتِ ہندوستان سے ہماری نیازمندانہ گزارش ہے کہ وہ اس مقدس تابوت کو جو کسی معمولی یا عامی انسان کا نہیں بلکہ ایک ایسی مقدس شخصیت کا ہے کہ جس سے ہندوستان کے ہزاروں دل

قلوب وابستہ رہ کر انھیں اپنی اس مردم خیز زمین میں دیکھنے کے
آرزومند ہیں جس سے لاکھوں مقتداؤں نے جنم لیا اور پھر اس میں
پہنچ کر وہ اب بھی مجروح دلوں کا مرہم بنے ہوئے ہیں، ہندوستان
لانے کی اجازت مرحمت فرمائے جس سے انھیں بادلِ ناخواستہ
جُدا کیا گیا اور واپس آنے کا موقع نہ دیا گیا۔

ہمیں اُمید ہے کہ دونوں ہم جوار حکومتیں ہماری اس صدا کو صدا
بصحرا نہ ہونے دیں گی اور اس افسوسناک واقعۂ تدفین نے جس طرح
دلوں کو غمزدہ اور مجروح بنایا ہے دونوں حکومتیں ان پر مرہم پاشی
کر کے ان زخموں کو مندمل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے ہونگی
جن کی ٹیسیں ابھی تک کتنے ہی دل محسوس کر رہے ہیں۔

اس اندمال کی بھی ایک صورت ہے کہ اس ناجائز طریقہ
کی تدفین کو شرعی ہدایات کے مطابق جائز تدفین سے بدل دیا جائے
اور عملِ تدفین کو حضرت رح کی آرزو اور وصیت کے مطابق ڈھڈیاں
کی بجائے رائے پور ضلع سہارنپور تبدیل کر دیا جائے بالخصوص
جبکہ یہی آرزو بشدت تمام حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب
مدظلہٗ کی بھی ہے جن کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس انتقالِ مکانی
کے لیے اپنا وصی بھی بنایا تھا۔ مگر وہ اس وقت اپنی عدمِ موجودگی
کی وجہ سے اپنے شیخ رح کی وصیت کو پورا نہ کر سکے۔ تو کم سے کم آج وہ
اس کو دونوں حکومتوں کے تعاون سے پورا کرنے کے قابل ہو جائیں

فتاوٰی کی روشنی سے حاصل کردہ یہ چند دردمندانہ سطور
ہم دونوں حکومتوں کے سامنے پیش کر کے توقع رکھتے ہیں
کہ دونوں ملک ہماری اس آرزو کو پامال نہ ہونے دیں گے
اور ہمیں دعاگوئی کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

(دستخط حضرت مولانا قاری) محمد طیب
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۶ر جنوری ۱۹۷۱ء

مکتوب ۲

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ کے اعادۂ تدفین کا معاملہ

نحمدہٗ ونصلی۔ حضرتِ اقدس مولانا الشیخ عبدالقادر صاحب
قدس سرّہٗ کے اعادۂ تدفین کے سلسلہ میں احقر کا ایک بیان
الجمعیۃ مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۷۱ء میں شائع ہو چکا ہے اس بیان
کی اشاعت کے بعد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید مجدہٗ
نے احقر سے مراسلت فرمائی اور دوسری جانب کے کچھ فتوٰی اور
[illegible] ارسال فرمائے نیز اجلاس شوریٰ دارالعلوم دیوبند میں

تشریف آوری کے موقعہ پر اس بیان کے بارہ میں مزید غور و فکر کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ اس غور و فکر کے بارہ میں ایک دوسرا مختصر بیان "الفرقان" مورخہ محرم ۱۳۹۱ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ دونوں جانب کے فتاویٰ اور متعلقہ تحریرات پر غور و فکر مزید کے بعد بھی احقر کی اُس رائے پر کوئی اثر نہیں پڑا جو سابقہ بیان مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۷۱ء میں ظاہر کی جا چکی ہے بلکہ اُس میں مزید تاکید پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے احقر اپنے اسی سابقہ بیان پر قائم ہے۔ وباللہ التوفیق۔

دستخط (حضرت مولانا قاری) محمد طیب غفرلہٗ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۰ ش ۹۱ھ مطابق ۱۴ر جولائی ۱۹۷۱ء

حوالہ جات انتقال از کتبِ احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

مختصر مثالوں کے ساتھ درج ذیل ہیں:-

(۱) بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے محض اپنے دل کی خوشی کے لئے اپنے والدِ محترم کو جو شہداءِ اُحد میں سے تھے، عرصہ دراز کے بعد لحد والی قبر سے نکال کر جنت البقیع میں دفن کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت جابرؓ کے والد ماجد کسی اور صحابیؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ کے قلب نے بہت تقاضے کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ میں اپنے والد ماجد کو علیحدہ دفن کر دوں۔ اور بعض علماء نے اس کی وضاحت کی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے بغیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیے ایسا نہیں کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعۂ مذکورہ کو روایت کرنے سے قبل یہ باب باندھا کہ "کیا میت قبر اور لحد سے کسی سبب کی وجہ سے نکالا جا سکتا ہے"؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بخاری شریف کے شارح اور حنفی المذہب ہیں اور علماء احناف میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں (۱) اس واقعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ میت کو لحد سے نکال کر

منتقل کرنا جائز ہے، بلاکسی سببِ ظاہر کے، جیسا کہ اس وقت میں حضرت جابرؓ کی محض اپنے دل کی خوشی سے یہ واقعہ کیا گیا ہے۔

(۲) اسی باب میں امام بخاریؒ نے دوسرا واقعہ عبداللہ بن اُبیّ کا نقل کیا ہے۔ راوی اس کے بھی حضرت جابرؓ ہی ہیں کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور عبداللہ بن اُبیّ کو بعد از دفن قبر سے نکلوایا اور پھر اپنی قمیص اُن کو پہنائی اور لعابِ دہنِ مبارک لگایا۔

پہلے واقعہ میں زندہ شخص کی مصلحت اور دوسرے میں میت کی مصلحت سے دونوں واقعے پیش آئے۔

(۳) حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو منتقل کیا اور اسی طرح حضرت طلحہؓ منتقل کیے گئے۔

(۴) طحطاوی میں حضرت صالح بن عبداللہؓ کا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے سے منتقل کیا جانا محض خواب کی بناء پر ثابت ہے۔

اسی طرح حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کا قریب ہی زمانے میں منتقل کیا جانا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مقبرے میں دفن کیا جانا مسلّم اور مشہور ہے

(۵) البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت علاء ابن الحضرمی صحابیؓ کا واقعہ نقل فرماکر روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ میں اس غزوہ میں شریک تھا کہ علاء ابن الحضرمیؓ کی قبر کو کھول کر منتقل کرنے پر جملہ موجود صحابہؓ نے اتفاق کیا۔ چنانچہ قبر کھولی گئی۔

(۶) حضرت امام زین العابدینؓ کو جنت البقیع میں اس قبر میں دفن کیا گیا جس میں ان کے تایا حضرت امام حسنؓ ابن علیؓ دفن تھے۔ پھر اسی قبر میں حضرت امام زین العابدینؓ کے بیٹے حضرت امام محمد باقرؓ دفن کیے گئے اور اسی قبر میں امام محمد باقرؓ کے بیٹے امام جعفر صادقؓ دفن کیے گئے۔

(۷) اور حضرت امیر المؤمنین عثمان ابنِ عفان رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبویؐ کی توسیع کی وجہ سے کثیر صحابہؓ کو ان کی قبروں سے منتقل کرنے کے لیے حکم فرمایا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور صحابہؓ کو جنت البقیع میں منتقل کر دیا گیا۔

(۸) حضرت معاویہؓ کے حکم سے کثیر صحابہؓ شہداء اُحد کو ایک نہر نکالنے کی بناء پر جنت البقیع میں منتقل کیا گیا۔

(۹) علامہ عینیؒ کے قول کا حوالہ حدیثِ جابرؓ کے سلسلہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اب علامہ ملّا علی قاریؒ جو شارح حدیث اور فقیہ حنفی ہیں اور اسی طرح مذاہب اربعہ میں سے مالکی المذہب ہیں وغیرہم علماء اس بات کے قائل ہیں کہ نقلِ میت قبل از دفن اور اسی طرح بعد از دفن چند شرائط کے ساتھ جائز ہے جن میں سے

ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ جہاں میت کو لے جا کر دفن کیا جانا ہو، وہ ایک بابرکت مقام ہو، یا اولیاء کرام یا علماء و صلحاء کا قرب مقصود ہو۔ جملہ کتبِ فقہ میں یہ مسائل موجود ہیں۔ اور علامہ عینیؒ نے اخراجِ میت کے مسائل کے ذیل میں شامل کیا ہے کہ انبیاء و علماء و صلحاء اور مؤذنین اور ہر وہ شخص جو اصحابِ کرامت ہوں، یہ جملہ اقسام اس حکم میں شامل ہیں۔ اس قول کو دیگر اقوالِ علماء اور مذاہبِ اربعہ کے ائمہ کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور اولیاء کرامؒ کی عظمت و صلاحیت کی وجہ سے ان کے اجساد کو منتقل کیے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

اولیاء اور صلحاء کرامؒ کی چند مزید مثالیں

۱۔ حضرت شاہ رکن الدین ملتانیؒ نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردیؒ۔

۲۔ حضرت خواجہ سلطان باہو قادریؒ شور کوٹ جھنگ (متعدد بار منتقل کیے گئے)۔

۳۔ حضرت حاجی نوشہ گنج بخش قادریؒ گجرات (مرشد ملا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ)۔

۴۔ حضرت میران بھیک چشتیؒ تھسکہ میران۔

۵۔ حضرت شاہ بو علی قلندر شرف الدین پانی پتیؒ۔

۶۔ حضرت حمیدی محدثؒ۔

۷۔ حضرت ابو الحسن شاذلیؒ صاحب دلائل الخیرات (دو مرتبہ منتقل کیے گئے)۔

۸۔ حضرت مولانا جمال الدین افغانیؒ۔

اس سلسلہ کے بعض دلائل

بخاری شریف باب الکفن فی القمیص الذی یکف او لا یکف میں ہے:-

عن جابرؓ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن اُبی بعد ما دفن فاخرجہ فنفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ۔

اس پر حافظ عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:-

قولہ بعد ما دفن وھذا یدل علی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ماجاءہ الا بعد ان دفنوہ فلذلک قال فاخرجہ ای من قبرہ۔

پھر تحریر فرماتے ہیں:-

فیہ جواز اخراج المیت من قبرہ لحاجۃ او لمصلحۃ او نفث الریق فیہ۔ قالہ الکرمانیؒ وفی التوضیح وھو دلیل لابن القاسم الذی یقول فی اخراجہ اذا لم یصل علیہ للصلاۃ ما لم یخش التغییر۔

اس کے بعد وہ اقوال نقل کیے جو اخراجِ میت کے خلاف

ہیں۔ خود تحریر فرماتے ہیں :۔

وقال الشافعیؒ یجوز نبشه وضع لغیر القبلة۔

احادیث مقدسہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری شریف اور دیگر کتب فقہ میں مروی ہے جس میں آتا ہے فلم تطب نفسی جس میں فقط دل کا خوش نہ ہونا ذکر کیا گیا ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا۔

حافظ عینی رح شرح بخاریؒ میں اس طرح بحث کا آغاز کرتے ہیں

باب۔ هل یخرج المیت من القبر واللحد لعلة

انما ذکر الترجمة بالاستفهام ولم یذکر جوابه اکتفاً بما فی احادیث الباب الثلاثة عن جابرؓ لان فی الحدیث الاول اخراج المیت من قبر لعلة وهی اقماص النبی صلی الله علیه وسلم عبدالله ابن ابی بقمیصه الذی علی جسده۔ وفی الحدیث الثانی والثالث اخراجه ایضا لعلة وهو لطییب قلب جابر ففی الاول لمصلحة المیت والثانی والثالث لمصلحة الحی۔

پھر تحریر فرماتے ہیں :۔

وعن عثمانؓ انه امر بقبور کانت عند المسجد ان تحول الی البقیع وقال توسعوا فی مسجدکم وقال لا بأس فی مثله۔

پھر تحریر فرماتے اور بعض اکابر علماء کا قول نقل کرتے ہیں کہ :۔

کہ ولم یر احد باساأن یحول المیت من قبره الی غیره قال قد

نبش معاذ امرأته وحول طلحة فان قلت ما فائدة قوله واللحد تناول القبر تناول القبر الیه قلت کانه اشار الی جواز الاخراج لعلة سواء کان وحده فی القبر نبه علیه بقوله من القبر او کان مع غیره نبه علیه بقوله واللحد لان والد جابرؓ کان فی اللحد ومعه غیره فاخرجه جابر وجعله فی قبر وحده حیث قال فی حدیثه ودفن معه آخر فی قبره الخ کما یأتی الان وعلل باخراجه عدم طیب نفسه ان یترکه مع الاخر فاستخرجه بعد ستة اشهر وجعله فی قبر علیحدة۔

اس کے بعد بخاری شریف کی دو روایتیں نقل فرمائیں جس میں عبداللہ بن اُبی کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر سے نکالا پھر اسی روایت کے تحت اس حدیث شریف سے ستفاد مسائل میں تحریر فرماتے ہیں :۔ فیه جواز اخراج المیت من قبره لعلة۔

اس کے بعد کچھ مسائل رقم ذکر کیے ہیں اور پھر تحریر فرماتے ہیں

وفیه ان الشهداء لا تأکل الارض لحومهم وقیل اربعة لا تعد وعلیهم الارض ولا هوامها الانبیاء والعلماء والشهداء والمؤذنون وقیل ذلک لاهل احد کرامة لهم۔

بخاری شریف کے اس باب کی تیسری روایت یہ ہے :۔

وعن جابرؓ قال دفن مع ابی رجل فلم تطب نفسی حتی اخرجته فجعلته فی قبر علیحدة

اوراس کے بعد "ومما یستفاد من حدیث جابرؓ" کے تحت حافظ عینیؒ اپنا مسلک تحریر فرماتے ہیں:۔

وفیہ جواز نقل المیت من قبرہ الی موضع آخر۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ کا فیصلہ اور عمل بھی دیکھیے خمیس میں ہے۔

عن جابر قال لما اراد معاویۃ ان یجری عینہ التی باحد کتب الی عاملہ بالمدینۃ فکتبوا الیہ انا لا نستطیع ان نخرجہا الا علی قبور الشہداء فکتب معاویۃؓ انبشوھم قال جابر فرأیتہم یحملون علی اعناق الرجال کأنہم قوم نیام واصابت المسحاۃ طرف رجل حمزۃ فانبجثت دما۔ وفی المنتقی مثلہ۔

دیگر اقوالِ مشائخؒ دیکھیے:۔

قال الباجی ولا بأس بحفر القبر واخراج المیت منہ اذا کان لوجہ مصلحۃ ولم یکن فی ذلک اضرار بہ ولیس ھذا من باب نبش القبور فان ذلک لوجہ الضرر او لغیر منفعۃ۔ وفی المحلی فیہ جواز النبش لعذر۔ وللمالکیۃ فی الشرح الکبیر۔ جاز نقل المیت قبل الدفن وکذا بعدہ من مکان الی آخر بشرط ان لا ینفجر حال نقلہ وان تنتہک حرمتہ وان یکون لمصلحۃ کان یخاف علیہ ان یأکلہ البحر او ترجی برکۃ الموضع المنقول الیہ او لیدفن بین اہلہ او لاجل قرب زیارۃ اہلہ لہ۔ قال الدسوقی

فان تخلف شرط من ھذہ الشروط الثلاثۃ کان النقل حراماً وھذا فی المنہل وزاد وقالت الحنابلۃ لا بأس بنقلہ قبل الدفن وبعدہ الی مکان آخر لغرض صحیح کبقعۃ الشریفۃ۔ وافرادہ فی القبر ومجاورۃ صالح مع امن التغیر الا الشہید فانہ یدفن بمکانہ۔ وقال صاحب المحلی وقد دفن الامام زین العابدین فی البقیع فی القبر الذی فیہ عمہ الحسن بن علیؓ ثم دفن فیہ ابنہ محمد الباقر وابنہ جعفر الصادق۔ وفی الطحطاوی عن المضمرات ان صالح بن عبد اللہ روی فی المنام وھو یقول حولونی عن قبری فقد آذانی الماء ثلاثاً فنظروا فاذا شقہ الذی یلی الماء قد اصابہ الماء فافتوی ابن عباسؓ بتحویلہ۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۰۵ جلد ۶ میں حضرت علاء بن الحضرمیؓ کی کرامتیں، وفات اور قبر کھولنے کا قصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنداً ذکر فرمایا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس غزوہ میں شریک تھا۔ قال فاجتمعنا علی نبشہ۔

اخراج میّت کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ متبعین نے بہت سختی کی ہے اور کچھ نے نرمی۔

چنانچہ حضرت حمیدیؒ کی جہاں دفن ہونے کی خواہش تھی وہاں کے لیے انھوں نے قرار رکھا تھا لیکن انھیں کسی دوسری

جگہ دفن کردیا گیا، پھر انھیں بار بار خواب میں دیکھا گیا، حتیٰ کہ انھیں ان کی خواہش کی جگہ دفن کیا گیا۔

مؤلف "دلائل الخیرات" رح کا وصال ۸۷۰ھ کو سوس میں ہوا مگر ستر سال بعد انھیں وہاں سے نکال کر مراکش لے جایا گیا ان کا بدن اور کفن سالم تھا۔

ایک واقعہ ان ہر دو صحابہ کرام رض حضرت حذیفہ رض اور حضرت عبداللہ رض کا ہے جو دریائے دجلہ کے کنارے عراق میں مدفون ہیں۔ حکومتِ عراق کو خیال ہوا کہ کہیں ان حضرات رض کے مزارات دریا بُرد نہ ہو جائیں، اس لیے انھیں وہاں سے ہٹا کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مقبرہ میں دفن کر دیا جائے، چنانچہ قریب ہی دُور کی بات ہے کہ انھیں نکالا گیا، اور دوسری جگہ دفن کیا گیا۔

یہ واقعہ "صدق" مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۲ء میں چھپا ہے۔

وہ مشاہیر علماء و صلحاء کرام جو قبل از دفن اور بعد از دفنِ صحیح دوسرے مقام پر منتقل کیے گئے

نمبر شمار	نام متوفی	مقام وفات	مقام منتقلی
۱	الشیخ حسن بن محمد الصنعانی رح	بغداد	مکہ۔ بعدالدفن وکان اوصی
۲	الشیخ جمال الدین الکوتلی رح	دہلی	کوئل۔ بعدالدفن۔
۳	الشیخ دانیال بن الحسن الستری رح	فی طریق سترکہ	سترکہ۔ قبل الدفن۔
۴	الشیخ علی ابن الشہاب الہمدانی رح	تیراہ	ختلان۔ "
۵	امین الدین اللکھنوی رح	گجرات	لکھنؤ "
۶	تیمور گورگان السمرقندی	اترار	سمرقند "
۷	محمد ابن ابی البقاء کریانی	نہر گومتی	مفتح گنج بعدالدفن
۸	ابوالليث البخاری	قولنج	دہلی۔ قبل الدفن
۹	ابوالفتح بن الجمال المکی	آگرہ	اکبرآباد "
۱۰	الہداد الامروہی	سیالکوٹ	امروہہ۔ بعدالدفن
۱۱	رکن الدین السندی	ٹھٹھہ	جبل مکلی قبل الدفن
۱۲	شاہی بیگ قندھاری	بکر سندھ	مکۃ المکرمۃ "
۱۳	عبداللطیف قزوینی	فتح پور	اجمیر "
۱۴	غیاث الدین الہروی	آگرہ	دہلی "

نمبر شمار	نام متوفی	مقام وفات	مقام منتقل
۱۵	قمیص القادری سادھوری	بنگالہ	خضرآباد۔ قبل الدفن
۱۶	محمد غوث الگوالیری	آگرہ	گوالیار ״
۱۷	الجمال محمد بن زین العرفی	لاہور[1]	نقلوا عظامہ الی النجف بعد الدفن
۱۸	محمد طاہر الفتنی	اجین	پٹن۔ قبل الدفن
۱۹	سلطان محمود گجراتی	محمود آباد	سرکھیج ״
۲۰	مظفر الحلیم گجراتی	احمد آباد	״
۲۱	ہمایوں شاہ تیموری	دہلی	کیلوکھری ״
۲۲	ارجمند بانو بیگم	برہان پور[2] و دفنت بزین آباد و نقلت الی اکبر آباد بعد ستۃ اشہر	
۲۳	بختاور خان العالمگیری	دکن	دہلی۔ قبل الدفن
۲۴	بادل الدین گجراتی	لاہور	احمد آباد۔ قبل الدفن
۲۵	حسام الدین دہلوی	اکبر آباد	دہلی۔ بعد الدفن
۲۶	خواجہ کلاں الجھونسوی	شیخوپورہ	جھونسی۔ قبل الدفن
۲۷	نواب مرتضیٰ بخاری	پتھان	دہلی۔ ״
۲۸	منور بن عبد الحمید	مقبرۃ الغربا	لاہور۔ بعد الدفن
۲۹	المفتی وجیہ الدین	دہلی	گوپامؤ ״
۳۰	داراشکوہ ابن شاہجہاں	اکبر آباد	دہلی۔ قبل الدفن
۳۱	عبد القادر آکاچو	نقل جسدا بیہ من حامد پور الی رچ	

[1] [illegible]

[2] [illegible]

نمبر شمار	نام متوفی	مقام وفات	مقام منتقل
۳۲	علی بن علی القندہاری	ماچھی وارہ	لاہور۔ قبل الدفن
۳۳	احمد بن ابی سعید ملا جیون	دہلی	امیٹھی۔ بعد الدفن
۳۴	القاضی احمد الجونپوری	کوزہ جہان آباد	جونپور۔ قبل الدفن
۳۵	جان محمد لاہوری	لاہور دفن بہ پرویزآباد ثم نقل جسدہ الی مقبرۃ الشیخ اسماعیل	
۳۶	قاضی حبیب اللہ الجونپوری	ڈھاکہ	جونپور۔ قبل الدفن
۳۷	قاضی حیدر کشمیری	جودھپور	کشمیر ״
۳۸	رحمۃ اللہ الاددی گیری	اودی گیر	رحمت آباد ״
۳۹	رستم علی القنوجی	بریلی	قنوج بعد ستۃ اشہر
۴۰	سراج الدین	لکھنؤ	دہلی۔ قبل الدفن
۴۱	قاضی سلطان قلی	کورہ	جونپور ״
۴۲	السید شاہ ولی السندی	گگرالہ	ٹھٹہ ״
۴۳	عبد الاحد السرہندی	دہلی	سرہند ״
۴۴	عبد الجلیل الحسینی	״	بلگرام ״
۴۵	عبد الصمد الجونپوری	دکن	سوکلای ״
۴۶	علیم اللہ الگجندوی	گجندو	رجگیر ״
۴۷	نواب غازی الدین	احمد آباد	دہلی ״
۴۸	محمد بن فرید اللہ ہوری	لاہور	سبیجہ ״

نمبر شمار	نام متوفی	مقام وفات	مقام منتقل
۴۹	محمدی الفیاض الہرکامی	اورنگ آباد	اکبر آباد۔ تنبولاتی
۵۰	محمد انور الگوپاموی	؍؍	گوپامئو
۵۱	محمد زبیر	دہلی	سرہند
۵۲	محمد صالح	؍؍	ذخیرا آباد
۵۳	محمد صالح	؍؍	احمد آباد
۵۴	محمد غوث	لاہور	کرہ
۵۵	السید محمد ھدی نصیرآبادی	برہان پور	فذنوہ بہاتم نقلوا عظامہ بعد زمن الی بریلی
۵۶	مہابت خاں	سندھ	لاہور
۵۷	ابوسعید	ٹونک	دہلی
۵۸	جعفر السندیلوی	لکھنؤ	
۵۹	خدابخش	فرخ آباد	بریلا
۶۰	سراج احمد	لکھنؤ	رامپور
۶۱	شریف بن اکمل	دہلی	مہرولی
۶۲	ظہور الحق	عظیم آباد	پھلوزی
۶۳	غنی نقی	لکھنؤ	زید پور
۶۴	سید محمد	؍؍	رائے بریلی
۶۸	الحکیم محمد عسکری	ٹونک	امروہہ

اور برہان پور میں مدفون ہوئے اور پھر ایک مدت بعد انکی ہڈیاں بریلی منتقل کی گئیں [uncertain reading]

نمبر شمار	نام متوفی	مقام وفات	مقام منتقل
۶۶	نصیر الحق	عظیم آباد	پھلواری
۶۷	حکیم اجمل خاں	رام پور	دہلی
۶۸	اسحاق بن لطیف	کلکتہ	کیتھن
۶۹	سید عبد العلی		رائے بریلی
۷۰	عبد القیوم	حیدرآباد	گلبرگہ
۷۱	عین الحق	لکھنؤ	پھلواری
۷۲	محمود الحسن الدیوبندی	دہلی	دیوبند
۷۳	مہدی علی خاں	شملہ	علی گڑھ
۷۴	ناصر حسین	لکھنؤ	آگرہ
۷۵	مولانا کفایت اللہ	دہلی	مہرولی
۷۶	وحید الزماں	آصف نگر	وقار آباد

(ملاحظہ ہو نزھۃ الخواطر از جلد اول تا جلد ثانی

حضرت رائے پوری علیہ الرحمۃ کی وصیت

حضرت رائے پوری رح کی یہ وصیت تھی کہ ان کی تدفین رائے پور ہو حضرت رح کے تابوت کو امانتاً مسجد کے احاطہ میں پختہ اینٹوں سے محفوظ و مستور کر دیا گیا ہے

حضرت رح کے تابوت کو رائے پور منتقل کرنا ان کی شان میں چار چاند لگانے کے مترادف ہے۔

حضرت رائے پوری رح کے بھتیجے خلیفہ مجاز اور مقرب خاص حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا بیان۔

لائل پور ۳۰ مئی (نمائندہ خصوصی) قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے خلیفۂ مجاز اور مقربِ خاص عالم باعمل حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے آج یہاں نمائندۂ "پاکستانی" کو بیان دیتے ہوئے فرمایا حضرت نے میرے سامنے کئی دفعہ اپنی اس تمنا اور دلی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مجھے رائے پور (بھارت) میں ہی دفن کیا جائے۔

ایک دفعہ تو حضرت رح نے میری موجودگی میں اپنے دو میرے عزیز سے بڑی لجاجت سے فرمایا کہ میرے مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم نے رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی قبر مبارک سے پتھر اٹھا کر

مجھے اسی قبر میں دفن کرنا تاکہ خادم و مخدوم مرنے کے بعد بھی اکٹھے ہو جائیں۔

آپ نے حضرت علیہ رحمۃ کی اس وصیت، دلی تمنا اور خواہش کو باطل ٹھہرانے والے حضرات کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رح کی روح مبارک کو تنگ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے سینوں کو بے نور کر دیا ہے، اور یہ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

وصیت پر شرعی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر کسی بزرگ اور ولی کی تدفین کے سلسلے میں تمنا اور خواہش اتنی ہی غیر ضروری ہوتی جتنی کہ میرے قابل احترام دوست، بھائی اور رشتہ دار کہہ رہے ہیں تو پھر فخر المحدثین عارف باللہ حضرت حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی تمنا، خواہش اور وصیت کے مطابق ایک قبر میں تین سال دفن رہنے کے بعد دوسری قبر میں دفن نہیں کیا جاتا اور [illegible]ھ یعنی آج سے آٹھ سو پچانوے سال پیشتر کے علماء اسلام اور مفتیان کرام جو موجودہ علماء اور مفتیوں سے یقیناً زیادہ عالم، دین دار، حق گو، خدا ترس اور قرآن و حدیث اور فقہ سے واقف تھے۔ فتویٰ دے دیتے کہ حمیدی رح کی تدفین کی وصیت باطل ہے۔ اب ان کی تدفین ہو چکی ہے، جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ نبش القبر حرام ہے اس لئے یہ حرام

کام نہ کیا جائے لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں ہوا، حاکم شہر مظفر اور دیگر علمائے اسلام نے حضرت حمیدیؒ کی تمنا کا احترام کیا اور ان کی خواہش کے مطابق حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دوبارہ دفن کر دیا گیا۔ (حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے بستان المحدثین ص ۱۳۲ و ص ۱۳۴۔ مولفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مترجمہ مولانا عبدالسمیع صاحبؒ استاد دارالعلوم دیوبند۔ مصدقہ بحر العلوم وحید العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند (ادارہ)

آپ نے فرمایا، یہاں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ابھی تدفین ہی نہیں ہوئی، بلکہ آپ کے تابوت مبارک کو بطور امانت مسجد کے حجروں کے صحن میں سطح زمین پر پختہ اینٹوں سے محفوظ دستور کیا ہوا ہے تاکہ بوقت ضرورت اسے منتقل کیا جا سکے۔

حکومت ہند کے مطالبے کو سراہتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں اسے مشیت ایزدی اور تائید غیبی سمجھتا ہوں کہ وہ کام جسے ہم جیسے حضرت کے نالائق خادم اور رشتہ دار نہ کر سکے، وہ اللہ نے حکومت سے لینے کا ارادہ فرمایا ہے

نمائندہ "پاکستانی" کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میری پیدائش ڈھڈیاں کی ہے میں حضرت

کے حکم کی تعمیل میں "دریا خان" رہتا ہوں اور میرا باقی سارا خاندان ڈھڈیاں میں ہی رہائش پذیر ہے۔

آپ نے ڈھڈیاں کے قبرستان کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا قبرستان تین سو سال سے بھی زیادہ پرانا قبرستان ہے، اس میں ہمارے پرانے بزرگوں کی ابھی تک قبریں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں پچاس سال کے پیٹے میں ہوں، میں نے آج تک کبھی بھی قبریں کھودتے وقت پانی یا کیچڑ نکلتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ میں تو دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ ہمارے قبرستان میں آج تک بغیر لحد کے کوئی قبر بنائی گئی ہو۔

سیلابی علاقہ کا ڈھنڈورہ پیٹنے والوں سے آپ نے درخواست کی کہ خدارا جھوٹ بول بول کر اپنی آخرت تباہ نہ کریں۔ سیلابی علاقوں میں تو شریعت نے شق بنانے کا حکم دیا ہے۔ اور آپ ڈھڈیاں کو سیلابی علاقہ قرار دینے کے باوجود اپنے بزرگوں اور عزیزوں کے لئے ہمیشہ لحد ہی بناتے رہے ہیں، یہ دوغلہ پن کیوں؟

آپ نے فرمایا کہ حضرتؒ کی تمنا کو کچلنے کی سزا میں اللہ نے ان لوگوں کو توفیق نہیں دی کہ یہ حضرتؒ کی شق یا لحد بنا سکیں، بلکہ آپ کے تابوت کو ان کے ہاتھوں ہی محفوظ کرالیا تاکہ وقت

اسے اُوپن کے اعلیٰ وارفع مقام رائے پور آسانی سے پہنچایا جاسکے۔

آپ نے فرمایا کہ مولانا حافظ محمد خلیل صاحب برادر حضرت اقدس کے ذاتی باغ میں حضرت کو دفن کرنے کے لیے جگہ مخصوص کی گئی اور قبر کی کھدائی بھی ہوئی، مگر نہ معلوم کن وجوہات کی بناء پر اسے بند کر دیا گیا اور تابوت کو مسجد کے احاطہ میں خلاف شریعت محفوظ، مستور کر دیا گیا۔ جسے اب محض قبر کا نام دیا جاتا ہے لیکن یہ ایک سراسر بددیانتی اور جہالت و حماقت اور شریعت اسلامیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

آپ نے کہا کہ میں نے لائل پور آکر مولوی عبد الجلیل، مفتی زین العابدین، مفتی محمد صاحب انوری کے شائع کردہ فتوے دیکھے ہیں جنھیں دیکھ کر مجھے انتہائی دکھ ہوا کہ یہ ذمہ دار حضرات عالم اور مفتی ہو کر ایک غلط کام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مزید غلطیاں کر دیتے ہیں۔ اور ان فتووں میں اس قدر غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔

آپ نے فرمایا کہ صورت مسئولہ واقعات، دیانت اور شریعت اسلامیہ کی رُو سے سرتاپا غلط ہے۔ میں تینوں بزرگوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے رویّہ پر نظر ثانی کریں اور خواہ مخواہ واجب الاحترام مفتیان کرام کو غلط واقعات بتا کر اور ان سے ان کے فتوے لے کر شائع کرنا ترک کر دیں اس طرح اصل فتوے بدنام

ہوتے ہیں اور حضرات مفتی صاحبان عوام کی نظروں سے وقار گرتا ہے۔

آخر میں آپ نے حکومت پاکستان سے عموماً اور جناب خورشید احمد صاحب وزیر قانون پاکستان سے خصوصاً اپیل کی کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تابوت کی منتقلی کے سلسلہ میں ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور کسی عالم یا مفتی کے فتوے سے مرعوب ہونے کے بجائے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ کے صحیح وارث اور نامزد جانشین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رائپوری مدظلہٗ حال مقیم سرگودھا کے مشورہ سے جس طرح مناسب سمجھیں جلد از جلد قدم اٹھائیں۔ معتقدین، متوسلین اور حضرت مدظلہٗ کے رشتہ داروں کی ہمدردیاں اور دعائیں حضرت رح کے جانشین (جو اب ہمارے آقا و مولیٰ ہیں) کے ساتھ ہیں۔

صدائے رائے پور

اس بات سے کہو کسے رنج و الم نہیں
اک غم کی داستاں ہے یہ زورِ قلم نہیں

سنتے ہیں اہلِ دل اُسے نزدیک و دُور سے
پیہم جو آ رہی ہے صدا رائے پور سے

ہے جاں گداز سانحہ ہجرِ ندیم کا
فرمانِ خاص ہے شہِ عبدالرحیم کا

مجذوب وہ مرا جو سراپا بہار تھا
جو میرے دل کا چین، جگر کا قرار تھا

تھا اعتماد کُلیتہً جس کی ذات پر
آتا تھا رشک مجھ کو بھی اس کی صفات پر

اِک عمر کا رفیق تھا، ہمراز تھا مرا
سچ تو یہ ہے کہ محرمِ دمساز تھا مرا

رہتے تھے دونوں ایک جگہ ایک حال میں
تھا کوئی فرق میرے نہ اس کے خیال میں

حاصل اک صفت میں اسے اختصاص تھا

پیشِ خدا وہ بندۂ خاصانِ خاص تھا
ہی مزاج کا طبعاً یہ حال تھا
کر بھی پاس ہی رہیں دل میں خیال تھا
یک جا ہی دفن ہوں گے یہی انتظار تھا
ا بین میرے اس کے یہ قول و قرار تھا

یہ آرزو اگرچہ مری بے اثر نہ تھی
دنیا اُلجھ پڑے گی مگر یہ خبر نہ تھی

لوٹا گیا ہے جور و جفا سے چمن مرا
چھینا گیا ہے مجھ سے وہ سرو سمن مرا

بلا گیا ہے دورِ خزاں سے بہار کو
کھینچا گیا چمن سے چمن کے نگار کو

بربادیٔ بہار کا ساماں ہو گیا
غنچہ نڈھال، سبزہ پریشان ہو گیا

بے دردیاں دلوں میں کچھ ایسی سما گئیں
سینوں میں آ کے آگ حسد کی لگا گئیں

اس سے زیادہ اور بس اب تم سے کیا کہوں
کب تک کرو گے یوں ہی مری حسرتوں کا خوں

مشکل نہیں کوئی کہ پھر آساں نہ ہو سکے
پژمردہ غنچہ پھر گلِ خنداں نہ ہو سکے

تیّار ہیں گلے سے لگانے کو ہم تمھیں
اللہ عقل و ہوش دے بہر کرم تمھیں

اب بھی مری طرف سے تمہاری خطا معاف
اس شرط پر ہے اب بھی مرا قلب تم سے صاف

بس کنزِ معرفت کا وہ یاقوت بھیج دو
تم میرے جانشین کا تابوت بھیج دو

آپؒ کے بعد

آہ یہ کیا سحر و شام ہوئے آپ کے بعد — کشتۂ گردشِ ایام ہوئے آپ کے بعد
آہ گلزارِ رحیمی کے سہانے منظر — دودۂ حسرتِ ناکام ہوئے آپ کے بعد
رائے پور آپ کی فرقت میں ہوا سینہ فگار — ماتمِ آثارِ در و بام ہوئے آپ کے بعد
اٹھ گئی رسم و رہِ خانقہی آپ کے ساتھ — خواب گذرے ہوئے ایام ہوئے آپ کے بعد
آہ کس حال میں چھوڑا ہے ہمیں حضرت نے — دل سے رخصت سبھی آرام ہوئے آپ کے بعد
آپ کا غم تھا جنھیں جان و جگر سے بھی عزیز — اور وقفِ غم و آلام ہوئے آپ کے بعد
حیف صد حیف کہ غیروں سے نہیں اپنوں سے — ظلم تدفین کے ہنگام ہوئے آپ کے بعد
آپ کے مسلکِ توحید پہ چلنے والے — آج صورت گرِ اصنام ہوئے آپ کے بعد
کم نگاہوں نے کیا خونِ تمنا آخر — پیروِ نفسِ بد انجام ہوئے آپ کے بعد
درسِ اخلاص دیا تھا دمِ آخر جن کو — مبتلائے ہوسِ خام ہوئے آپ کے بعد
زاہدِ خشک یہ کہتا ہے وصیت باطل — نو بہ نو فتوے بھی ارقام ہوئے آپ کے بعد
اہلِ فتویٰ نے بصیرت سے نہ کچھ کام لیا — رہروِ جادۂ اوہام ہوئے آپ کے بعد
دامِ صیاد تھا ہر رنگ میں کیا کہیے — طائرِ عرش تہِ دام ہوئے آپ کے بعد
آپ کے سلسلۂ فقر و غنا کے دشمن — آپ کے حاسدِ گمنام ہوئے آپ کے بعد
زمزمے جن کے رہے وجہِ خروشِ محفل — ہدفِ ناوکِ دشنام ہوئے آپ کے بعد

---

۱ قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز

۲ مراد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ العالی نواسے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جانشین حضرت اقدس رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز۔

جن کو سینے سے لگایا تھا بجذبِ الفت[1] — اب وہی موردِ الزام ہوئے آپ کے بعد
اللہ اللہ یہ شرف آپ کے دیوانوں کا — آپ کے نام پہ بدنام ہوئے آپ کے بعد
کوئی زاہد نہ ہوا آپ کے سرشارِ نمیں — کچھ بھی رندِ خمِ آشام ہوئے آپ کے بعد
وقت بتلائے گا خود آپ کے میخانے سے — کون سیرابِ خم و جام ہوئے آپ کے بعد
اہلِ ثروت سے کٹے، اہلِ محبت سے جڑے — جن پہ اللہ کے انعام ہوئے آپ کے بعد
اللہ اللہ وہی فیضانِ نظر ہے کہ جو تھا — خوابِ آسودۂ پیغام ہوئے آپ کے بعد
آپ کی ذات سے حاصل ہے جنہیں نسبتِ خاص — اُن کے دل مہبطِ الہام ہوئے آپ کے بعد
حضرتِ شیخ[2] نے کیا بات کہی ہے واللہ — سرخرو ہوں گے جو ناکام ہوئے آپ کے بعد
نقلِ تابوت ہے روحانی تصرف کی دلیل — از رہِ غیب سب اقدام ہوئے آپ کے بعد

عمر تو ساری کٹی حال کے اخفا میں عبید
عشق کے چرچے مگر عام ہوئے آپ کے بعد

(⁂)

---

[1] وصال سے چند روز قبل حضرت نے اپنے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ کو بلایا اور ہاتھوں کو اٹھا کر فرمایا "آؤ مولوی صاحب مل لو"۔ دونوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ چھوڑا۔ پھر فرمایا "آؤ مولوی صاحب پھر مل لو"۔ شاہدِ عینی موجود ہیں فرماتے ہیں۔ نسبت منتقل ہوتے ہم نے دیکھی ہے

[2] حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں :-
"جن لوگوں نے حضرت قدس اللہ سرہ کی تمنا کا خون کیا ہے، چاہے وہ پاکی ہوں یا ہندی، معلوم نہیں کل کو کس طرح سے حضرت قدس سرہ کے سامنے ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے نعشِ مبارک کے لانے کی انتہائی کوشش کی چاہے وہ کامیاب نہ ہوئے ہوں مگر حضرت کے سامنے سرخ رُو ضرور ہوں گے!" (آپ بیتی ۳ یادِ ایام ۲ صـ۱۳۴)۔ [3] یہ بعض معترضین کا قول ہے۔

"۱۸ قطب الارشاد گذشت"
۱۳ ۸ ۲ ہجری نبوی

نظم دَر فراق

سلطان العرفا سید الطائفہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ :

اے غمِ جاناں لے غمِ جانم — دل ہے پُرخوں آنکھیں پُرنم
اللہ اللہ ان کا عالم — عشق سراپا حسن مجسم
حضرت عبد القادر[1]ؒ ثانی — قبلہ نما و قبلۂ عالم
قطبِ زمانہ، غوثِ یگانہ — رشکِ جنیدؒ و شبلیؒ و ادھم
فانی فی اللہ، باقی باللہ — ختم ہے اُن پر اُن کا عالم
جامعِ سنت، قامعِ بدعت — نائبِ حضرت فخرِ دو عالم
عسکریِ اصحابِ مقدس — لشکریِ پیغمبرِ خاتم
نورِ شریعت فیضِ طریقت — جاری ساری باہم باہم
ایسا عارف، ایسا مرشد — ڈھونڈے نہ پائے عالم عالم
تجھ سا نہ دیکھا تجھ سا نہ پایا — اُتر دکھن پورب پچھم
لاکھوں دلبر لیکن پھر بھی — تیرا عالم تیرا عالم
حسنِ تکلم رنگِ تبسم — غم کا مداوا، زخم کا مرہم

---

[1] وصالِ مبارک ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ بروز پنجشنبہ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء بوقتِ چاشت در بلدۂ لاہور۔

گاہ اشارہ گاہ کنایہ   مجمل مجمل مبہم مبہم
سوزِ مروت لحظہ لحظہ   دردِ محبت پیہم پیہم
اپنے پرائے یکساں یکساں   سب کا مونس سب کا ہمدم
استغناء کا عالم واللہ   خاک برابر لاکھوں درہم
اُف رے دبی چنگاری دل کی   آگ لگا دی پورب پچھم
آہ ترا اندازِ محبت   عشق میں شعلہ حسن میں شبنم
یاد رہیں گے تیرے جلوے   روشن روشن مدّھم مدّھم
آہ کہ تجھ سے گرم تھی محفل   آہ کہ اب ہے درہم برہم
ق
اُجڑا اُجڑا ویراں ویراں   ہائے وہ رائے پور کا عالم
ساحلِ جمنا پر کیا گذری   آہ وہ طوفاں برہم برہم
تم ہی کہو کچھ غم کی کہانی   اے لبِ راوی اے لبِ جہلم
آہ نفیس زار کی حالت   بے کل بے کل بے دم بے دم
اللہ اللہ دیکھ لیا ہے   حشر سے پہلے حشر کا عالم
سینہ بریاں دیدہ گریاں   آہ کہ اب کس حال میں ہیں ہم
ذکر کی دنیا سُونی سُونی   فکر کا عالم درہم برہم
دنیا دنیا عقبیٰ عقبیٰ   عالم عالم تیرا ماتم
دل کہ شہیدِ ناز ہے تیرا   زندہ ہے اب بھی لیکن کم کم
آہ کہ تجھ بن چین نہیں ہے   یاد ہے تیری پیہم پیہم
انشاء اللہ انشاء اللہ   آج سے ہے یہ وعدہ محکم
وہ جو عزیزِ جاں ہے تمہارا[1]   وہ ہے ہمارا اس کے ہیں ہم

[1] حضرت الحاج الحافظ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری دامت برکاتہم وفیوضہم جانشین حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بصائر و عبر

افتاء کا منصب بہت رفیع ہے اور جتنا رفیع ہے اتنا ہی دقیق و مشکل بھی ہے۔ اس دقیق و رفیع منصب کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ مفتی جو کچھ لکھے آخرت کی مسئولیت کے پیشِ نظر لکھے۔ خارجی تاثرات، ماحول کے محرکات یا ذاتی رجحانات و میلات سے پاک و صاف ہو کر لکھے، صرف حق تعالیٰ کی مرضی مطلوب ہو اور ہر تحریر میں رضاءِ الٰہی پیشِ نظر ہو۔ اس کے بعد تلاشِ حق کی سعی و کوشش کرے اور وصول الی الحق میں مطلق تقصیر نہ کرے، عباراتِ فقہاء اور ائمہ کے اقوال میں انتہائی غور و خوض کے بعد اس عزم و ارادہ کے ساتھ لکھے کہ اگر غلطی یا خطا ہو گئی تو فوراً رجوع الی الصواب کر کے حق گوئی کا فرض ادا کرے گا۔ اپنی بات کی پچ اور اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے گا۔

الغرض انتہائی بے نفسی، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ قلم اُٹھائے، نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اس کو قولِ فیصل سمجھے، خصوصاً اُن حوادث و مسائل میں جو عہدِ ائمہ میں پیش نہیں آئے یا ائمہ کرام رحمہم اللہ

کے صریح اقوال موجود نہ ہوں، ان میں تو انتہائی کوشش ہونی چاہیئے کہ فتویٰ اصولِ دین اور نصوصِ شرعیہ سے متصادم نہ ہو۔

اسی طرح غیظ و غضب کی یا کسی خاص تاثر کی حالت میں فتویٰ ہرگز نہ لکھے خصوصًا جس صورت میں اختلافِ آراء و افکار موجود اور مسئلہ زیرِ بحث میں تجاذبِ جہات یا تعارضِ اَدِلہ کارفرما ہو تو انتہائی احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہوگی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے اُس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل غیر منصوصہ کے بارے میں مذکورۂ بالا اُمور کی طرف کافی اشارات موجود ہیں اور آخر میں:

الا ان فی الجسد مُضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب

نے تو اس حقیقت کو بالکل ہی واضح کر دیا ہے کہ اس احتیاط و تورّع کا مدار اصلاحِ قلب پر ہے۔ جب تک قلب کی اصلاح نہ ہو ورع و تقویٰ اور اجتناب عن الشبہات کا امکان نہیں۔ اور درحقیقت منصب افتاء کا اساسی اصول یہی ہے کہ قلب نقی و تقی ہو اور علم کامل اور صحیح، تو ان دونوں شرطوں کے متحقق ہونے کی صورت میں غلطی بھی معاف ہے اور اجر کی اُمید بھی ہو سکتی ہے۔

آج کل حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز کی تدفین کا مسئلہ حضرات

مفتین کے زیرِ بحث ہے کہ یہ "تدفین شرعی" ہوئی یا نہیں ہوئی؟۔ اور اگر نہیں ہوئی تو اس کا تدارک کیا جائے یا نہیں؟۔ اکثر فتاویٰ اور کیفیتِ تدفین و حقیقتِ قبر پر غور کرنے کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ غیر شرعی تدفین کو شرعی تدفین اور مواراۃ اور صورتِ قبر بنا کر اس کو شرعی قبر ثابت کرنے کے لیئے تمام کوششیں ہو رہی ہیں اور کتب فقہ کی ان عبارتوں سے استدلال کیا جا رہا ہے جن سے فتویٰ دینے والوں کے علی الرغم نقیضِ دعویٰ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

ابتداء میں ہم نے بھی صورت مسئولہ کا۔ جو صاف اور سادہ تھی۔ جواب دے دیا اصلی صورت حال پر کچھ زیادہ غور نہیں کیا۔ نہ ہی حقیقتِ حال معلوم کرنے کے وسائل میسر تھے اور استفتاء کے ضمن میں جو روح کارفرما ہے حضرات مفتیین کی عظمت کی بناء پر اس کی طرف خیال بھی گیا اور دوسرے استفتاء پر بھی حضرات مفتیین کی شخصیتوں کو دیکھکر تصدیق کر دی لیکن مقتدر علماء کی مطبوعہ تحریروں کو صورت حال معلوم ہونے کے بعد ہمیں غلطی کا احساس ہوا۔ اس لیئے بلا تامل رجوع کر لیا گیا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ کراچی، لاہور، ڈھڈیاں، لائلپور سے لے کر سہارنپور، لکھنؤ، بجنور، مئو، شاہجہان پور تک جو فتاویٰ کا اور فتویٰ نویسی بلکہ فتویٰ سازی کا جو جال بچھایا گیا سب کو غور سے دیکھا، اقلام سے قلوب تک اور افکار سے اغراض تک جو حقائق

ہیں وہ سامنے آئے، بجز حیرت و افسوس کیا کیا
جا سکتا ہے ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

جی نہیں چاہتا تھا کہ "بینات" کے صفحات پر یہ
دل خراش موضوع زیر بحث آئے۔ خصوصاً "بصائر
و عبر" کی سرزمین میں اس کی تخم ریزی ہو، لیکن صورت
حال نے مجبور کیا کہ اس فتویٰ نویسی کی وجہ سے جو فضا
پیدا ہو گئی ہے، اس کا کچھ تدارک کیا جائے اور
حضرات مفتیین کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس
دلایا جائے۔

کون نہیں جانتا کہ "قبر" کے معنی یہی ہیں کہ زمین
کھود کر اس میں لحد یا شق بنائی جائے۔

کون نہیں جانتا کہ جہاں تک دفن شرعی اور
مسنون طریقے سے ممکن ہو اس کو اختیار کیا جائے
جو روزمرہ امت محمدیہ کا تعامل ہے کہ قبر کھود کر مٹی
نکالی جاتی ہے اور میت کو دفنانے کے بعد وہی مٹی
اوپر ڈالی جاتی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ زمین کھود کر دفن کرنا فرض ہے
بقیہ تفصیلات و کیفیات کچھ واجب کچھ سنت کچھ مستحب
ہیں۔ امت اسلامیہ کے علماء نہیں جاہلوں کو بھی یہ علم حاصل
ہے اور تمام امت کا اس پر عمل ہے۔ ان حقائق کے لئے
کسی فقیہ امت کی ضرورت نہیں بلکہ تمام صالحین
امت اور عوام امت اسلامیہ کا روزمرہ کا

معمول ہے، کون نہیں جانتا کہ بلا شدید ضرورت اور مخصوص حالات
کے تابوت میں میت کو رکھ کر دفنانا خلاف سنت ہے۔ سطح زمین
پختہ یا خام پر میت کے تابوت کو رکھ کر اور چار دیواری بنا کر باہر سے
مٹی لا کر بھرائی کے بعد قبر کی صورت بنا کر کوئی بھی اس کو شرعی تدفین
نہیں کہتا۔

حضرت قطب الارشاد عارف باللہ مولانا شاہ عبد القادر
رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین کی جو صورت اختیار کی گئی ہے
کچھ اسی طرح کی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

"جہاں تک معلوم ہوا زمین کے اوپر اینٹوں کا فرش
کر کے اس پر تابوت رکھ کر چاروں طرف دیوار بنا کر
اس پر ڈاٹ لگا دی گئی اس کے بعد چاروں طرف
دور تک مٹی ڈال کر اور اس سطح کو مسجد کے برابر جو بہت
اونچی ہے کر دیا گیا اور اس پر کچی قبر کا نشان بنا دیا الخ"

جناب محترم حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدظلہ
مدیر "الفرقان" رقمطراز ہیں:

"تابوت، لحد یا شق کی شکل میں زیر زمین دفن
نہیں کیا گیا بلکہ زمین کے اوپر کے حصہ میں اینٹوں کے
فرش پر دیواروں کے درمیان رکھا گیا اور دیواروں

کے اوپر اینٹوں ہی کی ٹاٹ لگادی گئی اور پھر ہر طرف
سے مٹی ڈال دی گئی الخ"۔

پھر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت اقدسؒ کی تدفین جس طرح ہوئی کاش اس
طرح نہ ہوتی اور زیر زمین ہی شق کی شکل بنا کر دفن کیا
جاتا، ظاہر ہے کہ غلطی نادانستہ ہی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ
ہم سب کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرمائیں اور
اتباع سنت و شریعت کی توفیق دے"

ان دو مستند تحریروں کا مدار بھی جناب مولانا عبدالجلیل صاحب
کی تحریر ہی پر ہے۔ اس سے بڑھ کر صورت حال کی وضاحت کیا
ہو سکتی ہے۔ فقہاء امت اور مذاہب اربعہ کی معتمد علیہ کتب کا جو
حاصل ہے وہ یہی ہے:۔

(الف) زمین کھود کر قبر بنانا فرض ہے اور قبور کی یہی سنت
متوارثہ ہے۔

(ب) کھودنے کے بعد لحد یا شق کی صورت ہونا چاہیئے۔

(ج) وضع علی الارض (زمین پر رکھ کر قبر کی تعمیری صورت
شرعاً امر منکر اور بدعت ہے۔

(د) زمین کھودنے سے جو مٹی نکالی گئی وہی ڈالی جائے
اور اس میں باہر کی اور مٹی ملا لینا بھی خلاف سنت ہے،

لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ بعض حضرات نے موجودہ صورت کو شرعی
ثابت کرنے کے لیئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، ان کی شان، ان کے
علم، ان کے فہم سے بہت بعید ہے۔

فقہاء کی تعبیر سنۃ الحفر سے حفر کا مسنون ہونا، مراد لینا
اور القابر مقرالمیت سے جہاں میّت رکھدی جائے وہ قبر
ہے، مراد لینا۔

اسی طرح یہ دعویٰ کرنا کہ مقصود ستر میّت ہے جس طرح
حاصل ہو جائے۔ اور کیف یواری سوءۃ اخیہ سے استدلال
کرنا اور نص یبحث فی الارض سے اعراض و اغماض کرنا، یا یوں
کہیئے کہ حکمت کو مدار حکم بنانا اور علت سے تغافل کرنا یا حکمت
و علت میں تمیز نہ کر سکنا یا نہ کرنا یا صریح نصوص فقہاء کو نظر انداز
کرنا اور کسی مفتی کے قول کو بلا سند پیش کرنا، یہ کہاں کا انصاف
ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون

حق تعالیٰ سب کو صحیح فہم اور صحیح علم اور بے لوث حق گوئی کی
توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

چونکہ اس وقت تک ایک طرف کے فتاوی سے تصویر کا
ایک ہی رخ سامنے آیا ہے اور عوام کے دلوں میں مختلف
شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں اس لیئے ضروری معلوم

ہوا کہ تصویر کا دوسرا رُخ بھی اُمّت کے سامنے آئے۔
لہٰذا جو فتاوی مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے اس سلسلہ میں لکھے گئے ہیں ان کا شائع کرنا بھی ضروری ہوا۔ اسی شمارے کے ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

محمد یوسف بنوری عفی اللہ عنہ

ضمیمہ

ماہ نامہ "بینات" کراچی جمادی الاول ۱۳۹۱ھ

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری قدس اللہ روحہ کی تدفین اور قبر کی حقیقت

دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا ایک سابقہ فتویٰ اور اس سے رجوع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہ نامہ "الفرقان" لکھنؤ بابت ماہ محرم ۱۳۹۱ھ کا اداریہ نوشتہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بعنوان "حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رح کی تدفین کا قضیہ اور حضرت مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کا بیان" نظر سے گذرا۔ اس اداریہ کی بنیاد مولوی عبد الجلیل صاحب کی طرف سے شائع شدہ ایک[1] مطبوعہ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے ماہنامہ الفرقان بابت ماہ محرم ۱۳۹۱ھ مطبوعہ پمفلٹ بعنوان تمہید، مطبوعہ پمفلٹ بعنوان التحریر النادر۔

فتویٰ ہے جس کا عنوان ہے "حضرتِ اقدس رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ کی تدفین اور نعش مبارک کی منتقلی کے بارے میں ہند و پاکستان کے علماءِ کرام کا فتویٰ"۔ ان ہر دو کے سلسلہ میں چند سطور بطور اظہارِ حقیقتِ حال مع تحقیقِ شرعی درج ہیں۔

حضرتِ اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہٗ کی تدفین کو اکثر علماءِ ہند و پاکستان نے اپنے مجموعہ فتاویٰ میں ادلۂ شرعیہ منصوصہ و کتب فقہ معتبرہ کے حوالہ جات کے پیشِ نظر "غیر شرعی" قرار دیا ہے اور چونکہ اس صورت میں فریضۂ "تدفین" ادا نہیں ہوا، اس لیئے موجودہ تدفین کو کالعدم کرکے اعادہ تدفینِ شرعی کو ضروری اور واجب قرار دیا ہے۔

اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے بھی اہم فتاوی جاری ہوئے ہیں انہی فتاویٰ اور دیگر تحقیقاتِ شرعیہ کو مدّنظر رکھ کر حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب ادام اللہ فیوضہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے قطب الارشاد مرجع العلماء والفضلاء منبع شریعت و طریقت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی موجودہ تدفین کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اعادہ تدفین کو بصورت "قبرِ شرعی" ضروری قرار دیا ہے اور موجودہ تدفین کو بدعتِ سئیہ فرمایا ہے۔

ہم حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب کی تحقیقِ شرعی سے

پوری طرح اتفاق کا اظہار کر چکے ہیں۔

لیکن مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے جواپنے اداریہ میں مولوی عبدالجلیل صاحب کے سوال اور مولانا مفتی زین العابدین صاحب کے فتویٰ کو مدار بنایا ہے ہمارے نزدیک یہ فتویٰ غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔

مفتی صاحب موصوف نے متذکرہ بالا فتویٰ کے جواب میں کتبِ[1] فقہ کی جن عبارتوں سے استدلال کیا ہے وہ سب خود اُس کے خلاف ہیں جو وہ جواب دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ تمام عبارتیں "قبرِ شرعی" سے متعلق ہیں جس کی ماہیت اور حقیقت میں "حفرارض" داخل ہے نہ کہ بلا حفرارض میت کو بناءً علی الارض مستور کرنے کے متعلق، اور نہ اس قسم کی جگہ سے میت کے نکالنے کو "نبشِ قبر" اور حرام کہا جا سکتا ہے اور نہ وہاں سے تابوت کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کرنے کو حرام یا ناجائز کہا جا سکتا ہے

---

[1] کبیری (۱-۵۵۱) الی قولہ و مثلہ فی المبسوط۔ بدائع الصنائع (۱-۳۱۸) شامی (۱-۸۳۵) از حفر قبرہ الی قولہ و نبش السباع طحطاوی ص۳۶۵ از وصی کثیر الی قولہ او ثلاث و نور الایضاح (صفحہ ۱۴۱) خلاصۃ الفتاوی (صفحہ ۲۲۵) الی قولہ والھف راجح علی الامر۔

جب کہ فقہاء کرام دفن سے پہلے بلا کراہت اس کی اجازت دے رہے ہیں۔ ولا باس بنقلہ قبل دفنہ (در مختار ج ا ص ۸۴۲)۔

مفتی زین العابدین صاحب نے مطبوعہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے جو سوال و جواب اس سلسلہ میں نقل کیا ہے وہ بھی ادلۂ شرعیہ اور عبارات کتب فقہ کی روشنی میں قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں تحفیر اور تعمیق کو "سنت" قرار دیا ہے حالانکہ یہ ادلہ مذکورہ کے پیش نظر فرض و واجب ہے، اسی لیے اس صورت کو "قبر شرعی" قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس پر عدم نبش یا عدم انتقال من مقام الی مقام کے احکام نافذ نہیں کیے جا سکتے۔

ابن عابدین علی الدر المختار میں مصرح طور پر مذکور ہے:۔

قولہ حفر قبرہ ومفادہ انہ لا یجزئ دفنہ علی وجہ الارض ببناء علیہ (ص ۶۶۲ ج ۱)۔

اور کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:۔

ولا یجوز وضع المیت علی وجہ الارض والبناء علیہ من غیر حفر۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد میں تاکیداً حکم فرمایا تھا احفروا واوسعوا واعمقوا واحسنوا۔ الحدیث۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی۔

حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، اپنی بے نظیر

تالیف بذل المجہود میں جس کی ترتیب و تحریر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم العالی شریک رہے ہیں، فرماتے ہیں:

اعمقوا ای احفروا القبر عمیقاً فهذا یدل علی انہ لابد من تعمیق القبر فانہ صلی اللہ علیہ وسلم امرهم بتعمیقہ مع حالۃ الشدۃ والجروح والمشقۃ والتعب ولهذا قالت الحنفیہ ان یعمق القبر الی الصدر والا فالی السرۃ (ص ۲۱۳ ج ۴)۔

قبر شرعی میں دفن کے بارے میں ابن العربیؒ فرماتے ہیں:۔

فصار ذالک سنۃ باقیۃ فی الخلق وفرضاً علی جمیع الناس علی الکفایۃ من فعلہ منہم سقط عن الباقین فرضہ۔ الاحکام لابن العربی (ص ۸۸۰ ج ۲)۔

ان دلائل کی روشنی میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا مطبوعہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں تسامح ہوا ہے جس کا ثبوت خود دارالعلوم دیوبند کے مفتیین کے حالیہ فتاویٰ ہیں۔

قبر کی حقیقت

مفتی زین العابدین صاحب کے مطبوعہ پمفلٹ بابت فتویٰ مذکورہ کے آخر میں صفحہ ۷ پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے اپنے مکتوب بنام مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالافتاء بجنور میں قبر کی حقیقت ان الفاظ میں تحریر کی ہے:۔

”زمین کے اوپر اینٹوں کا فرش کرکے اس پر
تابوت رکھ کر چاروں طرف دیوار بنا کر اس پر ڈاٹ
لگا دی گئی اس کے بعد چاروں طرف دُور تک مٹی
ڈال کر اس سطح کو مسجد کی سطح کے برابر۔ جو بہت اونچی ہو
کر دیا گیا اور اس پر کچی قبر کا نشان بنا دیا گیا۔“

اس کے جواب میں مفتی عزیز الرحمن مدنی دار الافتاء بجنور نے
برخلاف تمام ادلہ شرعیہ و عباراتِ کتب فقہ محض اپنی ذاتی رائے
سے قبر کی اس صورتِ غیر شرعی کو شرعی قرار دے کر بصورتِ فتویٰ تحریر
کیا ہے۔ اس لیے محسوس ہوا کہ صورتِ حال کو مزید واضح کرنے کی
حاجت ہے اور حضرات اربابِ فتویٰ یا اربابِ اقلام نے جن عبارات
سے استدلال فرمایا ہے، ان کا جائزہ لیا جائے۔ ارشاد ہے

”صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: ولا ینبش القبر
بعد اہالۃ التراب۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تابوت
پر اہالہ تراب، کا عمل ہو چکا ہے اس لیے اب اس کو
عرفاً و شرعاً تابوت نہیں کہا جا سکتا، بلکہ قبر یا مزار ہی
کہا جائے گا۔“

یہ جواب بھی ادلۂ شرعیہ منصوصہ و عبارات کتب فقہ متذکرہ بالا
کی روشنی میں قطعاً غلط اور ناقابلِ قبول ہے یہ صرف ان کی اپنی
ذاتی رائے ہے۔ کتبِ فقہ میں بصراحت مذکور ہے:-

ثم یہال علیہ التراب الذی اخرج من القبر ولا یزید علیہ
اس سے قطعاً ظاہر ہے کہ ”اہالہ تراب“ سے مراد وہ مٹی ہے
جو حفر کے عمل سے نکلی ہو، وہ مٹی مراد نہیں ہے جو کھیتوں سے
لا کر ڈال دی گئی ہو۔

غرض یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے ادلہ مذکورہ اور توارث و تعاملِ
امت سراسر اس کے خلاف ہے۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ”الفرقان“ بابت ماہ محرم سنہ ۱۳۹۱ھ
کے اداریہ میں لکھتے ہیں:-

”یعنی تابوت، لحد یا شق کی شکل میں قبر کھود کر زیرِ زمین
دفن نہیں کیا گیا بلکہ زمین کے اوپر کے حصہ میں اینٹوں
کے فرش پر دیواروں کے درمیان رکھا گیا ہے اور
دیواروں کے اوپر سے اینٹوں ہی کی ڈاٹ لگا دی
گئی اور پھر ہر طرف سے مٹی ڈال دی گئی۔“

اس کے بعد مولانا موصوف نے اپنے ذاتی تأثر کا اظہار
بایں الفاظ کیا ہے:-

”آخر میں اپنے اس احساس و تأثر کا اظہار بھی
ضروری ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین
جس طرح ہوئی کاش اس طرح نہ ہوئی ہوتی، اور
زیرِ زمین ہی شق کی شکل بنا کر دفن کیا گیا ہوتا، لیکن

ظاہر ہے کہ غلطی اگر ہوئی تو نادانستہ ہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ
ہم سب کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرمائے اور
اتباعِ سنت و شریعت کی توفیق دے۔"

اور ان الفاظ میں تدفینِ مندرجہ بالا کو خلافِ شریعت اور
معصیت قرار دے کر نادانستہ غلطی کا حکم لگایا ہے اور اللہ تعالیٰ
سے مغفرتِ گناہ کی استدعا کی ہے، قاعدۂ شرعیہ کے بموجب چونکہ
فریضہ تدفین مولانا کے اعتراف کے مطابق مذکورۂ بالا صورت میں
ادا نہیں ہوا جو کہ فرضِ کفایہ ہے۔ لہٰذا جب تک اس غیر شرعی
تدفین کو کالعدم قرار دے کر فریضۂ تدفین بصورتِ قبرِ شرعی تحفیر و تعمیق ارض
کے ساتھ بطریقِ سنتِ متوارثہ عمل میں نہیں لایا جائے گا برابر تدفینِ
شرعی میں تاخیر کی وجہ سے معصیت اور گناہِ کبیرہ کا ارتکاب باقی
رہے گا اور اعادہ تدفین بصورتِ قبرِ شرعی سب کے ذمہ فرض و
واجب رہے گی اور اس صورت میں تابوت کا ایک مقام سے
دوسرے مقام پر منتقل کرنا بھی جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ
اتم و احکم۔

رجوع

اس موقعہ پر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ ایک استفتاء
دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ۱۲ ذی قعدہ ۸۲ھ کو بابت

سوال (۱) میت کو قبر سے دفن کرنے کے بعد نکالنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ مجھے فلاں جگہ دفن کیا
جائے تو اس وصیت پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟"۔ وصول ہوا اس
پر صورتِ مسئولہ کے مطابق جواب تحریر کیا گیا جو رجسٹر جلد ۴ پر درج
ہے لیکن اسی روز مولوی عبدالجلیل صاحب کے سوال اور مولانا مفتی زین
العابدین صاحب کے جواب پر مشتمل ایک فتویٰ دستی طور پر دارالافتاء
میں آیا جس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی تصدیق و تصویب
موجود تھی اس پر بھی بطور تصدیق دستخط ثبت کر دیئے گئے

بعد میں جب مطبوعہ فتاویٰ کی صورت میں حقیقتِ تدفین حضرت
رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح ہمارے سامنے آئی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے
ادلہ شرعیہ منصوصہ اور عباراتِ کتبِ فقہ میں غور و فکر کا موقعہ ملا تو اپنے
سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا گیا۔

---

(۱) استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین مندرجہ ذیل
سوالات کے بارے میں؟

ا — کتاب الجنائز کے تحت فقہاء کی کتبِ معتبرہ میں "باب
دفن المیت" یا "فصل فی الدفن" کے بعد منقول ہے :-

دفن المیت فرض علی الکفایہ کذا فی السراج الوھاج۔ فتاویٰ عالمگیری۔

اس دفن سے فقہاء کی مراد قبر میں دفن کرنا ہے یا محض لوگوں کی نظروں سے چھپا دینا فرض ہے؟ نیز کیا تحفیر قبر فرض نہیں بلکہ سنت ہے؟۔ اسی طرح باب دفن المیت "فصل فی الدفن" کے تحت کتب فقہ معتبرہ میں دفن المیت کا ذکر آیا ہے اور اس کے بعد مسائلِ قبر بیان کیئے جاتے ہیں۔ ان سب جگہوں میں کیا فقہی شرعی اصطلاح کے مطابق "قبرِ شرعی" مراد ہے یا مطلقاً لوگوں کی نظروں سے ببناء فوق الارض چھپا دینا بھی مراد ہے؟۔

۲ ــــ عینی شرح ھدایہ (۱-۱۲۰) میں ہے:۔

"فصل فی الدفن" المقصود منہ ستر سورۃ المیت والیہ الاشارہ فی قولہ تعالیٰ" فبعث اللہ غراباً یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوأۃ اخیہ" وھو واجب اجماعاً۔

ان عبارات میں المقصود منہ سترِ سوۃ المیت سے دفن فی الارض مراد ہے یعنی تحفیر و تعمیق ارض کے ساتھ دفن کرنا اور اس کو واجب اجماعاً کہا ہے، یا یہ عبارت محض نظروں سے چھپا دینا بنباء علی الارض کو بھی شامل ہے۔

۳ ــــ بدائع (۱-۳۱۸) فصل واما سنۃ الحفر فالسنۃ فیہ عندنا اللحد وعند الشافعی الشق سے مراد صاحبِ بدائع

کی وہ حفر ہے جو کہ فرض و واجب ہے یا حفر کا صرف مسنون ہونا مراد ہے اور کیا اس عبارت سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ حفر سنت ہے واجب نہیں۔

۴ ــــ طحطاوی شرح الدر المختار (۱-۱۰۸) وحفر قبرہ القبر مقر المیت طولہ علی قدر طول المیت وعرضہ الی نصف قامتہ الخ" "القبر مقر المیت" سے تحفیر ارض کے بعد قبر کا مقر المیت ہونا مراد ہے جس کی تعریف طولہ علی قدر طول المیت وعرضہ الیٰ نصف القامۃ سے بیان کی ہے یا فوق الارض جہاں بھی میت کو رکھ دیا جائے، اگرچہ بغیر تحفیر کے ہو وہ بھی قبر ہوگی۔

۵ ــــ فتح القدیر (۲-۹۷) والسنۃ عندنا اللحد الا ان یکون ضرورۃ رخو الارض الخ۔ اس سے فوق الارض میت کا رکھنا مراد ہے یا تحفیر ارض کے بعد قبر کے اندر؟

۶ ــــ طحطاوی علی مراقی الفلاح (۱-۳۶۹) میں لکھا ہے ویکرہ الدفن فی الاماکن اللتی تسمیٰ الفساقی۔ کیا اس عبارت سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ صورت فساقی کی حفر قبر کے بغیر فوق الارض رکھ دینے سے واقع ہوتی ہے یا تحفیر قبر کے بعد دفن کرنے سے؟۔

مذکورہ بالا عبارات کتب فقہ کی بنیاد پر ایک مفتی صاحب کے چند اقتباسات درجِ ذیل ہیں کیا اپنی رائے سے ان کا یہ

استدلال درست ہے یا تحریف و تلبیس کا مصداق ہے؟

(۱) دفن کی کوئی خاص صورت فرض و واجب نہیں لیکن سنت ہے ہاں لوگوں کی نظروں سے مستقل طور پر چھپا دینا یہ دفن ہے جو فرض ہے۔

(۲) وحفر قبرہ ومفادہ انہ لایجزئ دفنہ علی وجہ الارض ببناء علیہ کما ذکرہ الشافعیہ ولم ارہ لائمتنا صریحًا۔ سے شبہ عدم تدفین کا ہو سکتا ہے مگر اوپر کی صراحتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ لایجزئ کے معنیٰ دفن کے کافی ہونے کے نہیں بلکہ سنت دفن میں کافی نہ ہونے کے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ فائدہ حفر قبر کا ہے اور حفر قبر خود سنت ہے۔ جیسا کہ بدائع کے الفاظ سنت الحفر واضح کر رہے ہیں اسی طرح عینی کا یہ کہنا کہ المقصود منہ ستر سوءۃ المیت" واضح کر رہا ہے۔

تیسرے فساقی میں مستور کرنا فوق الارض ہی ہے جس کے مکروہ ہونے کی وجہ عدم لحد اور بناء وغیرہ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(الف) باسمہ تعالیٰ، خشکی میں دفن میت بلا حفر ارض جائز نہیں

اور ایسا دفن کالعدم ہے کیونکہ دفن کی حقیقت شرعیہ و عرفیہ میں "حفر ارض" داخل ہے اس پر قرآن و سنت و اجماع امت اور عبارات کتب مذاہب اربعہ میں دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ یہاں ہم مختصرًا چند پر اکتفا کرتے ہیں:۔

(الف) قرآنِ کریم میں ارشاد ربانی ہے۔ فبعث اللہ غرابًا یبحث فی الارض لیریہ کیفؔ یواری سوءۃ اخیہ۔ آیت کریمہ دفن کے سلسلہ میں اصلِ کلی ہے۔ کما صرح بہ الامام ابوبکر الرازی الجصاص وکذا العلامہ ابن العربی فی احکامہ۔

یبحث کے ذیل میں علامہ محمود آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:۔

"والبحث فی الاصل التفتیش عن الشئ مطلقًا او فی التراب والمراد ھٰھنا الحفر"

اسی طرح آیتِ کریمہ میں غُراب کے ذریعہ دفن کی جس الہامی تعلیم کا ذکر ہے اس کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

اخرج عبد بن حمید وابن جریر عن عطیۃ قال لما قتلہ ندم فضمہ حتی اروح وعکفت علیہ الطیر والسباع تنتظر متی

لہ کیف یواری سے واضح ہے کہ صرف مواراۃ (چھپا دینے) کی تعلیم دینا مقصود نہیں بلکہ چھپا دینے کی مخصوص کیفیت اور صورت (زمین کھود کر اس میں چھپا دینے) کی تعلیم دینا مطلوب ہے اور یہی شرعًا فرض ہے ۱۲ مرتب۔

يرمى به فتاكله وكره ان ياتى به آدم عليه السلام فيحزنه وتحير فى امره اذ كان اول ميت من بنى آدم عليه السلام فبعث الله تعالىٰ غرابين قتل احدهما الاخر وهو ينظر اليه ثم حفر له بمنقاره وبرجله حتىٰ مكن له ثم رفعهٔ برأسه حتى القاه فى الحفرة ثم بحث عليه برجله حتى واراه۔ روح المعانى (۱۱۵ و ۱۱۶-۶)

خود آیتِ کریمہ سے صراحتاً واضح ہے کہ اس سے دفن کی کیفیت تعلیم کرنا مقصود ہے اور کیفیت دفن میں حفر اصل کلی کی حیثیت سے شامل ہے اور اس دفن مع الحفر کی حکمت مواراۃ سوٗۃ اخیہ ہے جس کو بطور نتیجہ اس کیفیت پر مرتب کیا گیا ہے صرف مواراۃ یعنی چھپا دینا آیتِ کریمہ کا مدلول ہرگز نہیں ہے۔

(ب) قرآنِ کریم کے بعد جب ہم احادیث کریمہ نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح اور واضح ہدایت ملتی ہے۔ آپؐ نے غزوۂ اُحد میں حکم فرمایا:۔

احفروا واوسعوا واعمقوا واحسنوا وادفنوا۔ رواه احمد والترمذى وابوداؤد والنسائى وابن ماجه۔

یہ حکم آپؐ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جبکہ غزوۂ اُحد میں صحابۂ کرامؓ کافی زخمی ہو چکے تھے اور تخفیف کی ضرورت تھی یعنی وہ چاہتے تھے کہ حفر اور تعمیق میں کچھ تخفیف ہو جائے۔ کمانبہ علیہ العلامہ ابوالحسن سندھی فی حاشیتہ علی سنن النسائی۔

لیکن آپ نے اسی طلب تخفیف کو رد فرمایا اور تحفیر و تعمیق کا ضروری حکم دیا اگر حفر اور تعمیق میں شرعاً کوئی تخفیف ممکن ہوتی تو آپ اس میں ضرور تخفیف فرماتے جیسا کہ آپ نے چند نعشوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کا حکم دے کر ایک گونہ تخفیف پیدا کر دی۔

حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ بذل المجہود میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اعمقوا اى احفروا القبر عميقاً فهذا يدل على انه لا بد من تعميق القبر فانهٗ صلى الله عليه وسلم امرهم بتعميقه مع حالة الشدة والجروح والمشقة والتعب ولهذا قالت الحنفية ان تعمق القبر الى الصدر والا فالى السرة (۳-۲۱۳)۔

(ج) اجماع کے سلسلہ میں تعامل اور توارثِ امت اس کی واضح دلیل ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر اور بعد کے ادوار میں کوئی ایک بھی مثال نہیں پیش کی جاسکتی کہ بلا حفر کسی میت کو زمین پر رکھ کر پختہ عمارت بنا دی گئی ہو اور اس کو دفنِ شرعی یا قبرِ شرعی کہا گیا ہو[1]۔

---

[1] بعض صحابۂ کرامؓ سے جو غلبۂ خوف کی بناء پر اپنے دین سے متعلق وصیت (باقی بر صفحہ ۶

(د) ابن عابدین علی الدر المختار میں مصرح طور پر مذکور ہے:

قوله حفر قبره ومفاده انه لایجزئ دفنه علی وجه الارض ببناء علیه (۱-۶۶۴)

جن مفتیانِ کرام نے اس صریح اور واضح جزیہ پر خامہ فرسائی کی ہے اور کہا ہے کہ اس میں اجزاء کی نفی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سنت ادا نہیں ہوتی، انتہائی قابلِ حیرت ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں اگر "لایجوز" ہوتا تو عدمِ جوازِ دفن پر زیادہ واضح ہوتا۔

ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس جگہ لایجزئ اور لایجوز دونوں ہم معنی ہیں بلکہ اصطلاحِ فقہ کے اعتبار سے ہمارے نزدیک لایجزئ نفیِ دفن پر لایجوز سے زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی طرح بھی فریضۂ تدفین ادا نہیں ہوتا۔ اور اگر ان حضرات کو لایجوز ہی پر اصرار ہے تو الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں صراحتاً مذکور ہے:-

"ولایجوز وضع المیت علی وجه الارض بالبناء علیه من غیر حفرة"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) منقول ہے اس میں بھی زمین کھود کر لحد یا شق بنائے بغیر صرف چہرہ کو بچا کے باقی جسم کو اس مٹی میں دبا دینے کی تصریح موجود ہے۔ اس سے بھی زمین کھودے بغیر تابوت کو پختہ فرش پر رکھ کر چاروں طرف پختہ عمارت بنا کر مستور کر دینے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

فقہ شافعیؒ کی مشہور و معتبر کتاب "تحفۃ المحتاج" میں لکھا ہے:-

فصل فی الدفن وما یتبعه (اقل القبر) المحصل للواجب (حفرة تمنع) بعد طمها (الرائحة) ان تظهر فتؤذی (والسبع) ان ینبشه ویاکله لان حکمة وجوب الدفن مع عدم انتهاك حرمته بانتشار ریحه واستقذار جیفته واکل سبع له ولا تحصل الا بذلك وخرج بحفرة وضعه بوجه الارض وسترة بکثیر نحو تراب او حجارة فانه لایجزئ عند امکان الحفر وان منع الریح والسبع لانه لیس بدفن۔

وقال عبد الحمید الشروانی تحت قوله عند امکان الحفر وعدم الامکان فی البحر وقال تحت قوله وضعه بوجه الارض والبناء علیه بما یمنع الخ فی حکمه حفرة لاتمنع ما مر اذا وضع فیها ثم بنی علیه ما یمنع ذلك فلا یکفی انتهی (۳-۱۶۷)۔

ان دونوں عبارتوں سے حسبِ ذیل امور مستفاد ہوئے:-

(۱) اس قدر حفر (زمین کھودنا) جو مانع ریح و سبع ہو فرض و واجب ہے (شوافع کے نزدیک فرض و واجب میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

(۲) میت کو زمین پر رکھ کر مٹی اور پتھروں کی عمارت سے چھپا دینا اگرچہ وہ مانع ریح و سبع ہو تب بھی دفن نہیں ہے کیونکہ اس میں فریضۂ تدفین شرعی کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

(۳) امکانِ حفرِ زمین پر ہر جگہ متحقق ہوتا ہے، عدمِ امکان کی صورت صرف بحر میں ہے

(۴) اگر بلا حفرِ زمین پر میت کو رکھ کر عمارت بنا دی جائے تب بھی تدفینِ شرعی متحقق نہیں ہوگی۔

(۵) اگر گڑھا اس قدر گہرا نہ ہو کہ وہ مانع ریح ہو سکے اور اس پر عمارت بنا دی جائے۔ تب بھی تدفینِ شرعی متحقق نہیں ہوگی۔

اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات علی الترتیب تحریر ہیں۔

(۱) فقہاء کی کتبِ معتبرہ میں کتاب الجنائز کے تحت باب دفن المیت و فصل فی الدفن کے ذیل میں نصوصِ قرآن و حدیث کا اتباع ہے۔ چنانچہ باب دفن المیت کے تحت حدیث میں احفروا واوسعوا مصرح طور پر بالترتیب وارد ہے۔ پہلے تحفیر و تعمیق ارض احسن طریقے پر بعدہٗ دفن میت فی القبر فلہٰذا یہ مفہوم کتاب الجنائز باب دفن المیت و فصل فی الدفن کے ذیل میں شرعاً متعین ہے صرف چھپا دینا یا لوگوں کی نظروں سے بلا تحفیرِ ارض مستور کر دینا ہرگز مراد نہیں ہے اسی طرح مسائلِ قبر میں قبر سے مراد یہی قبرِ شرعی ہے اس کے علاوہ مراد لینا جہل یا تلبیس ہے۔

(۲) علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں صفحہ (۱ـ ۱۱۲۰) پر فصل فی الدفن کے بعد جو کچھ فرمایا ہے وہ دفنِ شرعی کے متعلق ہے۔ علامہ موصوف نے صاحب ہدایہ کے قول یلحد القبر ویشق

کے ذیل میں مذکورۂ بالا عبارت تحریر کی ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قبرِ شرعی اور دفنِ شرعی کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ "اس قبرِ شرعی اور دفنِ شرعی کا مقصد ستر سوءۃ المیت ہے" بلا تدفینِ شرعی صرف نظروں سے چھپا دینے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ کما بیناہ مفصلاً فی التمہید۔

(۳) بدائع الصنائع کی عبارت اما سنت الحفر سے مراد یہ لینا کہ حفر سنت ہے قابلِ تعجب اور قابلِ افسوس ہے۔ سیاق و سباق عبارت اور "ترکیب اضافی" اس کا واضح ثبوت ہیں۔ چنانچہ صاحب بدائع نے پہلے تو وجوب و فرضیتِ دفن کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد فرضیت حفر کی مسنون صورت بصورتِ لحد یا شق بیان کی ہے۔

(۴) طحطاوی شرح الدر المختار (۱ـ ۶۰۰) کی عبارت و حفر قبرہ والقبر مقر المیت الخ کی مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ فوق الارض جہاں بھی میّت کو رکھ دیا جائے وہی قبر ہے، بلکہ اس سے مراد لحد یا شق کا وہ اندرونی حصہ ہے جہاں میت کو رکھا جاتا ہے جس کی لمبائی طولِ میّت کے برابر اور چوڑائی نصف قامتِ میت کے برابر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ لحد یا شق کا اندرونی حصہ تحفیر و تعمیق کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد لینا کہ میت کو اگر فوق الارض جہاں بھی رکھ دیا جائے

قبر ہے، انتہائی جہالت ونادانی ہے یا مقصد برآری کے لئے تحریف وتلبیس اور مسخ شرائع کا مصداق ہے۔

(۵) **فتح القدیر (۲۔۹۷)** کی عبارت والسنة عندنا اللحد الاان یکون ضرورة رخوالارض الخ میں بھی میت کو تحفیر ارض کے بعد دفن کرنا مراد ہے۔ فتح القدیر کی پوری عبارت یہ ہے:۔

والسنة عندنا اللحد الاان یکون ضرورةً من رخوالارض فیخاف ان ینهار اللحد فیصار الی الشق بل ذکرلی ان بعض الارضین من الرمال یسکنها بعض الاعراب لا یتحقق فیها الشق ایضا بل یوضع المیت ویهال علیه نفسه (۱۔۴۶۶) طبع بولاق مصر۔

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ "دفن میں سنت لحد ہے۔ زمین کی نرمی وغیرہ کی وجہ سے اگر لحد برقرار نہ رہ سکے تو شق کو اختیار کیا جائے گا۔

ابنِ ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ ایسے ریگستانی علاقے میں رہتے ہیں جہاں شق بھی پوری طرح نہیں بن سکتی، بلکہ میت کو گڑھے میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ حفر کے بغیر میت کو زمین کی سطح پر رکھ کر اور اس پر پختہ عمارت بنا کر مٹی ڈال دی جائے،

بلکہ یہ شق قائم نہ رہنے کی صورت کا بیان ہے کہ اگر شق بھی قائم نہ رہ سکے تو گڑھا کھود کر میت کو رکھ دیا جائے اور اوپر سے وہی مٹی ڈال دی جائے۔

(۶) "فساقی" میں دفن کرنا فوق الارض قطعاً نہیں ہوتا، "فساقی" ایسے تہہ خانوں کو کہتے ہیں جو زمین کھود کر زیرِ زمین بنائے جاتے ہیں۔ چنانچہ صاحب "تحفة المحتاج" علامہ ابنِ حجر الہیتمیؒ تحریر کرتے ہیں:۔

"کالفساقی" فانها بیوت تحت الارض وقد قطع ابن الصلاح والسبکی وغیرهما بحرمة الدفن فیها مع ما فیها من اختلاط الرجال بالنساء وادخال میت علی میت قبل بلی المیت ومنعها للسبع واضح وعدم الرائحة مشاهد

"وقال الشروانی" ولا یکفی وضع المیت فی القبر کما هو المعهود الان ای فی الفساقی والناس اثمون بترك الدفن فی اللحد او الشق (۳۔۱۶۸)۔

وفی فتح القدیر، ویکره الدفن فی الاماکن التی تسمی فساقی الخ وهی من وجوه الاول عدم اللحد. الثانی دفن الجماعة فی قبر واحد بغیر ضرورة۔ الثالث۔ اختلاط الرجال بالنساء من غیر حاجز کما هو الواقع فی کثیر منها۔ الرابع تجصیصها والبناء علیها (البحر ۲۔۱۹۵)۔

ویکرہ الدفن فی الفساقی الخ وھی کبیت معقود بالبناء یسع جماعۃ قیاما لمخالفتھا السنۃ۔ امداد والکراھۃ من وجوہ عدم اللحد و دفن الجماعۃ فی قبر واحد بلاضرورۃ واختلاط الرجال بالنساء بلاحائل و تجصیصھا والبناء علیھا (بحر۔ رد المحتار ۲-۳۳۳)۔

اس وضاحت کے بعد کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ میت کو "فساقی" میں حفر کے بغیر فوق الارض نہیں رکھا جاتا۔

دلائلِ مذکورہ بالا اور تصریحات کتب فقہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ زمین کھود کر اس میں میّت کو دفن کرنا فرض ہے اور لحد یا شق اس کی مسنون صورت ہے۔ اس کے بعد کسی بھی مفتی یا عالم کا یہ کہنا کہ "دفن کی کوئی خاص صورت فرض وواجب نہیں ہے ہاں لوگوں کی نظروں سے مستقل طور پر چھپا دینا، یہ دفن ہے جو فرض ہے، قطعاً غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ
ولی حسن ٹونکی غفر اللہ لہٗ
دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی۔
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

مہر دار الافتاء
مدرسہ عربیہ اسلامیہ
نیو ٹاؤن کراچی

محمد ادریس غفرلہٗ
محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
محمد بدیع الزماں عفا اللہ عنہ
سید مصباح اللہ شاہ
محمد احمد قادری
عبد اللہ کاکاخیل
احمد الرحمٰن غفرلہٗ
آفتاب احمد عفی عنہ
عبد القیوم
محمد عفی عنہ
محمد امین عفا اللہ عنہ
محمد حبیب اللہ مختار
عبد الحمید

Scanned by CamScanner

(۲) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مندرجۂ ذیل مسائل میں؟ لیکن سوالات کا جواب دینے سے قبل مندرجۂ ذیل حقائق پیشِ نظر رکھیں:۔

(۱) قرآنِ پاک میں صراحتاً مذکور ہے:۔

فبعث اللہ غرابًا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوأۃ اخیہ

نیز ارشاد ہے:۔ "ثم اماتہ فأقبرہ"۔

فقہاءِ اُمّت انھیں نصوصِ قطعیہ کی بناء پر باجماعِ اُمّت اُسی طریقہ دفنِ میت کو جو من لدن آدم الیٰ یومنا ھذا توارثاً سلفاً عن خلفٍ چلا آیا ہے فرض قرار دیتے ہیں اور یہی اُمّت کا معمول رہا ہے۔

(۲) احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی قرآنی نصوصِ قطعیہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے متعدد مقامات پر بتاکید "احفروا واعمقوا واحسنوا وادفنوا" کے الفاظ صراحتاً مذکور ہیں۔ مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ میں ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم احد احفروا واوسعوا واعمقوا واحسنوا وادفنوا الاثنین والثلاثۃ فی قبر واحد وقدموا اکثرھم قرآنًا۔

اسی بناء پر شارحینِ حدیث اور فقہاءِ اُمّت نے حفر و اعماقِ ارض کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔

(۳) ائمہ مذاہبِ اربعہ اور فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں مثلاً فتاویٰ عالمگیری (۱۔ ۱۶۵، ۱۶۶)۔ شامی (۲۔ ۲۳۳) اور کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ (۱۔ ۴۱۹) وغیرہ میں تحفیرِ ارض کے ساتھ دفنِ میت کو اجماعاً فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔

(۴) شامی میں صراحتاً مذکور ہے:۔

ومفادہ انہ لا یجزئ دفنہ علی وجہ الارض ببناءٍ علیہ (جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)۔

اسی طرح کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں مذکور ہے:۔

ولا یجوز وضع المیت علی وجہ الارض والبناء علیہ من غیر حفر (جلد ۱۔ صفحہ ۴۱۹)۔

فقہ کی ان تمام کتابوں میں قبرِ میت صرف اُس صورت کو قرار دیا گیا ہے جس میں حفرِ ارض کے بعد لحد یا شق کی صورت میں تدفین کی تکمیل ہوا اور اُس پر اُسی قبر سے نکالی ہوئی مٹی ڈالی گئی ہو، اِس تدفینِ شرعی کے بعد "لم ینبش القبر" کا حکم لگایا گیا ہے۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے بتلائیے:۔

(۱) اگر کسی مسلمان میت کو تابوت میں رکھ کر بلا قبر کھودے زمین پر پختہ اینٹوں کا چبوترہ بنا کر رکھ دیا جائے اور تابوت

کے چاروں جانب پختہ دیواریں بنا کر اوپر سے پختہ ڈاٹ لگا دی جائے اور سیمنٹ سے لپائی کر دی جائے اور کھیتوں سے مٹی لا کر اس تعمیر کے اوپر اور ارد گرد ڈال کر قبر کی شکل بنا دی جائے تو یہ قبرِ شرعی ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ تدفین مندرجہ بالا نصوصِ قطعیہ کے خلاف نہیں ہے؟۔

(۲) کیا صورتِ مسئولہ کو قبرِ شرعی کہا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس غیر شرعی تدفین کو، شرعی تدفین کی صورت میں لانے کی غرض سے، اس غیر شرعی قبر کے کالعدم کرنے کو ممنوع اور ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور اس پر "نبشِ قبر" کے احکام لگائے جا سکتے ہیں؟

(۳) کیا میت کو تحفیرِ ارض کے بغیر مٹی میں مستور کر دینے کو شرعی اعتبار سے "قبرِ میّت" کہا جا سکتا ہے اور اس طرح پر فریضۂ تدفینِ شرعی، جو تحفیرِ ارض کے ساتھ ضروری تھا، ادا ہو جاتا ہے؟

(۴) کیا تحفیرِ ارض جو تدفین کے لیے نصوص قطعیہ اور تعاملِ اُمت اور اقوالِ فقہاء کی بناء پر فرض ہے، کیا اسے محض سنت قرار دینا درست ہے؟۔

(۵) کیا مفتیانِ کرام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اَدِلّہ قطعیہ منصوصہ کے ہوتے ہوئے اپنی رائے کو بطورِ فتویٰ، منصوص صورت کے خلاف استعمال کریں؟ اور کیا ان کا یہ عمل شرعاً قابلِ قبول ہوگا؟۔

(۶) فقہ کی کتابوں کی عبارت اپنے مقصد کے لیے غیر متفرع صورت پر اپنی رائے سے متفرع کر کے استعمال کرنا، مثلاً فتح القدیر کی عبارت "بعد اھالۃ التراب لم ینبش القبر" کو جو شرعی قبر کے لیے ہے، اس غیر شرعی قبر اور غیر شرعی تدفین پر، جو اس عبارت میں مذکور نہیں، منطبق کرنا درست ہے؟۔

(۷) کیا تدفین اور قبر کی شرعی صورت کے برخلاف اپنے قول سے غیر شرعی تدفین اور غیر شرعی قبر کو قبرِ شرعی اور تدفینِ شرعی قرار دینا بدعتِ قبیحہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ اس بدعت کی بنیاد ڈالنے اور اس کی ترویج کرنے کے مترادف نہیں ہے؟۔

آں جناب سے گزارش ہے کہ پیش کردہ شرعی اَدِلّہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے شخصی رائے اور اپنے رجحانات سے بالاتر ہو کر صورتِ مسئولہ کا جواب باصواب عنایت فرما کر بینوا توجروا کے مستحق بنیں۔ واجرکم علی اللہ۔

الجواب

باسمہ تعالیٰ۔

(۱) اَدِلّہ شرعیہ منصوصہ مندرجہ استفتاء از ایک تا تین کی روشنی میں، تدفین کی صورتِ مسئولہ، سراسر ناجائز اور

غیر شرعی تدفین ہے جس کو تدفینِ شرعی ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) اس قبر کو قبرِ شرعی نہیں کہا جا سکتا، فریضۂ تدفین صرف قبرِ شرعی کی صورت میں ادا ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی صورت سے ادا نہیں ہو سکتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اعادۂ تدفین ضروری ہے اور اس اعادہ کو "نبشِ قبر" نہیں کہا جائے گا۔

(۳) اُدلّہ شرعیہ مذکورہ مندرجہ استفتاء کی روشنی میں صورتِ مسئولہ کو قبرِ شرعی ہرگز نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس طرح فریضۂ تدفین ادا ہو سکتا ہے کیونکہ اُدلّہ شرعیہ کتاب و سنّت و اجماع اور عبارات و تصریحاتِ فقہ میں دفنِ میّت سے مراد تحفیر و تعمیق ارض کے بعد قبر کا بطریقِ سنتِ متوارثہ بنانا ضروری ہے صرف مستور کر دینا ببناء علی الارض تدفینِ شرعی نہیں ہے۔

(۴) از روئے شرع فرض کو سنت سمجھنا یا سنت قرار دینا کسی طرح درست نہیں، شریعتِ مطہرہ جس امر کو فرض قرار دے، اس کو سنت سمجھنا یا بتلانا مردود ہے۔

(۵) کسی مفتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُدلّہ قطعیہ منصوصہ کی موجودگی میں متعین صورتوں میں اپنی رائے کو بطورِ فتویٰ، مقررہ شرعی صورت کے خلاف، استعمال کرے۔ ایسی خلافِ شرع رائے استعمال کرنے پر سخت وعید وارد ہے کیونکہ یہ

امر تحریف فی الدین کے مرادف ہے۔ مفتیان کا ایسا قول ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتا اور رَد کیے جانے کے قابل ہے۔ اس زمانے کے مفتی صاحبان مجتہد نہیں ہیں، ان لوگوں کے لیے آدابِ افتاء، علماءِ امّت نے مرتب و مدوّن کر دیئے ہیں جن میں سے ایک اہم ہدایت یہ ہے:-

فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفت والواجب علیه اذا سئل ان یذکر قول المجتهد کالامام علی وجه الحکایة فعرف ان مایکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل نقل کلام المفتی لیاخذ به المستفتی الخ رد المحتار ۱- ۶۶۰)

(۶) ان صورتوں کو کوئی شخص اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتا، اس کا حکم وہی ہے جو جواب نمبر ۵ میں گذرا۔

(۷) صورتِ مسئولہ کا ارتکاب کرنے والا یقیناً مبتدع فی الدین ہے اور یہ فعل یقیناً بدعتِ سیّئہ ہے کیونکہ اس فتوے کی بناء پر یہی غلط طریقہ اختیار کر لیا جائے گا، اور اس طرح تعامل و توارثِ اُمت جو دفن کے لیے فرض ہے ختم ہو جائے گا، اور ایسا کرنے والے پر نصوصِ قطعیہ کے خلاف عمل کرنے کی وعیدوں کا حکم لگایا جائے گا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

کتبہ

ولی حسن ٹونکی غفر اللہ لہ
دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ
نیوٹاؤن کراچی نمبر ۵

مہر دار الافتاء
مدرسہ عربیہ اسلامیہ
نیو ٹاؤن کراچی

الجواب صواب
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
محمد اسحٰق عفا اللہ عنہ
محمد ادریس غفرلہٗ
محمد بدیع الزماں عفا اللہ عنہ
سید مصباح اللہ شاہ
محمد احمد قادری
عبد اللہ کاکاخیل
احمد الرحمٰن غفرلہٗ
آفتاب احمد عفی عنہ
محمد امین عفا اللہ عنہ
محمد حبیب اللہ مختار عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصاکم بہ لعلکم تتقون

توضیح و تنبیہ

مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ کا فیصلہ "الفرقان" شمارہ ربیعین
۱۳۹۳ھ میں شائع ہوا ہے۔ ہم نے اس فیصلہ کو اور اس فیصلہ
اساس یعنی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور حضرت
نا مفتی مہدی حسن صاحب کے فتووں کو بغور دیکھا۔ ہمیں افسوس
کہ ان فتووں میں انہی امور کا اعادہ ہے جن کا جواب ہم بار
سے چکے ہیں۔

حضرت مولانا اعظمی صاحب نے "بلا حفر شرعی" موجودہ شکل کو
ین الارض" قرار دیا ہے جو بداہت کے خلاف ہے تحفۃ المحتاج
وکی مندرجہ فتاویٰ عبارات اگر جناب ممدوح کے پیش نظر
یں تو ایسی بات نہ فرماتے۔

حضرت مفتی مہدی حسن صاحب نے صرف کتابوں کے نام
رلنے پر اکتفا کیا ہے اور محیط جیسی کتاب کا بھی نام لیا ہے
فائدہ نہیں ہے اور اس کے خال خال نسخے ملتے ہیں،
ن مطبوعہ کتابوں کے نام شمار کئے ہیں، ان کی عبارتیں حضرت

مفتی صاحب کے مقصد کے خلاف دلالت کرتی ہیں کیونکہ فقہ میں کتاب الجنائز میں جب بھی "قبر، دفن" کا ذکر ہوتا ہے اس سے قبرِ شرعی مراد ہوتی ہے جس کی حقیقت میں تحفیر و تعمیق ارض بطریق فرض و واجب اور لحد و شق بطریق سنت متوارثہ داخل ہے اس لیئے جو دفنِ میت علیٰ وجہ الارض ببناء علیہا و بغیر بناء علیہ بلا حفر و تعمیق ہوگا وہ بوجہ عدم ادائیگی فریضۂ تدفین ہرگز قبرِ شرعی شمار نہ ہوگا۔

ادلۂ شرعیہ منصوصہ و فقہیہ کی روشنی میں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہٗ کی موجودہ تدفین جو زمین پر بذریعۂ تعمیر و بذریعۂ تابوت عمل میں لائی گئی ہے وہ چونکہ قبرِ شرعی ہرگز نہیں ہے، اس لئے اُمّتِ مسلمہ اپنی اموات کے لیئے ایسی تدفین کو ہرگز اختیار نہ کریں اگر ایسی تدفین کو اختیار کریں گے تو وہ ہرگز دفنِ شرعی بصورتِ قبرِ شرعی متحقق نہ ہوگا، اور ہمیشہ گناہ گار رہیں گے۔

کتبہٗ

ولی حسن

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

(الجمعیۃ پریس دہلی)

تصدیقات عُلماءِ ہند

مذکورہ بالا جوابات پر ہندوستان کے حسب ذیل حضرات نے تصدیقی دستخط فرمائے ہیں

دارالعُلوم دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی احمد علی سعید صاحب
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا قاضی مسعود احمد صاحب
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب
دارالافتاء مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی

مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

حضرت مولانا سید عبداللہ انجم صاحب جلالی
دارالافتاء مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی۔

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب
مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی۔

حضرت مولانا سرور احمد صاحب
مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

حضرت مولانا قاضی محمد نصراللہ صاحب
مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

حضرت مولانا اعجاز اللہ صاحب
مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

حضرت مولانا قاری محمد میاں صاحب
مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

مدرسہ عبدالرب دہلی

حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب
مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ عبدالرب دہلی۔

شاہی جامع مسجد دہلی

حضرت مولانا سید حمید صاحب، بخاری
امام شاہی جامع مسجد دہلی۔

حضرت مولانا سید عبداللہ صاحب
نائب امام شاہی جامع مسجد دہلی۔

مسجد فتحپوری دہلی

حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی۔

حضرت مولانا مشرف احمد صاحب
نائب مفتی مسجد فتحپوری دہلی۔

شاہی عیدگاہ دہلی اور درگاہ شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلی۔

حضرت مولانا زید ابوالحسن صاحب، مدظلہ،
(امام شاہی عیدگاہ دہلی) درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلی۔

دارالافتاء جمعیۃ علماء ہند دہلی

حضرت مولانا مفتی محمد فضل الرحمٰن صاحب۔
مفتی جمعیۃ علماء ہند، و صدر مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی

مدرسہ حسین بخش دہلی

حضرت مولانا دوست محمد صاحب، مدرسہ حسین بخش دہلی
حضرت مولانا نور محمد صاحب، مدرسہ حسین بخش دہلی

حضرت مولانا محمد شمیم صاحب قاسمی

مدرسہ حسین بخش دہلی۔

مدرسہ سبحانیہ دہلی

حضرت مولانا عبد المنان صاحب

مدرسہ سبحانیہ دہلی

حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب شاکر دہلوی

مدرسہ سبحانیہ دہلی

حضرت مولانا عبد الحنان صاحب

مدرسہ سبحانیہ دہلی

حضرت مولانا عبد الغفار صاحب

مدرسہ سبحانیہ دہلی

مدرسہ دعائیہ دہلی

الحاج حضرت مولانا رحیم شاہ صاحب

مدرسہ دعائیہ بارہ ٹوٹی دہلی۔

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب

مدرسہ دعائیہ بارہ ٹوٹی دہلی۔

مدرسہ عبدیہ دہلی

حضرت مولانا سید عبد اللہ صاحب صدر

مدرسہ عبدیہ سوئیوالان جامع مسجد دہلی

مدرسہ ریاض العلوم دہلی

حضرت مولانا عبد السلام صاحب بستوی سلفی

مدرسہ ریاض العلوم دہلی

دار الافتاء مسجد رنگریزان دہلی

حضرت مولانا سید حفیظ الدین احمد صاحب

دار الافتاء مسجد رنگریزان باڑہ ہندو راؤ دہلی

دار الافتاء مسجد جنگل والی دہلی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب۔

دار الافتاء جنگل والی مسجد پل بنگش دہلی۔

جامعہ شریفیہ دہلی

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب صدیقی

جامعہ شریفیہ دہلی

حضرت مولانا سعید احمد صاحب

جامعہ شریفیہ دہلی

علماء اہلحدیث

حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب مدظلہ

(صدر علماء اہلحدیث، آرہ (بہار)

حضرت مولانا محمد یوسف مرکزی سلفی

نائب مدیر اخبار اہلحدیث دہلی۔

دائرہ شاہ اجمل الٰہ آباد

حضرت مولانا سید محمد شاہد میاں صاحب فاخری، زظلہٗ
سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل الٰہ آباد

مدرسہ عالیہ اسلامیہ شریف نگر

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب
مدرسہ عالیہ اسلامیہ شریف نگر ضلع مرادآباد

مدرسہ مدینۃ العلوم رام نگر

حضرت مولانا امام الدین صاحب مالکی نقشبندی۔
مدرسہ مدینۃ العلوم رام نگر ضلع نینی تال۔

حاصلِ کلام

ہندوستان اور پاکستان کے جملہ مشاہیر و اکابر علمار کرام کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ تدفین شرعی "تحفیر ارض" کے ساتھ ہی متحقق ہوتی ہے۔ کسی چبوترہ پر تابوت رکھ دینا اور تابوت کو اینٹ و سیمنٹ کے ذریعہ پوشیدہ کر دینا کسی طرح بھی تدفین شرعی نہیں ہے۔ چبوترہ پر رکھے ہوئے تابوت کی "تحفیر ارض" کے ساتھ تدفین واجب ہے۔ اور یہی تدفین۔ تدفین شرعی کہی جائے گی، لہٰذا تحفیر ارض کے ساتھ تدفین شرعی کے لئے تابوت کو اگر چبوترہ سے ہٹایا جاتا ہے تو اس پر نبش قبر کے ناجائز ہونے کا حوالہ دینا کلمۃ حق ارید بہا الباطل کی مثال ہے اور نبش قبر کا مسئلہ اپنی جگہ خود اختلافی مسئلہ ہے۔

یہاں جبکہ تدفین شرعی بالاتفاق ثابت نہیں ہے تو مواخذۂ شرعی سے بے نیاز ہو کر (نعوذ باللہ) اس کو تدفین شرعی کہنے والے غالبًا اپنے کسی مفاد کی خاطر تحفیر ارض کے ساتھ تدفین شرعی کی مخالفت کر رہے ہیں، جو بہت ہی افسوسناک ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ

وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ
(آمین)

محمد وحید الدین قاسمی
ناظم مرکزی دینی تعلیمی بورڈ
1505 گلی قاسم جان دہلی۔ 6

طبع
الجمعیۃ پریس دہلی